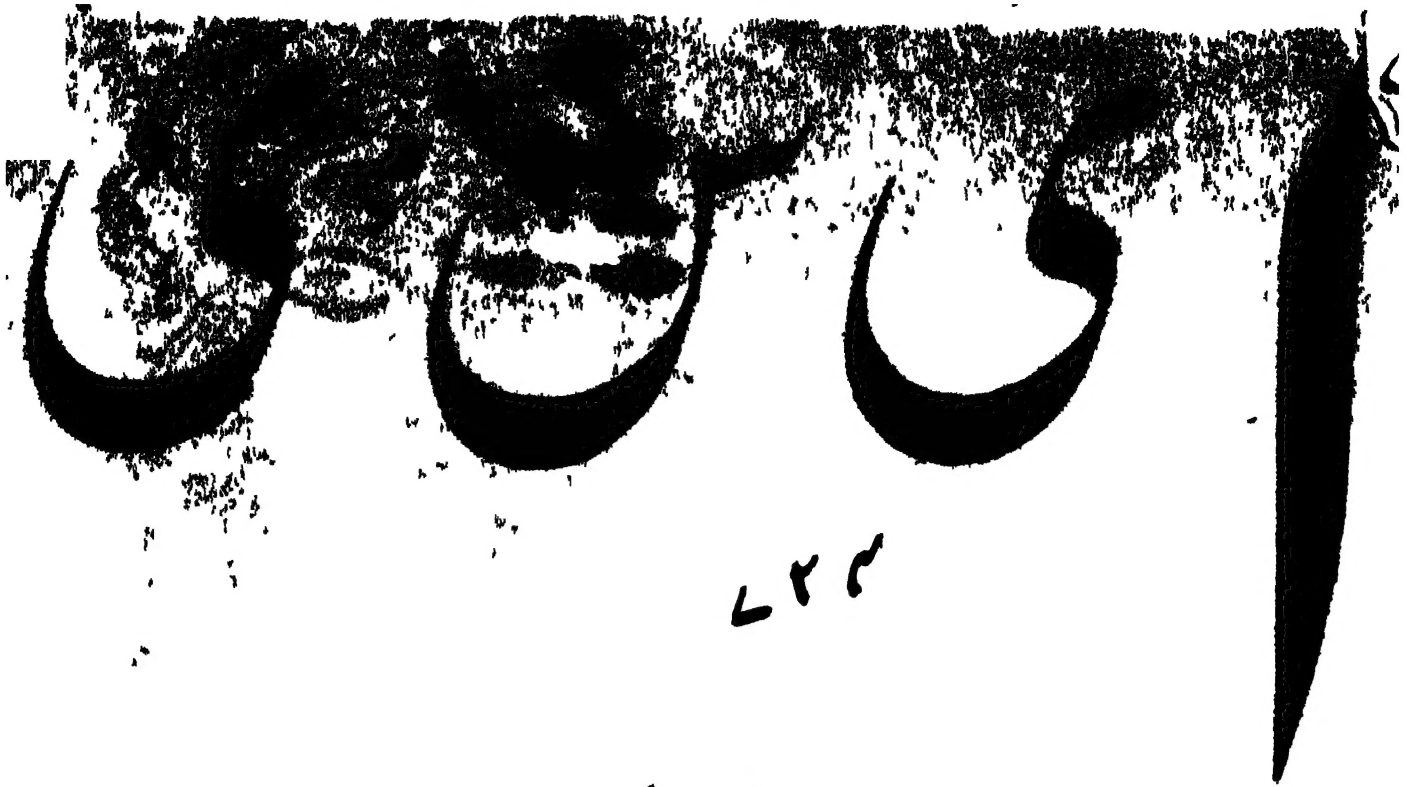


U. 9215



۷۲۲

مجله

(سپتامبر اکتوبر ۱۹۳۵ء)

قیمت ۱۲/-

مجله
سازگار نظامی

صوبہ متحدہ میں بصورت صحیح باشکوکت اور بہترین کتابت طبعات کا واحد مرکز

ساغر پریس

شعبہ طبعات ادبی مرکز میٹھ

ہندوستان کے شاعر ادیب اور انشاپر دازوں کو نوید

یقیناً یہ خوشخبری تمام ادبی دنیا کیلئے نہایت مسرت و راضیان کا باعث ہوگی کہ حضرت ساعر نظامی کے زیر اہتمام و سرپرستی صوبہ متحدہ کے تاجی شہر میٹھ میں ایک ایسا طباعتی مرکز قائم ہو گیا ہے جس کے قیام کے بعد اردو کی اعلیٰ طباعت کی مشکلات کم ہو جائیں گی اور اردو کی بہترین تصنیفات صحت و جمال کے ساتھ شائع ہو کر ملک کے جاں پسند طبقوں کے خزانہ تحسین و جلال بنیں گی۔ ساعر پریس کی اعلیٰ حسین طبعات کا بہترین شاہکار ”باوہ مشرق“ ہے جو حضرت ساعر نظامی کی نظموں کا شاندار مجموعہ جس کی مجموعی صورت کے متعلق بلند آہنگی سے دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ملک کے کہنے مشق اور ترقی یافتہ مطالعہ بھی بہ آسانی ایسی طبعات کی مثال پیش نہیں کر سکتے

مسودہ وصول ہونے کے بعد کتاب حسب عہدہ خوبصورت اور باصحت تیار کر کے مرکز پر پہنچا دی جائے گی۔ یعنی آپ پروف اور کاپیاں دیکھنے کی زحمت سے بھی آزاد ہو جائیں گے۔

خط و کتابت کیلئے پتہ

اسد یار خاں منیجر ”ساغر پریس“ سیپٹ اسٹریٹ میٹھ

زیریں پستی

عالی جناب ڈاکٹر سید محمود عظیمی

ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

برای



کو دہمالیہ کا پیغام ماوربند کے نام

بودہا۔ ایک سدا ہے جو حد نطرت باہر نہ ان پر رہے۔ تندرستیں یک سو زمانہ ہی میں نہ رہیں اور یہ سو ریت نہ تندرستیں جس طرح تیرہ نفس
نکلت ہو تی ہے، جیسے ایک نہ لفظ ایک نہ دُشمنے والی آواز۔۔۔ اور آواز کچھ لگتی ہے وہ دور ہندت نطرت کرتی ہے مادہ بند! اس پیغام کو کون جوان
بند ہے تیرے لے آتا ہے ہو جا لکھا پیغام ہے یہ آواز تجھ سے کہہ رہی ہے :-

وہ سماعت قریب: نوہ پڑھت گتہ می جب تہ آزا ہوگی قریب ہے اتیہ سی آرزو برائے مگر صرف ہی نہیج تو نے پاہا تہیہ سی آرزو سے بہت زیادہ
ست ارفع زیادہ تین اہو اضحہ زیدہ متحرک وہ کسی سے مغلوب ہونے والی آرزو ہے حتی کہ تو بھی اپنی طاقت مجبور ہوئی، یہ آواز اس نے آری نہ کہ خدا کی
بھین ہوئی ہے اور اسی لئے میں اس کی طلب ہماری طلب ہماری گریز راہی صرف جواب اہو ہماری غائب محض آواز ہاگستہ یہ نہ کہن۔

میں جو جس نے فتح میں اس کی

نہ ہوئی فتوح نہیں کرتیں کیلئے خدا کا حکم نہ ہو۔ تو اپنی فتح ہوا کی ایسی شش چھ پر قبول کرنا بہت تجھے

کوئی محرم نہیں رہتا۔ جب نہ حرب گھڑی و بوقہ طلق کر آئے تو کہیں جو اس کے حکم سے انواف کرے؟

بلکہ سب کی تعمیل کے پختہ ہو جاتے ہیں۔ اب وہ کلمہ ہے اور تمام قوموں کو حکم دے گا۔

و در قوم تاجیک فیصد کی تمسک کرد به او این شاهی فرمان شایسته بنده وستان

کیلئے اس کا نام رکھو۔ "بادبوی"

موسیقی پائل چیمبر

ادبی مرکز میٹھ

بھکاری کی صدا

بات نہ پوچھے بابا کوئی درودی آواز
کیوں تجا ہے اب بھی پانی یہ جیون کا ساز

طوفاں سر پر رات اندھیری ہر دم اک منہ چار
پیالہ میرا نیتا ہے اور قسمت کھون ہار

بات نہ پوچھے بابا کوئی...

یہ گڑھ تاروں کے ہمسایہ یہ اونچے استھان
یاں مانگے یہ بھی ملتا ہے کب بھکشو کو دان

جس کو دیکھو داتا ہے اور سب داتا میں چور
اس نگر میں سب کو پایا پکا لال کھٹور

بات نہ پوچھے بابا کوئی...

چاند تارے لعنت ہیں سوچ دے دھکا
بیٹھے بیٹھے دھیان میں مجھ کو دھکے دے سنا

مایا بن جیون ہے جگ میں جیون کا اپمان
مایا ہی جنجال ہے بابا مایا ہی تروان

بات نہ پوچھے بابا کوئی...

بھیک بھکاری دان اور داتا سب کے پر دجان
پریم بھکاری کب کہتے ہیں بھکشا پر ایمان

اس یہ ہے وچم چم کرتی کوٹھوں دوڑی آئے
اوپر سے اک آنسو ٹپکے اور پیالہ بھر جائے

عشر نظامی



فہرست مضامین

بابت ماہنامہ اشیا مشترک نمبر (ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۵ء) جلد (۱) تصاویر (۳) نمبر (۳۳)

بھکاری (سرنگ) مل: رام گوپال (چچ پوری)

کرشن گوپال (چچ رنگ) مل: مینشی ڈے (مینی)

(۱) بھکاری (سرنگ) (۲) موسیو پال رچرڈ (۳) آرہند وگوش (۴) اردو کا جوان سال ادیب دستید فرید جعفری (۵) آغا محمد شکر شمسری مرحوم۔
(۶) مہر لال ضیا ایم اے (۷) کرشن گوپال (چچ رنگ) (۸) میر منظور علی امرتسری (۹) صابر خلیلی امرتسری۔

صفحہ	صاحب مضمون	مضمون	شمارہ	صفحہ	صاحب مضمون	مضمون	شمارہ
۲۰۴	سید عنایت علی رضوی بی اے (علیگ)	آبدوز کشتی کی ایجاد	۲۶	۱۵۷	موسیو پال رچرڈ	کود چاہیہ کا پیغام مادرہند کے نام	۱
۲۰۵	ساغر	ساز محبت (غزل)	۲۷	۱۵۸	ساغر	بھکاری کی صدا (نظم)	۲
۲۰۶	غلام احمد خاں مانی بی اے (علیگ)	مشرقی کا ایک ڈرامہ نگار	۲۸	۱۵۹	..	فہرست	۳
۲۱۰	دیوانہ مصطفیٰ آبادی	تنگور کا ایک نازہ گیت	۲۹	۱۶۰	ساغر	انکار و مباحث	۴
۲۱۱	حکیم فکری جمہری	تاثرات	۳۰	۱۶۵	سید محمد یحیی میرٹھی	ابنی سبیب	۵
۲۱۳	ساغر	تاریخ علم ہیئت و تجسیم بر ایک نظر	۳۱	۱۶۷	رشید احمد خاں، روشن میرٹھی	آدم	۶
۲۱۴	اقبال احمد بی اے میرٹھی	شاعر و آفتاب (نظم)	۳۲	۱۶۸	جوش ملیح آبادی	شتم رخصت (نظم)	۷
۲۱۶	اسرار الحق مجاز بی اے (علیگ)	ضمیر فروش ملکہ (افسانہ)	۳۳	۱۶۹	احمد حسین لے پوری بی اے	میری ڈائری کے چند ورق	۸
۲۱۸	منظور حسین ماہر نقادری بدایونی	خالدہ ادیب خانم (نظم)	۳۴	۱۷۲	وحید الدین خاں بنخود دہلوی	مختار گل سے خطاب!	۹
۲۲۲	خواجہ مسعود علی ذوقی بی اے (علیگ)	سلسلہ ہمدرد با پر نفسیاتی تیسرہ	۳۵	۱۷۳	پنڈت بیات لال شرمابی لے	کود چاہیہ کا پیغام مادرہند کے نام	۱۰
۲۲۳	خواجہ لطیف احمد بی اے (علیگ)	کول	۳۶	۱۷۶	..	آرہند وگوش	۱۱
۲۲۵	ساغر	ضبط تالیف (سلسلہ کادوسراٹ)	۳۷	۱۷۸	..	پیام میگرد	۱۲
۲۲۶	سید محمد یحیی میرٹھی	ناقص حقیقت (رباعیات)	۳۸	۱۷۹	جعفر علی خاں انڈی بی اے لکھنوی	مشتق و جنوں کی بانیں (غزل)	۱۳
۲۲۹	صابر امرتسری	مشاہیر مشرق و مغرب زبیر اقبال	۳۹	۱۸۰	محمد یونس سلیم موٹوی بی اے	جس سے ہڈت جوابہ لال کے خطوط	۱۴
۲۳۰	شیخ افتخار الرسول باریل لا	مہربان	۴۰	۱۸۲	جعفر علی خاں تربی بی اے لکھنوی	گل ہائے جعفری (رباعیات)	۱۵
۲۳۱	سید محمد عسکری طباطبائی بی اے	سندھان بین صنعت فلم سازی کا مستقبل	۴۱	۱۸۵	..	ہے تاج کا بادشاہ (نظم)	۱۶
۲۳۸	ساغر	ڈیپا	۴۲	۱۸۶	سید رفیع جعفری بھلی شہری	پریم کی چینٹ (افسانہ)	۱۷
۲۳۹	مہر لال ضیا ایم اے	پنگھٹ کی رانی (نظم)	۴۳	۱۸۷	صابر امرتسری	فرشتوں کی محبت (نظم)	۱۸
۲۴۰	ساغر	سقا کی موت	۴۴	۱۹۰	سید احتشام حسین رضوی ماہی بی اے	جاہان کے مقاصد	۱۹
۲۴۵	سید عنایت علی بی اے علیگ	کرشن گوپال (نظم)	۴۵	۱۹۳	..	امام مسکد (رباعیات)	۲۰
۲۴۶	ساغر	بغیر ڈرامیور کی ترین	۴۶	۱۹۴	..	نور البشیا (نظم)	۲۱
۲۴۸	..	آزادی	۴۷	۱۹۶	سید محمد یحیی میرٹھی	قدیم ہندوستان کا باہل	۲۲
۲۵۵	..	اتھار جادوان اور اس کی فہریت ایک نظر	۴۸	۱۹۷	..	ساتی سے خطاب (رباعیات)	۲۳
۲۵۶	..	نعمیں کو! (نظم)	۴۹	۱۹۸	..	موت کی غلطی	۲۴
۲۵۷	..	باقی انکار و مباحث صفحہ ۱۶۴	۵۰	۲۰۲	..	فہم کی فریب کاریاں (نظم)	۲۵
۲۵۸	..	سوتیا ڈاڈا (مکمل ڈراما)	۵۱				

ایضاح

محبت
جزوی
صدائق

اذکار و مباحث

علاقت کے متعلق کیا عرض کروں صحت و بیماری زندگی کے لوازمات سے ہے۔ پھر اس وقت تک جسے تو کیا کیا۔ مہربانی تو کونسی کمی واقع ہو جاتی۔ اب زندہ ہیں تو کیا کریں گے۔ جگر نے خوب کہا ہے ۔

لے لیا کام چولینا تھا غم ہستی نے! گرچہ ثابت نہ ہوئی میری ضرورت مجھ کو

لیکن یہ حال شدید علامات کے بعد بھی گلوں میں صحت و تندرستی کا تازہ اور قوی خون اچھی طرح گردش بھی نہ کرنے پایا تھا کہ احساس نے بطور خاص ان وظائف کی طرف اشارہ کیا جو ایشیا کی ادارت اور انتظامی امور سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ چند کہیں اس قابل نہ تھا کہ ابھی کئی ماہ و ماہی کام کر سکتا لیکن اس کمزوری اور ناطاتی ہی میں کام نہ دے کر دیا۔ کچھ احساس فرض تھا اور کچھ جنون شوق دونوں نے مل کر وہ قوت پرواز بخشی کہ بالآخر منزل پر تھا۔

مشترک نمبر

مجھے اطمینان ہے کہ ایسی مایوسی اور بے بسی کی حالت میں داغ و قوی پر کوئی قابو نہیں کھتا تھا مشترک نمبر مجموعی طور پر بڑی حد تک اس معیار کے مطابق ترتیب دیا جا سکا جو ایشیا کی اشاعت اول سے اس وقت تک میرے پیش نظر رہا ہے۔ غالباً میں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوتا اگر ایشیا کی وہ زبردست معلون جماعت جو ہندوستان کے گوشے گوشے میں کار فرما ہے میری امداد نہ فرماتی۔ بڑی حق تلفی ہوگی اگر میں انتہہ حسین رائے پوری بی لے حضرت جوش ملیح آبادی، نواب جعفر علی خاں صاحب آٹری بی لے، محمد یونس سلیم بی لے، حیدر آباد، سید طالب علی، اد آبادی ایم لے، مہر لال ضیا سونی، فتح آبادی ایم لے، سید عسکری طباطبائی بی لے، لکھنوی، سید فرید جعفری، پھلی شہر، اقبال احمد بی لے، سید محمد یحییٰ میہ ٹھی، سید عنایت علی بی لے، امیر کرا، صابر صاحب ام تسری، خالص صاحب خواجہ لطیف احمد بی لے، (برار) خواجہ سعید علی ذوقی بی لے، علیگ، مولانا مہر القادری بدلینی خواجہ غلام محمد بی لے، (علیگ) اور

فلکی صاحبِ جمیری وغیرہ کا شکریہ ادا کروں گا۔ ان تمام دوستوں نے اپنے فرائض کو محسوس کیا اور میری ذات سے جو غلطی ان پر سنا ان کی محبت کو ہے اس کا پورا پورا ثبوت دیا۔ جس کے لئے میری روح متاثر ہے اور میں ان حضرات کی محبت و درسانہ امداد کو کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا!

ایشیاء کے ناظرین کیلئے سال میں دو مکمل کتابیں

کے پردے میں جب دوسری ”اداس“ کی نمائش بھی مقصود ہوتی تو ”دقتوں“ کی اہمیت ظاہر ہے ہر حال میں تاؤاواہ کے ساتھ ہی ”دورین گری“ کا سسد بھی نہ دے کر دیا جاتا اگر نادل کا تمام دکل ترجمہ ہو گیا ہوتا۔ لیکن مید صاحب اپنی بعض معروضات کی وجہ سے ترجمہ کی تکمیل نہیں فرما سکے ہم بھی اس کی شاعت میں عجلت کو مناسب خیال نہیں کرتے کیونکہ ”اسکر دالڈ“ کی یہ ایک معرکہ آرا تصنیف ہے اور اس تصنیف کے ترجمہ کو شان و تکمیل ہی کے ساتھ پیش ہونا چاہئے۔

ششہ کی نظمیں

تراجم تراجم میں سنی و موت اقباس پر گونڈ کی نغمہ قدم بند تان کا بل

در خصوصاً جیل پلٹ جو ابرال کے خطوط اندر کے نام بہترین ترجمے میں۔ زبان کی سادگی و روانی اور با محاورہ اظہار بیان کے لحاظ سے ان تاریخی و سیاسی دادی تراجم کی حیثیت طبعاً و مضامین سے کسی حیثیت سے کم نہیں، شہر آج گیر خجہ کا راند ترجمہ کا بہترین نمونہ ہے۔ پونس سلیم نے بھی جو ابرال جی کے خطوط کو محنت اور دلچسپی سے ترجمہ کیا ہے اور زبان کا ایک خاص معیار قائم رکھا ہے۔ سقراط کی موت ہمارے دوست ضیا صاحب ایم۔ اے کے کالمیں ترجمہ ہے جس میں باوجود اہم اور عمیق مطالب کے سادہ زبان اختیار کی گئی ہے اور یہ بالکل اہم ہے۔ آخر میں اپنے عزیز محترم ابرال ضیا ایم۔ اے کے متعلق وہ تاریخی پیش کیے بغیر وہ نہیں ہو سکتا جو ان کے اخلاص، برادرانہ معاونت، ذوق علمی، دقت کی بے لوث سپرٹ کی طرف سے میرے دل میں پرورش پانچواں خصوصاً بیماری کے زمانے میں انھوں نے جس محنت و محبت کے ساتھ میرے کاموں میں حصہ لیا اس کیلئے گو شکرت گزاری ایک ادنیٰ چیز ہے مگر ان کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا ضیا صاحب ایم۔ اے پنجاب کے ایک با ذوق ہندو نوجوان ہیں، جنگی شرونگھم کی بلند پائلی کے آئینہ دار ایشیا کے صفحات ہیں۔ ان کے مزاج میں رفعت دل میں ذوق اور ذوق میں ثبات پایا جاتا ہے جو ان کے ذہن میں مستقبل کا بہتہ دیتا ہے۔

اردو اور ہندی کے وقت و بے معنی قضیہ

قبل اس کے کہ میں اس مسئلے پر اپنی ناچیز رائے ظاہر کروں نہایت آزادی سے یہ عرض کر دینا، اپنے ضمیر کی عبادت خیال کرنا ہوں کہ ”وطن“ اور ”قوم“ کے باب میں اپنے عقائد کے لحاظ سے میں خود کو ان لوگوں سے مختلف محسوس کرتا ہوں جو ملک پر دوسری چیزوں کو مقدم خیال کرتے ہیں، اس باب میں کسی قسم کا دعویٰ تو حماقت ہے کہ یہ بڑی سخت راہ ہے، اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ ہم راہ کے ان تمام شدید مراحل کو طے کر سکتے ہیں جن میں بے یار و مددگار ہو کر رہ گئے، تاہم میں ذاتی طور پر ان جزئیات میں الجھ کر رہ جانا نہ صرف کمزوری اور حماقت خیال کرتا ہوں بلکہ بے ایمانی سمجھتا ہوں۔ میرا ذاتی عقیدہ ہے کہ:-

”اگر ہندوستان کی تمام موجودہ کائنات ملیا مہلے ہو کر خاک ہو کر راکھ ہو کر ایک غیر قوم، ایک آزاد ملک اور ایک سچی نڈر انسانیت کا مقدس غل پھوٹ سکتا ہے۔ تو سب کچھ اس اہم ترین مبارک کام کے لئے مٹ جانے والا ہو کر خاک کے لئے دنیا کی نگاہوں میں بلند ہو جاؤ، اگر فارسی رسم الخط کی تباہی کے بعد ہندوستان کا دل آزادی حاصل کر سکتا ہے۔ اگر اردو کے ہندی ہو جانے سے بعد ہندو مسلمان محض سیاسی طور پر ہی ”واحد قوم“ بن سکتے ہیں تو مجھے اس غلیم و مبارک فائدے کے مقابلے میں یہ تمام نقصانات منظور ہیں۔“

لیکن یہ میرا ذاتی عقیدہ ہے جس کی بنیاد ایک آنشکدہ پر قائم ہے یہ آنشکدہ ہر کوئی سلنے کیلئے اپنے سینے میں کیوں رکھنے لگا۔ ہاں ایسے سرد ورجے ہوئے گلے رکھنے والے موجود ہیں جن میں کبھی حرارت پیدا بھی ہوتی ہے تو اس سے خوف اور دہشت کا دھواں بلند ہوتا ہے اور وہ اس دھوئیں کی دیواروں سے محاذ قائم کر کے پاکستان ہندو دنیا اور مسلم دنیا کے خواب دیکھنے اور دکھانے میں عملی طور پر جدوئی رکھتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایسی

نعمائیں اس مسئلے پر اجتماعی نقطہ نگاہ سے غور کیا جائے اور کوئی ایسا نتیجہ نکالا جائے جس سے اس مسئلہ کا حل ہو سکے۔ فرقہ دارانہ نہیں بلکہ ملکی مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے میرا خیال ہے کہ موجودہ نازک وقت میں جو لوگ اردو اور ہندی کے قضیے کو مقابلاتی طور پر دیکھ رہے ہیں وہ ملک میں ایک نئے فتنے کو پرورش دے رہے ہیں اور اس غلطی کو وسیع کر رہے ہیں جو ناگوار حالات نے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان مدت سے حاصل کر دی ہے ضرورت تو اس بات کی تھی کہ وہ نام نہاد قومی کارکن جو سیاسی مناظر پر متحدہ قومیت، عالمگیر اخوت، ہندو مسلم اتحاد اور محبت و رافت کے تحت گاتے تھے سیاسی جدوجہد اور سول نافرمانی کے ختم ہونے کے بعد ملک میں امن و اتحاد کی روح پیدا کرنے کے لئے کوئی بنیادی کام کرتے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ اس رویہ میں بہتے جنگی غواصی مثال میں پیش کی جاتی تھی، اور جو میدان صحافت کے تجربے کا رشتہ دار تھے جہاں تک قوموں کی اپنی اپنی زبان کی جہات اور توسیع کا تعلق ہے ہر قوم کو حق حاصل ہے کہ وہ روحانی یا کچھ اور جس زبان اور رسم الخط سے قریب ہے اسکی توسیع و استحکام کے لئے سعی کرے چنانچہ ہندی اور ناگری رسم الخط کی تحریک آج کی تحریک نہیں ہے بلکہ یہ اس وقت شروع ہو گئی تھی جس وقت حکومت نے غدر کے بعد مسلمانوں کو بہ ہر نوع مٹا دینے کی پالیسی پر عمل شروع کیا۔ جو خدشہ اس وقت مسلمانوں کو رسم الخط کی تبدیلی کے تحمل میں نظر آ رہا ہے۔

مگر یزید نے اپنے تدبیر سے آغاز میں اس کو معلوم کر لیا تھا اور اسی کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت کے دفاتر سے فارسی کو خارج کرنے کی اسکیم پر عمل درآمد کیا گیا اور فارسی کی جگہ انگریزی نے لے لی۔ کوئی شک نہیں کہ یہ بھی حاکمیت کا ایک ادنیٰ اثر تھا فارسی کی دشمنی کے علاوہ اس اہتمام کو حکومت کی سلسلی شکلات کے حل کی حیثیت بھی دی جاسکتی ہے۔ لیکن فارسی کے مقابلے میں محض انگریزی ہی نہیں مگر برادرانہ وطن کا بھی یہ مطالبہ تھا کہ دفاتر میں ہندی کو رائج کیا جائے اس کے بعد مسلمانوں کے نظام حیات پر دوسری ضرب طریقہ تعلیم کے تبدیل و انقلاب نے لگائی، رفتہ رفتہ انگریزی کی وصیت دائر گیری اور خود مسلمانوں کی ذہنی غلامی نے انکو فارسی سے بظاہر دور کر دیا لیکن کچھ دور نہیں ہوئے کہ حالات بہت بدل گئے ہیں تاہم آج بھی سوسائٹی میں وہ شخص ملے ہی تصور کیا جاتا ہے جو فارسی نہیں جانتا۔ بہر حال ہم فارسی سے روحانی طور پر کتنے ہی قریب ہیں لیکن یہ حیثیت ہندوستانی ہماری زبان فارسی نہیں ہے یہ لاہر و اہمی۔ ہم اس لئے اختیار نہیں کرتے کہ ہمیں ایران سے اسلامی بھائی چارہ تو دنیا ہے بلکہ یہ استثنائیں اس لئے ہے کہ سب زبانوں کے فیضان و کرم سے ہمارے پاس اپنی ایک زبان کا دورہ اردو ہے جسکو آج گیارہ کروڑ افراد بولتے ہیں اور جو دنیا کی سات بڑی زبانوں میں انگریزی کے بعد دوسری عربی، ترکی میں شمار ہو سکتی ہے جسے پچھلے ہندوستانی ”کسا گیا ادب ہندی“ کہنے پر رو دیا جا رہا ہے۔ بہر حال مجھے یہ کسا ہے کہ فارسی کے اثرات کو مٹانے کے لئے تیسری طاقت کی طرف سے ہندو بھائیوں کے ذریعہ یہ مقابلاتی تحریک اس لئے شروع کی گئی کہ ہندوستان کے رگ و ریشہ سے مغل ایمپائر کے عہد کے فاسد خون کو پھیر کر صینک دیا جائے اور فرنگ کی تازہ کاریاں رگ و رگ میں دوڑ جائیں یہ تحریک بہ ہر نوع جتنی رہتی لیکن مسئلہ کی تحریک کے لئے اس سلسلے میں جو ہندو مسلم اتحاد کے مبارک مناظر دیکھنے میں آئے انہیں

سب سے عظیم اشان منظر ایک یہ بھی تھا کہ قومی پلیٹ فارم پر ہمارے ایک
ملک اور دو میں تقریر کرتے نظر آئے اس کی وجہ محض یہ تھی کہ تحریک کا مرکز اور تمام زور
یورپی میں تھا اور یہاں کام کرنے والا جہاں جاتا تھا اس کی ہمہ گیر زبان۔
تمام فضا پر چھا جاتی تھی۔ کیونکہ وہ نہ صرف ایک اچھی اور میٹھی زبان ہے بلکہ اپنا
نورائیدہ پھر رکھتی ہے۔ اس کے بعد جو ہر ایلیٹ تو سین ہی دوسرا تھا۔ وہ مقدس
ہاتھ جنہوں نے متحدہ قومیت کا مندر اپنا خون پسینہ ایک کر کے تعمیر کیا تھا بغیر یو
کی طرح سے اسن و اتحاد کی دیوی کی بوٹیاں نوچنے لگے۔ ادھر مسلمان سیاست
سے علیحدہ ہو گئے، اندام خلافت کے بعد کرتے بھی کیا، برادران وطن چونکے تو جہر
سوئے اور آج تک نہیں سوئے جا گئے تو کیوں سوئیں؟ آل انڈیا نیشنل کانگریس
میں جہاں فارسی رسم الخط اور ناگری حروف و دوش بدوش نظر آتے تھے۔
مسلمانوں کی اجتماعی علیحدگی نے جہاں اور نقصانات کئے وہاں فارسی رسم الخط
اور اردو سے جو عالمگیر رغبت پیدا ہو گئی تھی وہ بھی رخصت ہو گئی جب اسکے نام
پر ابھی باقی نہیں رہے تو اسکی کیا ضرورت باقی رہ گئی تھی۔

ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۵ء

ہندوستان میں حکمران تھے تو بنیشت رعایا ہندوستان کی قومیں اُنکے کچھ انکی زبان، اوزن کے ادب غیر شعوری طور پر متاثر ہوئیں غیر شعوری کا لفظ میں نے عمدہ اسلئے استعمال کیا کہ میری رائے میں شیواجی سے بھی پہلے منٹل سب اڈل منٹلٹ (دوم پرست) تھے جنکی تاریخ اعمال بتاتی ہے کہ وہ ہندوستان کو اپنا محکوم نہیں سمجھتے تھے بلکہ اکبر و جہانگیر در شاہجہاں نے ہندوستان کو واقعی طور پر جنم بھومی کی حیثیت دی درجہ صحر ہاں کی ہر اک چیز بچہ کو پیاری ہوتی ہے س طرح ان بھارت کے پجاریو کی آریہ ورت کی زبان کچھ لڑیکہ اور دوسری چیزوں سے محبت تھی۔ یہ حاکیبت تھی کہ فارسی ملک پر چھا گئی تھی مگر یہ محبت تھی کہ بھاشا اُنکو دل و جان سے پیاری تھی یہی نہیں وہ ہندی رنگ میں خیر و بر ہو گئے تھے۔ آخری دور میں اگر منٹل ایمپائر کی باگ ڈور دار اشکوہ کے ہاتھ میں آجاتی تو نقشہ ہی دوسرا ہوتا اور اس وقت ہم متحدہ ہندوستان میں اسن دامن سے جی رہے ہوتے یہی نہیں بلکہ ایک قوم ہوتے۔ پھر بھی شاہجہاں کے عہد تک جو کوششیں ہم کو نظر آتی ہیں ان میں سے مہتمم بالشان تحریک زبان کی ہے جس کو آج ہم اردو کے نام سے پکارتے ہیں اور جس کو میرے خیال سے ہندوستان کے منٹوس اسٹیشنوں کی ناپاک اور اور سامعہ تراش "ہندیوچائے" اور "اسلامی بانی" کی طرح سے "اسلامی زبان" کہہ کر پکارتا تاریخ اور اسلی نوعیت تخلیق کو بھٹکانا ہے اردو کی بنیاد میں خالص منٹلزم کی روح ہے۔ وہ وہ متحدہ ضرورت ہی کی بنا پر پیدا ہوئی اس وقت مجھے اسکی حمد بہ عمدہ تاریخ کو ملز مقصود نہیں ہے بلکہ یہ ماتم کرنا ہے کہ خود غرضوں نے معاملہ کو غلط لٹ کر کے کیا سے کیا بنا دیا ہے اور وہ لوگ جو زبان کے مسئلہ کو بھی فرقہ درانہ حیثیت دینا چاہتے ہیں اور سے رہے ہیں وہ کتنا بڑا گناہ کر رہے ہیں۔ (باقی۔ باقی)

ساعر نظامی

143.

ایشیا اقوام مشرق کی زندگی کے ہر رخ کا ترجمان ہے

مجھے خوشی ہے کہ ایشیا ہندوستان کے ہر طبقہ و ہر گوشہ میں مقبول ہو رہا ہے۔ تقبیر جی ہمت افزا ہیں۔ دراصل بیچہ و پرچہ میری آرزوں کے مطابق نکلے ہی نہیں ستر کہ نبی کا دشمن کا ایک دینی سامنہ ہے اور اب میں اپنی صحت کو بھی اس قدر بٹانا ہوا کہ ایشیا کے لئے کافی وقت دے سکوں۔ مجھے یقین ہے کہ ایشیا کی آمدہ شائستہ برہمنہ ترہو کر ملک کے سامنے پیش ہوگی۔

میں اجاب نے گزشتہ دو ساعتوں کی خاموشی سے مجھے آگاہ کیا ہے میں کا شکر گزار ہوں۔ میں کوشش کروں گا کہ حتیٰ الوسع رسالہ کو مقبول عام بناؤں لیکن کسی سلسلہ میں مجھے چند ایسی قریبوں کا ذکر بھی رہنا چاہو اور دہلی کے نگر بڑی خیانت میں شائع ہوئی ہیں جن میں ایشیا پر تنقید کے علاوہ میری شاعری اور میرے افکار پر زبردہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ صاحب تنقید میرے ایک دوست ضیاء الاسلام ہیں۔ میری شاعری میرے مجموعہ کلام کے نام رہا (مشرق) اور میرے افکار پر جو اعتراضات ہیں ان کی صفائی مجھے پیش کرنے کی ضرورت نہیں البتہ ایشیا کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس پر غماز خیال میں ضروری سمجھتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ دونوں گزشتہ اشاعتوں کی ترتیب دتہ دین ایسی حالت تک ہوئی جب میں زندگی سے دور اور موت کے قریب تھا پھر بھی ادبی اور علمی مواد انہیں پیش کیا جاسکا اس میں رد و جرح کے لئے کافی سے زیادہ تنقیدی پیغام مفار ہا سوال کہ ایشیا ادبی پرچہ ہے یا سیاسی اس کا جواب صاف ہے ایشیا مشرقی اقوام کی زندگی کے ہر رخ کا ترجمان ہے۔ میں یہ نکتہ لکھا ہی رہا تھا کہ ایڈیٹر نیرنگ خیال لاپرواہا کہ مکتوب مجھے ظاہر حید کہ اس میں میری جی سانس ہے جس کو میں قبول کیا پسند بھی نہیں کرتا میرا یقین ہے کہ اس قسم کی سنسنی دماغ کو غیر متوازن کر دیتی ہے سین محض اس اندیشہ سے کہ موضوع کج بیانی میں داخل ہو کر میں کوئی لغزش نہ کر سکوں اور اس خیال سے بھی کہ ایشیا اور بنی دت کے متعلق خود میری رائے حماقت سے زیادہ درج نہیں ملے سکتی۔ میں وہ مکتوب ہی شائع کئے دیتا ہوں جو فرید صاحب جعفری نے ستر ضیاء الاسلام کے ریویو سے متاثر ہو کر مجھے لکھا ہے۔

(مکتوب فرید)

ایشیا کے متعلق ایک ریویو مجھے دکھایا گیا جو غالباً ایک وقت ایسٹرن ٹائمز لاہور وارڈ ایڈیٹر دہلی میں شائع ہوا ہے جناب نے میری رائے دریافت کی اور جب انہیں میرے خیالات کا علم ہوا تو دھرا کر ناشرین کیا کہ میں جو کچھ لکھوں میرے نزدیک تو ایسی غرور کا جواب ہی ہے کہ غمخیزی انقیاد لگ کر لکھی جائے مگر نہیں نہیں معلوم کہ لاہور کے ارداب علم ہمارے کس قدر پست اثریہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ مذکورہ تنقیدوں میں صوبہ جاتی و نسبت پستی کی گئی ہے اس لئے میں ضرور چچ لکھوں۔ بد قسمتی جو شائستگی سے میں یہاں پنجاب میں رہتا ہوں اور سمجھا جاتا ہوں درپے درپے تو دو دو فی مالج و مسود کے لئے اور استحکام کی خاطر میں ہر قسم سے تنصیب و تدارک دیتے۔ یہ کے متعلق میں نیرنگ خیال میں غماز رائے کرچکا ہوں مگر وہ رسمی چیر غی۔ ایک مجلس دوستی حیثیت سے میں تمہیں براہ راست بھی لکھ دیتا ہوں۔

۱۶۳

کہ ایشیا میرے نزدیک اپنی رنگ کا نوکھار سالہ ہے البتہ ایشیا کے بعد سے برابر ضرورت محسوس کی جاتی رہی کہ قوم کے ہاتھ میں ایک ایسا آرگن جو جس کے ذریعہ وہ حسیات غفہ و بیدار کر کے مجھے خوشی ہے کہ ایشیا سے قوم کی یہ ضرورت کا حق پوری ہو جاتی ہے تمہارے جوان دلوں نے اس عجیب و غریب مواد جمع کر دیا ہے۔ پہلا پرچہ کو مفتش اول سے قوم کی حیثیت تو کی ایک مکمل تصویر معلوم ہوتا تھا مجھے ستر زید اسلام کو ریویو دیکھ کر رنج ہوا اس لئے نہیں کہ میرے ایک دوست کے سامنے کر لیا گیا بلکہ اس لئے کہ حوادث کے تیز و تند جھونکوں کے باوجود قوم میں تعمیری جذبات ابنگ نہ پیدا ہو سکے۔ ہم تعمیر کو جانتے ہی نہیں اور نا تو حرکت ہی ہمارے لئے خبر اختیار کی چیز ہے پھر اگر کبھی ذرا جھری جھری پیدا ہوئی تو تحریک کے لئے سرگرم عمل ہوتے ہیں۔ میں نہیں یقین دلاتا ہوں کہ پنجاب کے ادیب تمہارے قدم ہیں اور نہ صرف قدم دان بلکہ تمہیں نئے ہندوستان اور عصر حاضر کا کامیاب ترین ترجمان سمجھتے ہیں تمہارا مذہب کلام ابنگ بریلال کی فصاحت و بلیغ ہے اور اس ہزار کا وہ مجمع جس نے شری دیوی کے بصدارت تمہارے آتش فشاں لئے تھے۔ آج بھی تمہارے لئے بے تاب ہے۔

پنجاب کے ادباء و شعراء فیم اور ذی ہیں اور وہ صوبہ جاتی تعصب سے سخت نفرت کرتے ہیں میں نے اکثر حضرات کو نہ بانگ دہی کہتے سنا ہے کہ اردو اور دوسری زبانوں کے مقابل میں زندہ رہ سکتی ہے تو اردو کو سرائے صدود سے ٹکنا ہو گا اور سارے ہندوستان کی قومی زبان بنگلہ دیش ہونا پڑے گا دوسری طرف میں تمہارے خیالات بھی جانتا ہوں تمہیں یاد ہو گا کہ تم نے ایک مرتبہ خود مجھے قائل کرتے ہوئے کہا تھا کہ پنجاب میں حیات ہے وراہ پنجاب سرتا یہ بالی ہیں اس لئے ان کی قدم کرنی چاہئے ایک موقع پر تم نے بھی کہا تھا کہ "یعنی اقبال دیا کا بخت بڑا نفسی شاعر ہے اور ہیں اسلام مذہب کا دل ت علمبردار بے ہندوستان کی جنگ آزادی کیلئے وہ مجاہد کہ اپنا بیٹھن نہ چھوڑے کیونکہ اس کی ذمہ وار وہ غلط ذہنیت ہے جو شمالی ہندوستان کے اس حصہ پر جاری ہو رہی ہے۔" میرے مجھے تبیب ہے کہ ستر اسلام نے نہیں کیوں غلط سمجھا اور تمہارے کلام اور رسالہ کو دیکھ کر نتیجہ کیوں نکال لیا کہ تم اقبال کے رقیب کی حیثیت سے ملک میں اپنی آواز پھیلا رہے ہو شاید تم نے وہ ریویو نہ دیکھا جو اس لئے میں نہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ ستر اسلام نے تمہارے اقبال کا ذکر کرتے ہوئے مختلف موقعوں پر لکھا ہے۔

(۱) ساغر نظامی عید روز شعر میں بلند درجہ رکھتے ہیں لیکن ان کو قبال کی طرح "منکر سیاسی سمجھنا چاہیے۔

(۲) ساغر نظامی کی ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "بادہ مشرق" ہے وہ غالباً جانتے ہیں کہ یہ مشرق مجموعہ کلام اقبال مشہور و معروف تصنیف ہے اسی طرح کا نام کہنا خطرہ ہے خالی نہیں۔ ساغر اپنے شلو ہیں لیکن عوام ساغر کو اقبال کا ہم پل بھی نہیں سمجھیں گے۔

ساغر نظامی طور پر کہتے ہی معصوم کہوں نہ ہو لیکن اس قسم کی باتیں تو جوان ہندوستان کو چڑھانے کے لئے کی جاتی ہیں۔ ستر زید اسلام کا اخباری معاملہ کرویسع ہوتا ہے یعنی یہ سمجھنے کہ اب زمانہ بہت اگلے نکل گیا ہے ایک وقت تھا کہ وہاں درناٹ کی پرستش ہوتی تھی مگر اب۔ چیخوف کو بھی نہیں پڑسا یا ستا جب خالص گروہ بندیوں کا زمانہ تھا اس وقت ستر روسیا کی موبوں درمیں ہی پڑے جاتے تھے اس وقت کی تبدیلی نہ بکات میں نہ بیانات سے کام لیا جاتا تھا اس کے بعد خشی ذاتی درخشی زاویہ دعوں میں کسی قسم وقت لین اور چیخوف پسند کے لئے لیکن زمانہ بہت بدل چکا ہے۔ ستر زید اسلام کے چھانڈ بھی بہت محدود

(استید محمد عیسیٰ امیر سرائی)



جغرافیائی محل وقوع

ستمبر واکتوبر ۱۹۴۷ء

مشترک منہ

لے مجموعی آبادی کا اندازہ قطعاً صحیح نہیں بتایا جاسکتا۔ لیکن عام طور پر ایک کروڑ کی آبادی مانی جاتی ہے۔ اس میں - ایک لاکھ تیس ہزار نفوس خاص عدلیہ (دارالسلطنت) میں آباد ہیں۔ بی سینیائی مختلف نسلوں کی کوئی مستند تحقیقات موجود نہیں ہے۔ تورات و انجیل میں حبشہ (ابی سینیا) کو حضرت نوح کے پوتے کا آباد کردہ لکھا ہے۔ حضرت نوح کے پوتے 'حام' کے چار لڑکے تھے (۱) کنعان (۲) مصر (۳) سوڈان (۴) حبش اس لحاظ سے ابی سینیا حبش کا آباد کیا ہوا ہے۔ بہر کیف حقیقت کچھ بھی ہو یہ واقعہ ہے کہ باشندوں کی اصلیت تاریخی میں ہے۔ اور موجودہ باشندے بیرونی فاتحین اور باہمی مناکحت کی وجہ سے مخلوط النسل ہیں جس کی وجہ سے ابی سینیا کی سیاست میں مشکلات پیدا ہوتی رہتی ہیں باہم باہم باشندوں کو تین اہم گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ (۱) امحورہ (۲) عنالی (۳) سمالی مردانہ کلی امحورہ سامی نسل سے ہیں کیونکہ ان کا رنگ 'نگرو' کے مقابلے میں زیادہ زرد ہوتا ہے اور وہ خاں جی سامی نسل سے ملتے جلتے ہیں اور ممکن ہے کہ ابتدا میں جنوبی عرب سے نقل و حرکت کر کے اس ملک میں داخل ہوئے ہوں۔ امحورہ نسل آج کل حکمران طبقہ ہے اور ابی سینیا کے باشندوں کا اطلاق بالعموم انہیں لوگوں پر ہوتا ہے۔ ان کی زبان امحوری ابی سینیا کی مستند زبان ہے اور مجموعی آبادی میں ان کی تعداد ۲۵ لاکھ ہے۔ دوسرا گروہ غالی قبیلہ کا ہے جو حامی نسل سے ہیں اور تعداد میں سب سے زیادہ ہیں ان کی مجموعی تعداد ۴۰ لاکھ ہے۔ اس ملک میں ان کا دور و دو جنوب کی سمت سے ۶ صدی عیسوی میں ہوا۔ تیسری تہی نسل سمالی اور ذاکلیوں کی ہے یہ لوگ بھی حامی نسل سے ہیں۔ بے حد خوشی و خوشنود تہذیب و تمدن سے بالکل نا آشنا بالکل مختلف زبان بولنے والے۔ زیادہ مشرق اور شمال مشرق میں آباد ہیں۔ امحورہ لوگوں کا مذہب کلیسا کے یونان کے مطابق عیسائی ہے غالی، ذاکلی اور سمالی قبیلوں کے لوگ سلمان ہیں۔

اقتصادی حالت

ابی سینیا کم و بیش اپنی ضروریات کو خود پورا کر لیتی ہے۔ شمالی حصہ زرخیز ہے اچھی چراگاہیں اور قابل زراعت زمین موجود ہے۔ گہوئیں جو اور کافی کی کاشت زیادہ تر کی جاتی ہے ربر بھی اچھی خاصی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ بعض مقامات پر دلی کی کاشت کی جاتی ہے۔ باہر والوں کی تجارت بہت کم ہے۔ روٹی تیار کی ہوئی چیزوں کی درآمد ہوتی ہے اور تجارت کا بڑا حصہ جاپان کے ہاتھ میں ہے۔ برآمد کی خاص چیزیں کافی اور خام کھال ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابی سینیا تمام دنیا میں سب سے زیادہ معدنیات کا مخزن ہے لیکن یہ بات ہنوز یابہ ثبوت کو نہیں پہنچی پوٹاش، سونا اور پلاٹینم خنوزی مقدار میں برآمد ہوا ہے۔ ابی سینیا میں قومی قرضہ بالکل نہیں۔ صرف اس سال سامان حرب خریدنے کے لئے پہلی مرتبہ عام ٹیکس لگایا گیا ہے۔ تمام ملک میں صرف ایک بینک ہے جس کو بینک آف ایتھوپیا کہتے ہیں۔

طرز حکومت

ابی سینیا میں خود مختار شخصی حکومت ہے جو جاگیر داری سسٹم پر مبنی ہے مختلف صوبے اور علیحدہ علیحدہ اضلاع ہنوز خود مختار جاگیرداروں کے قبضہ و تصرف میں ہیں ان جاگیرداروں کو 'راس' کے لقب سے پکارا جاتا ہے لیکن جب تمام ابی سینیا

کا مشترکہ معاملہ پیش آتا ہے تو شہنشاہ حبشہ واحد ڈکٹیٹر تسلیم کیا جاتا ہے شہنشاہ کی جانب سے صوبوں میں گورنری مقرر کئے جاتے ہیں جو جاگیرداروں کی نگرانی کرتے ہیں۔ موجودہ شہنشاہ نے دستور ایمنی کو جمہوری طرز پر لانے کی کوشش کی ہے حال ہی میں اس نے پارلیمنٹ قائم کی ہے اور جنگ تجارت مالیات وغیرہ کے لئے علیحدہ علیحدہ وزرا مقرر کئے ہیں۔ لیکن شہنشاہ ہنوز شعبہ تنفیذ کا افسر اعلیٰ ہے۔ خود مختار صوبہ داروں کے علاوہ ملک میں پادریوں کا ایک زبردست طبقہ موجود ہے۔ یہ لوگ بے انتہا قدامت پسند ہیں لیکن ملک میں ان کا اثر و اقتدار بہت زیادہ ہے۔

ابی سینیا کی تاریخ

ابی سینیا کی قدیم تاریخ بہت دھچک ہے۔ دنیا کی تاریخ جب سے سپرد قلم ہوئی شروع ہوئی ہے اس وقت تک اس ملک میں بادشاہوں اور وسیع سلطنتوں کا سرخ ملتا ہے۔ حضرت سلیمان اور ملکہ سبا بلقیس کا پرلطف رومان آج تک ہمارے لئے فردوس گوش ہے۔ ملک کی ادبیات ہزاروں داستانوں سے بھری پڑی ہیں۔ توت غن کے زمانہ میں مصر و حبشہ کے تعلقات نہایت اچھے تھے۔ مصر دار الخلافہ تھا بطلان کے عہد میں یونانی باشندے ابی سینیا میں داخل ہوئے اور اس کو اپنا وطن بنالیا۔ وہاں ایک یونانی کتبہ ہے جس میں لکھا ہے کہ انہر تاسی نے قبیلہ بوغوی پر غلبہ پایا اور پنج وزہرہ کے لئے قربانی کی۔ شہر اس کم قدیم زمانہ سے ہی حبشہ کا دار الخلافہ چلا آتا ہے۔ اسی دار الخلافہ میں ابی سینیا کی سب سے بڑی سلطنت پہلی صدی عیسوی سے لیکر ساتویں صدی عیسوی تک قائم رہی۔ اس دور میں ایک پادری مسی فریٹس نے عیسائیت کو اس ملک میں پھیلا یا اور یہاں کا شہنشاہ عیسائی ہو گیا۔

چھٹی صدی عیسوی میں حبشین (Abyssinians) شہنشاہ قسطنطنیہ نے حبشہ کے بادشاہ کو حکم دیا کہ وہ ملک میں کو فتح کرے چنانچہ ایسا ہی ہوا لیکن یمن پر حبشیوں کا تسلط کچھ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔ مسلمانوں کی فتوحات کی بے پناہ موج نے ان کو یہاں نکال باہر کیا۔ اس وقت سے مغربی استعماری ریشہ دوانیوں تک حبشہ کی تاریخ بالکل تاریکی میں رہی۔ امحورہ، شوعا اور ٹانگرے کے سردار وقتاً فوقتاً باہمی جدال و قتال کرتے رہے حتیٰ کہ مغرب نے کرد ٹلی اور افریقہ اس کی استعماریت کا شکار گاہ بن گیا۔

ابی سینیا کی موجودہ تاریخ میں تین نام بہت مشہور ہیں (۱) تصیو دور (۲) منلک اور (۳) موجودہ شہنشاہ راس تغاری میگون۔ یہ کڑی حکومت قائم کرنے کی بنیاد تصیو دور نے ڈالی تھی اور وہ ایک حد تک اس میں کامیاب بھی ہوا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد باگل ہو کر مر گیا۔ اس کے بعد منلک نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور بہت کوششوں کے بعد تمام ابی سینیا کو اپنے تحت میں کر لیا۔ اس بادشاہ کے عہد حکومت کا اہم ترین کام یہ تھا کہ اس نے ۱۸۹۶ء میں مقام آڈو پر اٹلی کو شکست فاش دی۔ منلک کے انتقال پر ۱۹۱۱ء میں ملکہ زائڈیو کو تخت ملا اور راس تغاری بحیثیت مشیر سلطنت مصلحہ اس تھا اس ملک کے انتقال پر ۱۹۳۶ء میں حبشہ کا موجودہ شہنشاہ ہیل سلاسی معروف بہ راس تغاری میگون باقاعدہ تخت نشین ہوا۔

مالک غیب سے تعلقات

انیسویں صدی میں یورپ درندوں کی طرح افریقہ میں نوآبادیات قائم کرنے میں مصروف ہوا۔ اگرچہ ابی سینیا غیر معروف اور دشوار گزار ملک تھا لیکن مغربی پیچہ ستم سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اس وقت جبکہ یہ ملک اپنی خانہ جنگیوں میں لگا ہوا تھا برطانیہ فرانس اور اٹلی نے موقع پا کر اس کے ساحلی حصوں پر قبضہ کر لیا اور اس کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ یہاں کے بادشاہ کو مجبوراً مصالحت کرنی پڑی اور برطانیہ سے معاہدہ کر لیا جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ برطانیہ ابی سینیا کے شمالی ساحل کی حفاظت کرے گا۔ اٹلی اس معاہدہ کو ٹھکراتے ہوئے اس شمالی حصہ کو جس کو ایری ٹریا کہتے ہیں دبا بیٹھا بعد ازاں منسلک کے دور حکومت میں برطانیہ کو یہ حق دیدیا گیا کہ تحصیل ٹانایا ان دریاؤں کے متعلق جوئل میں گرتے ہیں اگر کوئی اسکیم بنانی چاہے گی تو برطانیہ کا حق سب پر فائق ہوگا۔ ۱۹۱۹ء میں برطانیہ فرانس اور اٹلی نے باہمی مشاققہ متب کی جس کی رو سے ابی سینیا کے ٹکڑے کر دئے گئے اور ہر ٹکڑا ان تینوں حکمتوں کے زیر اثر تقسیم کر دیا گیا اور یہ بھی طے کر دیا کہ اپنے اپنے زیر اثر حصے میں ان تینوں طاقتوں کو ریلوے اور سڑکیں بنانے کا حق ہوگا۔ لیکن ابی سینیا نے اس معاہدہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اس وجہ سے یہ اسکیم باور نہ ہو سکی۔ بائیمہ برطانیہ اور اٹلی اپنے مطالبات کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن فرانس ان کی رہنمائی دوانیوں میں مغل ہوا۔ بالآخر ابی سینیا نے اس کے خلاف انجمن اقوام میں احتجاج کیا اور یہ سرگرمیاں بند ہو گئیں۔

موجودہ نزاع کے اسباب

اصل سبب جس کی وجہ سے آج اٹلی ابی سینیا پر چڑھائی کر رہا ہے یورپ کی استعماری ہوسناکیوں میں مضمر ہے۔ درحقیقت اٹلی چاہتا ہے اٹالووی سمالی لینڈ کو تخریب بنانے کی خاطر دریائے دیب شبل پر قبضہ کرے جس کا منبع ابی سینیا میں ہے دوسری وجہ اقتصادی ہے۔ اٹلی کا موجودہ ڈکٹیٹر اٹالووی مصنوعات کے لئے جدید پیداوار

کی تلاش میں ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ کمزور ابی سینیا کو درآمد ہیکل اپنا سیاسی اور اقتصادی تسلط تمام ملک پر قائم کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ اقتصادی جذبہ بھی موجزن ہے۔ ۱۸۹۶ء میں اٹلی کو جو شکست فاش ہوئی تھی وہ ہنوا اس کو نہیں بھولا۔ لیکن بہ طور ۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء تک دونوں ملکوں میں بظاہر کوئی وجہ خاصیت نہ تھی اٹلی نے اعلان کیا تھا کہ وہ ابی سینیا پر کسی قسم کی دراز دستی کی نیت نہیں رکھتا۔ لیکن یہ عہد و پیمان بہت جلد تاریخیت کی طرح ٹوٹ گیا۔ اور اس کا موجب غالباً ۵ دسمبر ۱۹۳۴ء کو ہوئے جو یکے بعد دیگرے ۱۵ نومبر ۱۹۳۴ء کو کانڈر (شمالی حبشہ پر اور ۵ دسمبر ۱۹۳۴ء کو حبشہ کی سرحد کے قریب اٹالووی سمالی لینڈ پر تھے۔ جلاسلہ اٹالووی سفارت خانہ پر ہوا تھا لیکن ۲۷ نومبر ۱۹۳۴ء کو اس کا پراسن تصفیہ ہو گیا دوسرے حملہ اٹالووی سمالی لینڈ میں دلوال کے محافظ فوجی دستہ پر ہوا۔ اٹالیہ کی ہتھیاری مداخلت ۱۶ دسمبر ۱۹۳۴ء کو حبشہ نے انجمن اقوام کے سامنے حسب ذیل الفاظ میں احتجاج کیا۔ گزشتہ نومبر کی تیسویں تاریخ کو ایک انگریزی دھنشی کمیشن حبشہ کے صوبہ اگڈن میں مرغزاروں کی تفتیش کر رہی تھی مقام دلوال پر اٹالووی فوجی دستہ اس کام میں مداخلت ہوا۔ دلوال اپنی کنوئوں کو جوہ سے ایک اہم سرحدی مقام سمجھتا ہے اور دونوں ملک اس کی ملکیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ گزشتہ چند سال اٹلی اس علاقہ میں اپنی فوجی طاقت بڑھا رہا ہے۔ دلوال ارتدو پ اور وڈیر کے علاقہ مستحکم کر لئے گئے ہیں۔ حبشہ دلوال کا دعویٰ ہے کہ یہ تینوں سرحدی مقامات حبشہ کی حدود کے اندر ہیں۔ اٹالووی فوج نے ۵ دسمبر کو بغیر اشتعال تفتیش کمیشن پر ٹینکوں اور ہوائی جہازوں سے حملہ کر دیا۔ حبشہ نے اس پر احتجاج کیا۔ لیکن اس کا جواب اٹلی نے یہ دیا کہ تین دن کے بعد فوجی ہوائی جہاز کے ذریعہ اسی علاقہ کے دو شہر دس یعنی اڈووا اور جریلو لوہی پر بم برسائے۔ یہی دو تازہ ترین واقعات ہیں جو دونوں ملکوں کی باہمی آویزش کا بڑا سبب سمجھے جاتے ہیں۔ تمام تمدن دنیا کا متفقہ فیصلہ کہ اٹلی ظالم اور ابی سینیا مظلوم ہے۔

آدم

لٹ کر گرد و ستاک ڈرہ چلا سوئے زمیں
آسمان کو چیر کر نکلا ستارے کی طرح
اس ذرا سے پکیر نوری میں اتنا سوز تھا
لے اُڑی یوں کائنات اس سے حرارت کا اثر
وہ کہ تابانی تھی جس کی غارہ روئے زمیں
فرشِ خاکی پر گرائیں شرارے کی طرح
جس کی حدت سے ہر اک ذرہ تپش اندر تھا
جس طرح شبنم شعاعِ خورشید حدت کا اثر

تازہ یہ گلزار آبِ اشکمانے غمت ب
گرم یہ بازارِ جنسِ مستی آدم سے ہے

درویشِ میثمی

شامِ رخصت

(از حضرت جوش ملیح آبادی)

تجھ سے رخصت کی وہ شام اشک افشان ہائے
وہ سرے سینے میں سیل آب و آتش، الاماں!
وہ سری آنکھوں میں سوزِ دل کا پرتو، الاماں
وہ سرے اطوار میں اندازِ سیلِ بے پناہ
وہ جدائی کی ہوا کے تیز جھونکے والے غم
اس طرف الجھی ہوئی موجِ حیاتِ یک نفس
اس طرف تاریکی شامِ مریضِ ان کہن
یاں چمکنے ہی پہ برقِ نالہ دردِ آفریں
یاں ہر اک تاملِ نظر زنجیرِ پائے عافیت
یاں لبوں پر جنبشِ آہِ تنکِ جاں، و انصیب
حسرتِ دیدارِ یاں ہر آن بے تاب و شہ
یاں لرزتا ساغرِ عزم و ہمت، الاماں
یاں کھنکھ پانچوم لینے کی جھبی سنی آرزو
تمتھائے دلوں کی آگ اور تیری جیسے
میں سرِ پاسبانِ عشرت اور رہیں بزمِ غم
وہ مری نظروں میں کچھ کہنے کی حسرتِ الاماں
اللہ اللہ آنکھوں ہی آنکھوں میں یہ کہنا ترا
اے فغاں بربِ تر غم، اے خزاں برفِ بہار

وہ اُداسی وہ فضائے گریہ ساماں ہائے ہائے
وہ ترے چہرے پہ موجِ برق و باراں ہائے ہائے
وہ ترے چہرے پر اشکوں سے چراغاں ہائے ہائے
وہ تری آواز میں آتارِ طوفاں ہائے ہائے
وہ جوانی کا چرخِ زبردِ اماں ہائے ہائے
اُس طرف بکھرے ہو گئے تاباں ہائے ہائے
اُس طرف آلامِ صبح سو گواراں ہائے ہائے
واں برسے ہی پہ ابرِ چشمِ حیراں ہائے ہائے
واں ہر اک موجِ نفسِ دیوارِ زنداں ہائے ہائے
واں مژدہ میں لرزشِ اشکِ گریزاں ہائے ہائے
فرصتِ نظارہ یاں پیہمِ فشاں ہائے ہائے
واں جھجکتی سی نگاہِ فتنہ ساماں ہائے ہائے
واں بغلِ گیری کا شرمِ یاساں ہائے ہائے
سنسناتی آنچ اور میرا گلستاں ہائے ہائے
تو مجھ سے ناز کی اور بارِ جرماں ہائے ہائے
وہ تیری آنکھوں میں کچھ سننے کا ارماں ہائے ہائے
جوشِ میرا دل ہو جاتا ہے دیراں ہائے ہائے
جوشِ تیرے دل کی یراقی کے قبراں ہائے ہائے

میری ڈائری کے چند ورق

(حسن رائے پوری بی۔ اے)

یہ مضمون بنگلہ ہندی اور اردو زبان کے نوجوان باکمال ادیب اور ایشیا کے سچے دوست اختر حسین رائے پوری بی۔ اے کا ذیلی طبعاً مضمون ہے جو اپریل ۱۹۳۵ء میں ہندی کے مشہور رسالہ "دشواہتر" کلکتہ میں شائع ہو کر تمام ہندی دنیا میں ایک زلزلہ پیدا کر چکا ہے۔ یہاں تک کہ ہندی زبان کا ادیب طویل اور قومیت متحدہ کے پتے علیہ دار پندت جاسی داس اینڈ فیئرڈینال بھارت نے اس کے مطالعہ سے متاثر ہو کر اختر کے لئے یہ قابل رشک طعنہ ظاہر کی تھی کہ "وہ ہندی زبان کے پانچ سو بہترین صاحب طرز ادیبوں میں سے ایک ہیں" ہندی زبان کے بعد گجراتی اور مہاراشٹری میں بھی اس کے اثرات شائع ہوئے اور ہر زبان میں اس کو بے حد مثبتیت حاصل ہوئی۔

اب ایشیا نوائی کے سلسلہ میں سپہر ادب پر مہر نیروز کی طرح چمکنے والے اختر نے اس کو اردو زبان میں منتقل کیا ہے اور محض اس لئے کہ اردو ادب کا افسانوی معیار قائم رہے اور اختر کے افسانوں پر یہ منطبق کیا ہو سکے انہوں نے اس کو بہت کچھ بدل دیا ہے اور باوجود اسکے کہ یہ اسی ہندی مضمون کا ترجمہ ہے تاہم اس میں بجائے خود ایک انفرادیت پائی جاتی ہے۔

یہ کس درجہ کی چیز ہے؟ میں اپنے تاثر کو بہت ہی محدود کرنے کے بعد آزادانہ کہہ سکتا ہوں کہ اردو زبان میں اس وقت تک یہ طرز ادب عموماً تاثرات پیش نہیں ہو سکے اس کی پہلی وجہ غالباً یہ ہے کہ اردو زبان میں اب تک صاحب طرز ادیب ہیں ان میں چند کے علاوہ سب ذہنی طور پر قید ہیں اور جہاں تک ان کی فکر کا تعلق ہے اکثر یہ فکر وحقیہ کی انفرادیت نہیں پائی جاتی۔ چوٹی کے چند ادیبوں میں سے بعض کو منتخب کرنے کے بعد اس معیار پر نظر رکھا جائے تو ان کے افسانوں کا اور ان کی ادبیت کا کوئی کلیچہ اور مقصد نظر نہیں آئے گا۔ بعض کے افسانے ہونانی علم الانشاء کا یہ یہ معلوم ہوتے ہیں بعض عربی نسخہ اور کھنڈروں سے ہیں اور بعض کیوٹو سانس کی تیروں کے گمان ہیں لیکن زندگی کی کشش کو کسی شخص نے پیش نہیں کیا اس کیلئے سٹیل سے اردو میں بہت کم گنجائش عسوس کی گئی کیونکہ میر جہاں تک خیال ہے اردو ناظرین میں ہندی اور بنگالی کی طرح ذہنی انقلاب ہی نہیں ہوا لیکن بہ حال ذہنی جغرافیے سے آزاد افسانوں میں زندگی کی کشش بہت زیادہ پائی جاتی ہے اور آخر کا یہ نشانہ کہ ان کے افسانے مستقل کا تیرہ دیتے ہوئے ان کے حال کی عظمت کا قصیدہ خواست۔ تشریح اور پرچہ چند افسانوں میں جو اخلاقی روح پائی جاتی ہے وہ اب ایک ماؤنٹ رگ کی حیثیت رکھتی ہے اور دنیا ذہنی انقلاب اپنی انگلیوں میں تیرہ نشتر دبلے ہوئے اس رک میں قصہ دینے کے لئے تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ یہ کوئی غیر متوقع انقلاب نہیں ہے۔ مادہ اور روح کے متعلق قدیم نظریات دن بدن شکوک ہوتے جاتے ہیں اور انسانی سوسائٹی کے عریاں مشاہدات پر آنکھوں سے غور کرنے والے اس راز کو ابھی طے نہ ہو چکے ہیں کہ انسانی ذہن نے کس حد تک غلبہ کیا ہے تو وہ مادہ اور روح کے موضوع ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ سوسائٹی میں امیر و غریب اور قسمت و اسباب کی تعین کرنے کے بعد انسانوں کو رعبانی اور پمانٹ دنیا اور دنیا کی تمام زبانوں میں ایسا اخلاقی لٹریچر تیار کر دینا جو وہیں سے دنیا کی تشریح مادی طور پر اس طرح کرے کہ وہ "فانی ہے اور بہت کی جگہ نہیں ہے" جو یہاں تکلیف اٹھایکا اور بہت سی "آؤ جو یہاں آرام پائیکا اس لئے آسمانوں پر جہنم دہا یہ جارہا ہے" ایک زبردست اور انتہائی فریب سے تمام اصلاحی اخلاقی اصولوں کے علمبردار اس نشریح کے علمبردار ہیں کہ فرض انسانیت اور یہاں حالانہ نہ روں سجدوں سینکڑوں مندروں ادب لٹریچر جادوں کے مادہ جو ابھی جہنم زار بنی ہوئی ہے اور ہندوستان میں جہاں آئے دن ان اخلاقی نظریات کی غلامی سے مسند میں خونریزی اور جہنم "موتا ہے" مٹا ہوا کھانا خوشی سے کھا لینے والے انسان میری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں اور میری آنکھوں کے سامنے وہ مذاق کر دہی موجد و جب جو باوجود باثبات اور پریشم ہونے کے راز آزاد یاد جاہ و شہم کے لئے رو پیس تعداد میں ہاتھ جس تعداد میں وہ کبھی کدھر ان کو روٹھوں کے کڑے بھی نہیں دیتا تو کیا دی جس اور باطل انسانوں کے لئے یہ تمام دنیا میری فرائض کی فیکٹری نہ لٹ لٹا۔ ہٹ کا کارخانہ اور اس کی اخلاقی و لٹریچر کی زندگی جانے خود ہمت کی نہیں ہے اور کیا اس دبیز ترین پردے کے قریب کو اب دیتے برداشت کرنے کی گنجائش قابل ہو سکتی ہے۔ تیرہ ان جہاں ہوں دنیا لہنا چاہتا ہے کہ مادہ اور۔ من و لٹریچر اور اس کے نام پہلوؤں کے متوہم چھوٹے اس درجہ تیار ہو گئے ہیں کہ وہ بغیر بچے لے رہے نہیں سکتے۔ میرے دعویٰ کی تائید میں میرے مضمون ہر جگہ کہیں رفیت اور کہیں ہنسیت ہیں یہیں شاید بعض ایسے مقامات بھی آئیں کہ کہ آپ قہقہہ لگائیں اور اس کے تاریں پکائی کانسوں کی لڑی بڑ جائے۔

سنا

میری بیجا۔ بی بوسہ وہ تارہ سمجھ سکتا ہے جو افق بعید سے بھی پہلے اس حسرت میں جھلکتا رہتا ہے کہ اس کی تابانی کو کوئی نگاہ دیکھے اور ہمیشہ کے لئے خیرہ ہو جائے۔
بر۔ ذہنی طعن آج بھی میں بہت سی غلغلہ عباقل کو پڑھ کر تنگ چلا ہوں جن کا اصل رُخ پیٹ ہے۔ اور میری آنکھیں ان دوپایوں کو دیکھ کر جھجھکتی ہیں جو زندگی کے رقص میں پیور کے چپے ڈال کر غدا سے منے چلے جارہے ہیں۔ شام سے میں بستر پر لیٹا ہوا دل اور میری رُخ میل لڑوں کے ساتھ اس الکلی پر لگی ہوئی ہے نہ صبر و خون کے بجائے یہ نجات میرے لئے اور

اس عالم بیداری میں جانداروں کے اس اثر و باہم عظیم میں زندگی کی اس پر شور و فانی میں رہتے ہوئے کبھی محسوس ہوتا ہے کہ میں کیلا ہوں۔ اکیلا بالکل اکیلا میری تنہائی اس قیدی سے بھی زیادہ المناک ہے جو ایک چمار دیواری میں بند ہونے کے بعد یہ سوچ ہی رہا ہو کہ اسیروں کے اس انجوش میں کوئی دادرس مکمل آئیگا۔ اور بلا اطلاع اسے ایک کال کوٹھی میں بند کر دیا جائے۔ اس کے ساتھی دنیا کو آواز دینے کے لئے جس بقداری کا انہماک کرتے ہیں وہ فریاد بھی اس سبب سخت کیلئے اتنی ہی غیر مبہم ہو جاتی ہے جتنی ہوا کی مسلسل جھیلیاں

بھی مان لیا ہو جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ میری زندگی ایک تشنہ آب اندھے کٹوں کی طرح ہے جس میں مشاہدات کے کنارے گرتے ہیں تو میں کی صدائے بازگشت آسمان پر حلقے بنانے لگتی ہے کئی ذرات سر میں کرائی سی ہے۔ درد تو نہیں ہے لیکن جیسے پارہ کا ایک ایک قطرہ کوئی میرے دماغ پر پیکر رہا ہے یا ناخن سے آہستہ آہستہ اسے ٹھو کے دے رہا ہے۔ آج پتہ چلا کہ اس گنہگار کی وجہ کیا ہے۔ میرے کمرے کے سامنے ایک دیسی ہوٹل ہے جس کے تنویریں صبح سے شام تک خمیری روٹیاں سینکی جاتی ہیں۔ نان بائی کے ہاتھ اتنے چمپے ہوئے ہیں کہ وہ گندے ہوئے آٹے کی ایک خاص مقدار نوچتا ہے اسے تو سے پر ایک خاص مقدار کے ساتھ بجا کر پھر ایک دھماکے کے ساتھ تنویریں قہقہہ دیتا ہے۔ آٹے کے گولے پر پہلے تین تھپکیاں زور سے اور پھر ایک جیسے سے! دن میں سترہ سو ساٹھ نمبر ہی ڈفلی بجا کرتی ہے ادب یہ بھیانک راگ پیار و فوال کی نعت کی طرح میرے دماغ کے سونے آسمان میں گڑنا رہتا ہے۔

شام کو پٹوں کی مسجد سے نکل کر نمازی ثواب کی خانہ پوری کے لئے جھٹیا رخانہ کے آگے فقیروں کو روٹیاں بانٹا کرتے ہیں۔ اور ثواب و افلاس کی اس کشاکش میں راہ چلنا دشوار ہو جاتا ہے کل میرے ساتھ ایک عبرت انگیز واقعہ پیش آیا جب میں راہگیروں کے دھکوں سے چٹکوں کی کیزہ بھاتا ہوا ہوٹل کے آگے سے گزر رہا تھا تو ایک فقیر نے میرا بازو دھماکا لیا۔ میری لگ شرافت پھر اٹھی اور میں اسے جھٹکے ہی والا تھا کہ ————— ششدر رہ گیا۔ اس کے ہاتھوں کو لقمہ دے دیا تھا اور وہ گھاس کی طرح تھڑھکا رہا تھا اس کی بغل میں روٹی کے ٹکڑے دبے ہوئے تھے لیکن اتنی سکت نہ تھی کہ خود انہیں کھا سکتا۔ ناک سے تھپتھپہ بہہ کر ڈاڑھی مونچھ کے بالوں میں لپٹ گئی تھی۔ کیا انسان اتنا بھی بے بس ہو سکتا ہے؟ وہ صرف یہ جانتا تھا کہ اس کی روٹیاں کوئی اسے ہی کھلائے۔ جب میں اس کے منہ میں نولے ڈالنے لگا تو وہ درندوں کی طرح بلبل کر بغیر چہلے انہیں نکلنے لگا اور اس کی آنکھوں کے آنسو میری انگلیوں پر ٹپکنے لگے۔ وہ انسان تھا اور انسانیت کے سارے ہم آہنگ ہو سکتا تھا۔ میرے کچھ ملاقاتی مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر حیرت و حقارت سے مجھ پر نہیں رہتے تھے۔ آہ یہ قدرت اور اس کے بے حس، بیدرد، دھنکے

۱۹ جولائی —

آج سیٹھ ————— نے میرے شدید احتجاج کے باوجود مولود شریف کربھی ڈالا۔ میں بھی رخصتی بھاگ کر بامدے میں آرام کر رہی ڈاکٹر بیٹھوں گا۔ اور دوسری سے ڈاکٹر صیب سے لذت آشنا ہوں گا۔ فکر ثواب کو میں نے ایک مدت دراز کے لئے طاق لیاں کے سپرد کر دیا ہے اس لئے زندگی کے ان اوقات کو امن و امان سے گزار سکتا ہوں۔

چند چول پر ایک مولوی اس آواز سے جو خلاف معمول آج چٹکی چٹری ہوئی ہے جھوم جھوم کر مولود پڑھ رہا ہے بیچ بیچ میں سامعین کو درود شریف پڑھنے کی ہدایت دے کر جو چاہے پتے لگتا ہے اس کے رد و بد و ایک جرم زمین کا حلقہ لئے جو حاجی جی بیٹھے ہیں وہ آج ہی ریس کو رس کا دارا بننا کر چکے ہیں اور ان وکیل صاحب نے آج ہی ایک سود خوار کی بیوی میں لگی گاڑی بانوں پر قرقی کا وارنٹ نکالا ہے۔ ان کی آنکھیں اشک بار ہیں شاید فرط الوہیت میں۔ گوکہ ان کے پاس کچھ غیر مقلد بیٹھے یہ سرگوشیاں کر رہے ہیں کہ تو ندہی کی وجہ سے انھیں ہمیشہ بسویتی ہی رہتی ہیں۔ ان سب کے چہرے بے نقہ نور ہیں اور وہ ہمتن تجلی زاہد ہیں۔ شیرینی کے لالچ میں فقیر اور قلی اس مجمع کے عقب میں شامل ہو گئے ہیں اور بابتک دہل یا بنی سلام علیک کا ورد کر رہے ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے ان کے چہرے بھی اطمینان اور مسرت سے دمک رہے ہیں۔ کیوں نہیں وہ اس امتیاز کو سمجھتے جو ان کے اور اس سیٹھ کے مابین ہے کہیں

۱۷

نہیں وہ خواجہ والا اس ڈاکٹر کا مشانہ ہلاتا جواب سر ہا جلتے نماز ہو رہا ہے لیکن جس نے اس کے جاں بلب بچہ کو صرف اس وجہ سے دیکھنے سے انکار کر دیا تھا کہ وہ فیس میں چار روپے نہیں دے سکتا تھا۔ وہ قلی جن کی کمائی کا ایک حصہ پولیس کا یہ حوالہ دینا چاہتا ہے۔ کیوں نہیں اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتے جو یوں گلا بھاڑ رہا ہے گویا رسول کے نہ ماننے والوں کو کچا چبا جائے گا۔

بندے اور بندہ نواز ایک صف میں کھڑے ہوئے ہیں لیکن ان کے فرق کو یہ صاف دیکھ رہا ہوں۔ مگر مجھ سے زیادہ تو ان رجگروں کو اس تمیز کا احساس ہونا چاہئے تھا۔ لیکن نہیں وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ قسمت کے جادو نے ان سب کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے ہیں۔ قسمت قسمت قسمت! دن میں کتنی مرتبہ یہ بے معنی لفظ میرے کانوں سے ٹکرایا کرتا ہے۔ غریب اس لئے بھوکا رہتا ہے کہ یہ اس کی قسمت ہے، امیر اس لئے عیش کرتا ہے کہ یہ اس کا نصیب ہے۔ غریب اس لئے عبادت کرتا ہے کہ یہ اس کی قسمت ہے، امیر اس لئے گناہ کرتا ہے کہ یہ اس کا نصیب ہے! واہ ری قسمت اور تیری شعبہ کری!

۲۷ جولائی —

مرگیا! وہ خبیث مالک مکان آخر مر ہی گیا۔ اگر ہنگامہ کا خوف نہ ہوتا تو میں ضرور اس کے دروازے پر نوبت بجاتا۔

آج اس مکان کا ہر ذرہ مسرور مطمئن ہے۔ صبح سویرے نیم کے پیر پر دو مرغ خوش الحان میٹھے 'گاندھی جی' اور 'گاندھی بھائی' کا بخاری گیت گارہے ہیں۔ اب مجھے ہر قسم کی موسیقی میں ہی دو گتیں سنائی دیتی ہیں۔

وہ اپنے خون، حقوق اور پیسے میں شر اور جو کھٹ پر مر رہا ہے۔ اب تک ایسی دفع فرساموت نظروں سے نہ گزری تھی کہ ہر آدمی اس کی ناپاک لاش کو دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اس نے مرتے دم تک کسی معالج کو نہ بلایا کہ روپے دینے ہو گئے۔ آخری سال تک اسے کسی تیماردار کی منت کشی منظور نہ تھی، مبادا کچھ خرچ کرنا ہوگا۔ اس نے اپنی بواہن کو ایک کافی کوڑی دینے سے انکار کر دیا۔ وہ اس کی آنکھوں کے آگے طائف کا پیشہ کر لے لگی مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کا اکلوتا بیٹا پان کی دوکان کرنے لگا لیکن اس کا دل نہ سپیا! اور انجام کار وہ آج مر گیا اور اس کی تمام دولت کا عرق پلا کر بھی کوئی اسے زندہ نہیں کر سکتا۔

لوگ نیلام ہونے والے لاوارث گھوڑے کے ایال، کھر اور پٹوں کی طرح اس اُتری ہوئی کینچلی کے ثواب و عذاب اور روپیوں پیسوں کا حساب لگانے لگے اور سگریٹ کی پھونک اور پان کی پیک کے ساتھ اسے خدا اور اس کے جہنم کے حوالے کر کے نصت ہو گئے۔ اس لاش کے سر ہانے گھڑی کے کانٹے وقت کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر مسرت سے عدم کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ ہر منزل پر وہ ایک لمحہ کے لئے رکتے ہیں اور بدیت کے دروازہ پر دستک دے کر پھر اپنے نامعلوم راستہ کی طرف بے تحاشہ بھاگنے لگتے ہیں اس کی طعنے لاش کو چھری بھی نہیں چھونا چاہتے۔ اس کے خون میں اپنے ڈنک ڈوب کر وہ ترپنے لگتے ہیں۔ اس خوشی میں کل میں اپنے دوستوں کو چلے پر ہلاؤں گا۔

۳۱ اگست —

پھر ریل کا سفر! میں ڈرائنگ ماسٹر کے پرکار یا پٹھاری کی حیرت کی طرح ہیش گوش میں ہوں۔ میں کہاں جا رہا ہوں؟ معلوم نہیں! کیوں جا رہا ہوں؟ نہیں جانتا! ایکشن

ہے جو بے بس مجھ اس شہر خوشاں کی طرف لئے جا رہی ہے۔ گاڑی کی قرأت کی ایک لے ہے۔ چلا چل، چلا چل!

ریل کے ڈبہ کے تقدس کی کچھ انتہا ہے! ہمارے ملک میں ہی ایک جگہ ہے جہاں ذات پات کی قبو ڈھوٹی ہیں، یہیں ہندو مسلم اتحاد کی بیل قومیت کے منڈے چڑھتی ہے، یہیں جنسی مساوات کا علم بلند ہوتا ہے، یہیں برقعے اٹھتے ہیں، یہیں گھونگٹ اٹھتے ہیں یہیں دیسی رومان کا آغاز ہوتا ہے! صلوٰۃ بردیسی ریل۔

پورے ۲۴ گھنٹے گزر گئے اور ان چٹیل میدانوں کو تکتے تکتے آنکھیں آگئیں صید مولوی کے سر کی طرح سپاٹ ہیں، درخت اس کے جذبات کی طرح خشک ہیں، ندیاں اس کے احساس کی طرح بے آب ہیں، پشاور سے لیکر کلکتہ اور کلکتہ سے لیکر کراچی تک بے برگ و شجر میدانوں کے سوا کچھ نہیں۔ بورڈنگ کی زندگی کی طرح یک رنگ و یکساں مٹی کے تودوں کا انبار ہندوستان جنت نشان کی جمال آفرینی پر تکتے ہیں۔

ماں کا پیٹ پھوٹے سے پیانے پر ریل کا ڈبہ ہی ہے۔ بھائی بہن مسافروں کی طرح کچھ وقت کے لئے اس میں جمع ہوتے ہیں اور پھر اپنے اپنے اسٹیشن پر اتر کر ہنگامہ ہستی میں گم ہو جاتے ہیں۔

ادھر ہند کے اس مختصر سے اسٹیشن میں ہر چیز اپنی جگہ پر دلچسپ ہے۔ دو صاحب بڑی سنجیدگی سے اس مسئلہ پر بحث کر رہے ہیں کہ بنگال کلکتہ کی دارالسلطنت ہے یا کلکتہ بنگال کا! ایک بوہرا تنکیہ کے خلاف میں روپیوں کی پھیلی بھر کر اسے سر ہانے رکھے ہوئے اسم اعظم پڑھ رہا ہے! ایک سردار جی طرح طرح سے منہ بنا کر اس تیزی سے منتر چپ رہے ہیں۔ گویا ان کے نام خدا رنج کا پروانہ آچکا۔ اور لالہ جی کا سپوت انہیں دیکھ کر زار و قطار رو رہا ہے۔ لالائے نے اپنے "حقن" اس کے منہ سے لگا دئے لیکن اسے چپ نہ ہونا تھا وہ بدستور رو رہا رہا۔ تنگ آکر انہوں نے اسے ڈرانے کے لئے میری طرف اشارہ کر کے کہا "پیتا ہے تو پی" ورنہ ان بابو جی کو دسے دوں گی! کیا میں اتنا بھوکا معلوم ہونے لگا ہوں؟

۵ ستمبر

میں اپنے نئے مکان میں اٹھ آیا ہوں۔ ایک ہفتہ کے اندر میرا کہہ خاک و گرد میں اٹ گیا ہے گویا کسی شاعر کی خواہ گاہ میں اس کل لجل کر خاکستر ہو گیا ہو۔ گناہوں کے بارے دے ہوئے پڑھنے کی طرح میرا ہانگ جھلنگا ہو گیا ہے

نہیں مانتے لوگ کسی طرح نہیں مانتے۔ سلام علیکم اور مزاج مشربین سے ناک میں دم آگیا ہے کہتے کہتے تنگ گیا کہ بابا سلامتی کی ضرورت نہیں ہے اور مزاج بہت خراب ہیں لیکن یہ ہیں کہ کسی طرح نہیں ملتے۔

آج ٹھاکر سے ملاقات ہوئی۔ بڑے قوم پرست اور روح پرور بزرگ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روح بھی کھدکوش ہوگی۔ اپنی نگرانی میں مکان کی حرمت کرا رہے ہیں۔ صبح سے شام تک بیٹھک میں ڈٹے ٹپے موٹی عینک کے اندر سے مزدوروں کی کارگزاری کا جائزہ لیا کرتے ہیں۔ آج کئی کسان بقایا ادا کرنے کے لئے زمینداری سے آئے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی بڑی گرمجوشی سے بغلیکے ہوئے اور سنبھلے ہوئے تھا لیا اس کے بعد روح و مادہ کا تنازعہ شروع ہو گیا۔ اگر پولین اور حیدر علی بیک وقت کئی کام انجام دے سکتے تھے تو یہ حضرت کم از کم کسان خرد و راور روح کو تو ایک ساتھ بٹھا سکتے ہیں۔

ٹھاکر صاحب! جی ہاں آپ جیسے متعصب مادہ پرست کبیر داس کو نہ سمجھ سکیں تعجب نہیں۔ کہنے تو سنی کا یا، کہ "مایا" نہ کہیں تو۔۔۔ ارے بیٹا کھو! کجنت ڈھیر گھنٹہ دیر سے رہا ہے؟ اس نتیجہ کو اسپتال لے گیا تھا تو بھائی کیا ہم نے اسے پیدا کیا ہے۔ منشی جی! آج کی مزدوری کاٹ لیجئے گا۔۔۔ جی ہاں مولانا روم نے بھی مثنوی شریف میں ایک ہم معنی شعر لکھا ہے۔۔۔ صاحب عدم تشدد کے اصول پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے ہیں تو انسان و بہائم کا اہل فرق ظاہر ہوتا ہے جسے آپ زندہ نہیں کر سکتے اسے مارنے کا حق۔۔۔ سونجی بودہ را تمہائے ذمہ جو پچھلے سال کا ۱۷ روپیہ تھا وہ سود وغیرہ ملا کر ۳۳ روپے ہو اداس! ہو گیا ہے۔ اگر ۳۳ روپے ابھی جمع کر دو تو ہم سو اداس آنہ معاف کر دیں گے۔ کیا کہا؟ زمین رہن رکھ کر۔۔۔ اس "تو ہم پر کیا احسان کیا! ماں کی تہیز و تکفین۔۔۔ نہ کھاؤ سر ہمارا۔۔۔ جی ہاں یہی تو وہ جرمنی والے مولانا بھی کہتے ہیں۔

میرا سر چکراتے لگا، میں بیک بینی و دو گوش نوک دم دہاں سے بھاگ نکلا۔ روح کے ساتھ کسانوں کے مصائب اور عدم تشدد کے ساتھ سرمایہ داروں کے مظالم میں مجھے کوئی خاص ارتباط نظر آنے لگا۔

۵ ستمبر

میری داخلی دنیا میں عرصہ سے ایک ہنگامہ برپا ہے اور احوال و شخصیت کا یہ تنازعہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ خودی کا احساس مجھے آپ اپنی بیچارگی کا شکار بنا رہا ہے۔

آج بھی وہ آئی اور ملی گئی اس کے لرزہ تبسم سے میرے گھر کے چراغ جلنے بجھتے رہتے ہیں اور جب وہ دل کی کٹدی ہلا کر ایک رشتی ڈھپٹنے کی طرح لہر آکر آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے تو میرے محبوب کا منی کے پھول ٹوٹ ٹوٹ کر شبنم کے قطروں سے لپٹ جاتے ہیں۔

ہر روز کی طرح آج بھی وہ زندگی کی سیاہی کو تاریک تر بنا کر شب کے اندھیرے میں گھل مل گئی۔ میں نے باہر نکل کر دیکھا کہ جس جگہ کھڑا ہوں وہاں تک ایک راستہ ماہی کی بوت سے نکل کر آیا ہے اور دوسرا راستہ یہاں سے شروع ہو کر مستقبل کی منزلوں سے گزرتا ہوا

موت کے دروازے پر غائب ارجمند ہو گیا ہے ان دونوں کے درمیان میں تاریخ کی سولی پر تھر تھراتی ہوئی انسانیت کی طرح پیکر تصویر بنا کھڑا ہوں۔ بیک ایک ایک بادل کراہتا ہوا میرے قدموں پر گر پڑا، درخت حال زدہ صوفیوں کی طرح سر دھننے لگے، کتے بھونکنے لگے، چوکی دار بڑے چوروں سے چھوٹے چوروں کی غازی کرنے لگے اور منوڈن نے مجھے یاد دلایا کہ "خدا بڑا ہے! خدا بڑا ہے! خدا بڑا ہے!"

جب میں اس شورش سے پناہ لینے کے لئے کمر میں جا بیٹھا تو یک بیک اختلاج کا دورہ شروع ہو گیا۔ ہاتھ تھڑائے لگے، دل ٹپکنے کی طرح گھومنے لگا کانوں میں سنسنی مٹا ہونے لگی۔ چہرہ خون کی حدت سے سرخ ہو گیا۔ سراسیمگی کی اس کیفیت میں یہ معلوم ہونے لگا کہ موت دعویٰ کے گالوں کی طرح ہوا میں اڑ رہی ہے، پھاڑ پھڑیوں کی طرح کھڑکی سے جھانک کر منہ چڑھا رہی ہے اور فرشتے اپنے پروں سے بسکٹ توڑ کر منہ میں بھر رہے ہیں۔ اداسی و خست میں یہ گمان ہوا کہ حضرت میکائیل پرودائیس چالسوس سے معاف کر رہے ہیں اور دونوں میں اس مسئلہ پر بحث ہو رہی ہے کہ اسے جنت سے نکال کر یونیورسٹی روانہ کر دیں یا یونیورسٹی سے نکال کر جنت بھیج دیں! ۔۔۔ ایسا دورہ کبھی نہ ہوا تھا ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہونے لگے۔ اور غش طاری ہو گیا۔

کوہِ ہمالیہ کا پیغامِ مادرِ ہندوستان

میرٹھ کی برگزیدہ و محترم ہستی مالی جناب پنڈت یار سے لال صاحب شرمہ نے اعلیٰ نے ازراہ ایشیا نوزی موسیو پال رچرڈ کی مدد سے (Message of Himalayas) کا ترجمہ عنایت فرمایا ہے۔ ذیل میں ہم اس مختصر مگر جامع تصنیف کا ایک نثریہ تمہید نمونے کے ساتھ شائع کرنے کی عہد حاصل کرتے ہیں۔ جنہی میں یہ مختصر کتاب جس کا ایک ایک حرف روحانیت اور ایشیا سے بغیر روحانی تعلق کا آئینہ دار ہے زبانِ اردو ہدایت حسن و جمال کے ساتھ شائع ہوگی۔ قبلہ شرمہ صاحب نے برلمان کے ساتھ اس کا ترجمہ فرمایا ہے اس کی ادوینا کتنی ہے لیکن بہ حال اس بزرگ خدمت کا پیغام آپ کا شکریہ ضرور ادا کرتے ہیں، اور ہمیں امید ہے کہ یہ سلسلہ کرم برابر جاری رہے گا۔

سناغھ

تمہید مترجم

شرییت آریزہ و کھوش، وہ فنانی الوطن ہستی جس کا نام ہندوستان کے ہر فرد کے دل میں خاص عزت کی جگہ پائے ہوئے ہے۔ یورپ اور ہندوستان کی مختلف زبانوں کا مطالعہ مشرقی اور مغربی فلسفہ کا ماہر زاہد گوشہ نشین حکومت وقت کا شہید ناز آج چودہ سال ہوئے انگریزی ہندوستان سے جلا وطن ہو کر پانڈی چری میں اس غرض سے پناہ گزین سے کہ مادر ہند کی خات کے لئے سخت سے سخت ریاضت اور تپش اس وقت تک کے جائے جب تک کہ اس پاک مقصد کی تکمیل ہو۔ اسی برگزیدہ ہستی کا شریکِ کار ہم خیال اور راز دار موسیو پال رچرڈ ایک فرانسیسی عالم اور فلسفی انوارِ ارق کا قابلِ خدمت سے روحانیت کا دلدار، زہد اور ریاضت کا عاشق اپنے خیال کی نئی دنیا اور نئی قوم کا تلاش ترک دنیا کی زندہ تصویر بہت سے دھسے ہوئے ہمالیہ کے ایک ایک پہاڑ پر چھوڑا اور عہد و عباد کا رشتہ قریب نظر آنے لگتا ہے کچھ مددِ دولت گزریں۔ اور اسی جگہ اپنے خیالات کو موسیو پال رچرڈ نے فرانسیسی زبان میں لکھا۔ فرانسیسی زبان سے انگریزی میں ترجمہ ہو کر یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔ ہمالیہ کا پیغام موسیو پال رچرڈ کی پرواز خیال کو ایک اجنبی زبان سے اپنی اور زبان میں شیب جامہ پہنانے کا خیال ایک کٹافانہ جرات ہے۔

میں اپنی ناقابلیت سے واقف ہوں اور اپنی لمبائی کی کامتوں میں امتداد، موسیو پال رچرڈ کے اعلیٰ خیالات کو اپنے ان بزرگوار وطن سے پہنچا دینا۔ بن لی زبان صرف اردو یا ہندی ہے۔ ان خیالات کے پہنچانے کی مجھے کیوں حسرت وہ تو صحت سے دل من دانہ و من دانہ و دانہ دل من میرا صوف خیال ہی نہیں بلکہ عقیدہ سے کہ مادرِ وطن کی نجات کا راز ایشیا کی بقا کا راز مہندب دنیا کی سچی آزادی کا راز ان خیالات میں مضمت ہندوستان کا مستقبل آئینا کے مستقبل سے وابستہ ہے اور متحدہ ایشیا ہی محبت کا وہ پیغام دنیا کو پہنچا سکتی ہے جو آنے والے زمانے میں تمام جہان کے امن کا ضامن ہو سکتا ہے۔ کاش ہندوستانی قوم میں جو بی نوع ان کا پانچواں حصہ ہے اپنے اس عظیم الشان مقصد کا احساس پیدا ہو۔ اور ان وطن اہم میں تو میت کا رورازندوں احساس خدا کی قدرت کو ایک کرشمہ ہے۔ ہمارا "آج" دنیا کی آنے والی "کل" کا پیش خیمہ ہے۔ اسلامی اخوت "انسانی اخوت" کا پیغام سنائے گی۔ بچھڑوں کو ملائے گی۔ ہنستوں کو رلائے گی۔ روتوں کو ہنسائے گی۔ سوتوں کو جھکائے گی۔ بواب تک کہیں نہ ہوا تھا وہ ابر دکھائے گی۔ بقول اقبالؔ

پیارے اُمّہ جہاں

کوہ ہمالیہ کا پیغام

ماہر کدنا

کوہ ہمالیہ کا سلسلہ جہاں تک نظر جاتی ہے ان پہاڑوں کے سمندر میں ایک مسرت نامتناہی ہے اور یہ سہ روزہ مسرت متحرک ہے جس طرح تیر نہیں متحرک ہوتی ہے یا جیسے اک زندہ لفظ، اور ایک زندگی بخشنے والی آواز! سنو! ————— وہ آواز کچھ کہتی ہے وہ ماہر ہند سے خطاب کرتی ہے۔ جارت ماتا! اس پیغام کو سن جو ان بلندیوں سے تیرے لئے آیا ہے جو ہمالیہ کا پیغام ہے۔ یہ آواز تجھ سے کہہ رہی ہے :-

وہ ساعت قریب ہے، وہ پر غفلت گھڑی جب تو آزاد ہوگی قریب ہے کہ تیری آرزو برائے مگر نہ وہی نہیں تونے چاہا تیری آرزو سے بہت زیادہ، بہت ارفع، زیادہ بین، اور واضح، زیادہ متحرک، وہ کسی سے مغلوب نہ ہونے والی آرزو ہے حتیٰ کہ تو بھی اس کی طاقت سے مجبور ہوگی!

یورپ کی قدیم روح کے ساتھ ساتھ اس کا خاتمہ ہو رہا ہے یورپ اور اسکے مقبوضات کے ساتھ ساتھ یہ رخصت ہو رہی ہے جب جسم ہوتا ہے تو اس کا کوئی عضو کب بچ سکتا ہے تم اسے کسی سلطنت کا خاتمہ نہیں بلکہ یورپ کی سلطنت کا خاتمہ سمجھو! اس پر لعنتیں نہ بھیج نہ اس کی تعزیر کر البتہ اس سے اپنا ورثہ حاصل کر اس سے سیکھ کہ تجھے کیا کرنا چاہئے، دنیا کے لئے نور اور روشنی دے اور یہ بھی سیکھ کہ تجھے کیا نہ کرنا چاہئے کہ تو اضمحلال و انحطاط سے محفوظ رہے۔

جو گزر گیا اُسے خیر باد کہہ اور جو آئندہ سامنے آئے اسکی طرف رجوع ہو۔ وہی موج جو ایک جگہ ڈوبتی ہے تو ایشیا کی جانب اٹھتی ہے گویا وہ ایشیا کو جگانے آرہی ہے وہی آفتاب جو گزرے ہوئے دنوں میں مشرق سے گزر کر مغرب کی طرف دورہ کر رہا تھا لیکن اب وہ وہاں نمودار ہوتا ہے اگر صبح صادق کا نظارہ دیکھنا ہے تو ایشیا کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

میزان زمانہ کی وہی حرکت جس نے یورپ کے انچا ہوتے وقت ایشیا کو جھکایا تھا اب یورپ کو جھکا رہی ہے کہ ایشیا کو اٹھا دے۔

یورپ کا زوال، ایشیا کا عروج، مساوات کے یہ دو پہلو ہیں اور انہی کے ذریعہ اقوام عالم کی تقدیروں کا عقدہ حل ہوگا۔ دروازہ کے دونوں کو اٹھل رہے ہیں یہ دروازہ تمہارے مستقبل کا باپ آرزو ہے ایک درتاریکی میں ہے دوسرا روشنی میں۔

’خیر ایشیا‘ (ماہر ہند) تم اس لئے خودی کی عادت چھوڑ دو کہ کوئی قوم اور کوئی انسان تمہا اپنے لئے زندہ نہیں رہتا اور نہ کوئی انسان یا قوم زندہ رہ سکتی ہے جب تک کہ وہ اپنے سے اونچی بلندی کو نہ دیکھے۔

اقوام یورپ کی طاقت کا ایک سبب یہ تھا کہ زندہ یورپی جذبہ ان سب پر حاوی اور ان سب میں ساری تھا۔ اب ان کا خاتمہ اس لئے ہو رہا ہے کہ وہ اس اجتماعی جذبہ اور اس یورپی حب الوطنی میں قاصر ہیں۔

ایشیا کی قومیں زندہ رہیں گی وہ مضبوط اور آزاد ہو کر زندہ رہیں گی لیکن صرف اس وقت جب ان سب میں یہی اجتماعی جذبہ اور ایشیا کی حب الوطنی کی روح زندہ ہوگی۔

ایشیا والے یعنی ہندوستان، چین، جاپان، فارس، عرب کے شہری تو مجھے اس وقت سب بگہ نظر آتے ہیں لیکن ایشیا کے شہری ایشیا کے فرزند کہاں ہیں؟

ایشیا کہاں ہے؟

میں ایشیا والے تو ہر جگہ دیکھتا ہوں لیکن ایشیائی کہاں ہیں؟

وہ کہاں ہیں جن کی نگاہ ایشیا کی طرف لگی ہو اور جنہیں کثرت میں وحدت کا احساس ہو وہ ایشیا جو تین نسلیں کا گہوارہ پانچ مذہبوں کی سہادت کا دارسات سلطنتوں کی سرزمین ہے، یہ وہی سات سلطنتیں ہیں جو کل بھائیوں کی طرح "ملکر ایک" ہونے والی ہیں۔

وہ کہاں ہیں جن کی نگاہ ایشیا کی طرف لگی ہو وہ ایشیا جو تمام افکار، عالیہ، اعلیٰ خیالات کا ایک گلدستہ ہے، مسیحی ایشیا شمال میں اسلامی ایشیا مغرب میں، بودھ کی ایشیا جنوب میں، کنفیوشس کی ایشیا مشرق میں، ویدوں کی ایشیا اسی جگہ اور روحانی ایشیا سب جگہ۔

وہ کہاں ہیں جن کی نگاہ ایشیا کی طرف لگی ہو وہ ایشیا جہاں نصف بنی نوع انسان آباد ہیں، وہ ایشیا جو اس وقت غلام ہے مگر آئندہ آزاد ہوگی، وہ ایشیا جس کا تعلق اقوام مغرب سے طاقت کے زور سے ہے اور جو اس لئے آزاد ہوگی کہ محبت سے ان کے سامنے جھکے۔

وہ کہاں ہیں جن کی نگاہ ایشیا کی طرف لگی ہوئی ہے؟ وہ ایشیا جو صرف روح میں اس وقت ایک ہے اور جس کو اس وجہ سے متحد ہونا چاہئے کہ اس روح کا ظہور ہو اور اس ظہور سے دنیا پر نور ہو۔ کیونکہ ایشیا کے اتحاد پر دنیا کے اتحاد کا انحصار ہے۔ وہ کہاں ہیں جن کی نگاہ ایشیا کی طرف لگی ہے؟ وہ ایشیا جسے قدرت نے "گرینڈ ہدر" کا خطاب عطا کیا ہے۔

موسیٰ و پال چرڈ

۱-۵

میں نے ایشیا کو اپنی بوجھ میں لے لیا ہے
میں نے ایشیا کو اپنی بوجھ میں لے لیا ہے
میں نے ایشیا کو اپنی بوجھ میں لے لیا ہے
میں نے ایشیا کو اپنی بوجھ میں لے لیا ہے
میں نے ایشیا کو اپنی بوجھ میں لے لیا ہے
میں نے ایشیا کو اپنی بوجھ میں لے لیا ہے
میں نے ایشیا کو اپنی بوجھ میں لے لیا ہے
میں نے ایشیا کو اپنی بوجھ میں لے لیا ہے
میں نے ایشیا کو اپنی بوجھ میں لے لیا ہے
میں نے ایشیا کو اپنی بوجھ میں لے لیا ہے

آرہند و گھوش

بنگلہ کا انقلاب پسند سادھو رہنما

بنگلہ کے مشہور انقلاب پسند رہنما بابو آرہند و گھوش کئی سال سے پابند بھری کے فرانسیسی علاقہ میں رہا نہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دنیا کی منگامہ آرائیوں میں جی بھر کر حصہ لیا عیش و تنعم کی بجائے بھی لڑیں۔ فانی دنیا کی فانی شہرت بھی حاصل کی۔ لیکن مادیات کی ظلمت میں جب شمع حقیقت کی روشنی ہوئی تو سب کچھ مجاز نظر آیا اور سینہ میں جذبہ شوق کی آگ بھڑکی اور علاقہ دنیاوی کی زنجیروں کو توڑ کر شاہد حقیقی کی تلاش میں مصروف ہو گئے غم و استقلال نے دستگیری کی اور بنگال کا یہ انقلاب پسند لیڈر اپنے مقاصد میں کامیاب ہو کر آج اس روحانی دنیا میں متمکن ہے جس کے باوجود حقیقی مسرتوں کے نور سے جگمگاتے ہیں جہاں نہ تو قومیت و وطنیت کی سنگین دیواریں ہیں نہ رنگ و نسل کے امتیازات بہر طوف اُسی کا جلوہ ہے جس کی تلاش تھی۔ اور جس کے حوالے کی شان غیرت برق غضب بن کر ماسوا کو پہونک جاتی ہے۔

یوں تو ۱۹۰۷ء سے مسٹر آرہند و گھوش کو سیاسیات سے کسی نہ کسی حد تک دلچسپی تھی گو وہ بڑودہ کی سرکاری ملازمت کی وجہ سے پس پردہ کام کرتے پر مجبور تھے اور سیاسیات میں عملی حصہ نہیں لے سکتے تھے۔ ۱۹۰۵ء میں جب سیم بنگال کا پرزور ایگیشن شروع ہوا تو مسٹر گھوش کے لئے اپنے جذبات پر قابو حاصل رکھنا دشوار ہو گیا اور ۱۹۰۷ء میں وہ بڑودہ کی ملازمت سے مستعفی ہو کر کلکتہ چلے آئے جہاں جدید قائم شدہ بنگال نیشنل پیج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔

مسٹر آرہند و گھوش نے بنگال میں قوم پرستی کی نئی آگ بھڑکائی اور لوکمانیہ ملک کی قیادت میں ایک نئی پارٹی قائم کر کے آزادی کامل کے نصب العین کو سامنے رکھا اور ان اقدامات پسندوں کے خلاف جنگ شروع کر دی جو سالہا سال سے کانگریس پر قابض تھے۔ اس غرض سے آپ نے ۱۹۰۷ء میں اپنا مشہور اخبار "بندے ماترم" نکالا اور اس سال آپ پر بغاوت کا مقدمہ چلا لیکن بری ہو گئے اور سورت کی مشہور نیشنلسٹ کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے دوسرے سال آپ علی پور کے مقدمہ سازش میں اپنے بھائی پر بندر لکار گھوش کے ساتھ گرفتار کر لئے گئے۔ لیکن ایک سال تک زیر سماعت قیدی کی حیثیت سے جیل میں بند رہنے کے بعد آپ بری ہو گئے اور انگریزی زبان میں مشہور اخبار "مرم لوگن" جاری کیا۔

علی پور جیل کے زمانہ حراست نے آپ کی زندگی میں ایک اور انقلاب پیدا کر دیا۔ قید خانہ کی تاریک کوٹھڑیوں میں آپ کو لوگ کی مشق کا شوق پیدا ہوا اور ایک سال کے اندر اس میں پوری مہارت حاصل کر لی۔ ۱۹۱۱ء میں آپ کے لئے چند رنگی پیرسکون فنس میں غیر معمولی دلکشی ثابت ہوئی۔ اور آپ ضروری انتظامات کے بعد اپریل ۱۹۱۱ء میں۔ زیر قید کو خیر باد کہہ کر چند رنگر چلے گئے۔ آپ کی غیبت میں "مرم لوگن" کے ایک مضمون پر نفوذت کا مقدمہ چل۔ چونکہ مسٹر آرہند و گھوش اب انگریزی لائینڈرڈ کی دسترس سے باہر تھے لہذا

بنگلہ کے مشہور انقلاب پسند رہنما بابو آرہند و گھوش کئی سال سے پابند بھری کے فرانسیسی علاقہ میں رہا نہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دنیا کی منگامہ آرائیوں میں جی بھر کر حصہ لیا عیش و تنعم کی بجائے بھی لڑیں۔ فانی دنیا کی فانی شہرت بھی حاصل کی۔ لیکن مادیات کی ظلمت میں جب شمع حقیقت کی روشنی ہوئی تو سب کچھ مجاز نظر آیا اور سینہ میں جذبہ شوق کی آگ بھڑکی اور علاقہ دنیاوی کی زنجیروں کو توڑ کر شاہد حقیقی کی تلاش میں مصروف ہو گئے غم و استقلال نے دستگیری کی اور بنگال کا یہ انقلاب پسند لیڈر اپنے مقاصد میں کامیاب ہو کر آج اس روحانی دنیا میں متمکن ہے جس کے باوجود حقیقی مسرتوں کے نور سے جگمگاتے ہیں جہاں نہ تو قومیت و وطنیت کی سنگین دیواریں ہیں نہ رنگ و نسل کے امتیازات بہر طوف اُسی کا جلوہ ہے جس کی تلاش تھی۔ اور جس کے حوالے کی شان غیرت برق غضب بن کر ماسوا کو پہونک جاتی ہے۔

بنی آرہند و گھوش کی زندگی میں انقلاب پسند رہا نہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دنیا کی منگامہ آرائیوں میں جی بھر کر حصہ لیا عیش و تنعم کی بجائے بھی لڑیں۔ فانی دنیا کی فانی شہرت بھی حاصل کی۔ لیکن مادیات کی ظلمت میں جب شمع حقیقت کی روشنی ہوئی تو سب کچھ مجاز نظر آیا اور سینہ میں جذبہ شوق کی آگ بھڑکی اور علاقہ دنیاوی کی زنجیروں کو توڑ کر شاہد حقیقی کی تلاش میں مصروف ہو گئے غم و استقلال نے دستگیری کی اور بنگال کا یہ انقلاب پسند لیڈر اپنے مقاصد میں کامیاب ہو کر آج اس روحانی دنیا میں متمکن ہے جس کے باوجود حقیقی مسرتوں کے نور سے جگمگاتے ہیں جہاں نہ تو قومیت و وطنیت کی سنگین دیواریں ہیں نہ رنگ و نسل کے امتیازات بہر طوف اُسی کا جلوہ ہے جس کی تلاش تھی۔ اور جس کے حوالے کی شان غیرت برق غضب بن کر ماسوا کو پہونک جاتی ہے۔

بنی آرہند و گھوش کی زندگی میں انقلاب پسند رہا نہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دنیا کی منگامہ آرائیوں میں جی بھر کر حصہ لیا عیش و تنعم کی بجائے بھی لڑیں۔ فانی دنیا کی فانی شہرت بھی حاصل کی۔ لیکن مادیات کی ظلمت میں جب شمع حقیقت کی روشنی ہوئی تو سب کچھ مجاز نظر آیا اور سینہ میں جذبہ شوق کی آگ بھڑکی اور علاقہ دنیاوی کی زنجیروں کو توڑ کر شاہد حقیقی کی تلاش میں مصروف ہو گئے غم و استقلال نے دستگیری کی اور بنگال کا یہ انقلاب پسند لیڈر اپنے مقاصد میں کامیاب ہو کر آج اس روحانی دنیا میں متمکن ہے جس کے باوجود حقیقی مسرتوں کے نور سے جگمگاتے ہیں جہاں نہ تو قومیت و وطنیت کی سنگین دیواریں ہیں نہ رنگ و نسل کے امتیازات بہر طوف اُسی کا جلوہ ہے جس کی تلاش تھی۔ اور جس کے حوالے کی شان غیرت برق غضب بن کر ماسوا کو پہونک جاتی ہے۔

بہت ممکن تھا کہ مادرِ مشرق سے بیگانہ اور مغربی ماحول میں پرورش پایا ہوا آرہند و گھوش بنگال کے کسی ضلع میں مجسٹریٹ مقرر ہو کر آجاتا اور تاج و تہ گنمی کے س پروردہ ب روپوش ہو جاتا۔ جو اس سے پیشتر تھی۔ سی ایس کے ہزاروں افراد کو چھپا چکے۔ لیکن قید کو تو بچا اور ہی منظور تھا۔ مسٹر آرہند و گھوش گھوڑے کی سواری میں کم مہارت رکھنے کی وجہ سے نوٹری کے ناقابل قرار دئے گئے اور ان کو ہمارا جہ بڑودہ جوان دنوں انگلستان میں تھے اپنے ہمراہ ۱۸۹۷ء میں بڑودہ لے آئے مسٹر آرہند و گھوش پہلے تو کئی سال تک محکمہ مال و سرکاری میٹ

۱۷۱

دیکھ غائب ہو جاتا ہے اور انتظار کرتا ہے کہ ہم اس کے لئے تیار ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر خدا کی کچھ بھی قدر و قیمت ہو تو کیا وہ اس قابل نہیں ہے کہ ہم اس کے چھپے کچھ وقت گنوائیں اور محنت و تکلیف اٹھائیں۔ کیا یہ مناسب ہے کہ تربیت یابی و جاں نثاری یہ جفاکشی و مصائب انگیزی کے بغیر ہم اسے پائے پراصر کر کریں اس قسم کا مطالبہ یقیناً غیر معقول ہے یہ لایہ ہے کہ اس کی جستجو میں پردہ کے اندر جانا ہی ہوگا۔ کیونکہ تب ہی ہم ات باہر بھی دیکھ سکیں گے اور تب ذہن کو خدا کی ہستی کے متعلق قابل کرنے کا سوال ہی نہ ہوگا کیونکہ تجربہ کی روشنی اس قدر جلوہ گر ہو جائے گی کہ ذہن کو وجود الہی مجبوراً قبول کرنا پڑے گا۔ جیسے کہ کوئی شخص کسی چینی ہستی کا مفکر ہوا اور اس کو دو چار ہونے کے بعد ماننے پر مجبور ہو جائے مگر پانیہ مکمل کو پہنچنے کیلئے ذرائع مقررہ کا اختیار کرنا لازمی ہے اور منصوبہ میں واضح الغرض و صابر الہی رہنا ضروری

و واقعات اسی کوشش کی شرائط و قرائن ہیں۔ اس کام میں دکھ اور بدعبارت قدم پر واقع ہوتے ہیں ساو کس وقت کیا نوبت پیش آئے گی اس کا اندازہ غیر ممکن ہے پس دو ممکنات میں یا تو بدحوال اور یا مایہ دار دیویوں کی طرح اس جنجال سے دامن چھڑا کر نرواں میں چھو ہو جانا یا چونکہ ذات الہی بظاہر غیر ممکن الانکشاف ہے اس لئے رو بہ باطن ہونا اور اسے اپنے اندر پانا۔ جو اس راہ کے راہ رو ہو گئے ہیں اور جن کا شمار قلیل تعداد میں نہیں بلکہ صدیاں ادبنا رہا ہے وہ ہر زمانے میں خدا کی شہادت دیتے آئے ہیں اور یوگ بھی اسی شہادت کی بدولت وجود میں آیا ہے۔ معتض یہ غرض پیش کرتے ہیں کہ اس کا سراغ پلٹنے کے لئے ایک عصہ دراز کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کہ وہ اپنی مایا کے موٹے پردہ میں چھپا ہوا ہے۔ اور ہماری کار کا جواب فوراً یا ابتدائی مارج پر نہیں دیتا۔ پھر یہ کہ وہ ایک غیر یقینی اور مستعمل جھانکی

پیام میکہ

شرائط میں جہاں پکار رہی ہیں
شرائط میں جہاں پکار رہی ہیں
شرائط میں جہاں پکار رہی ہیں
شرائط میں جہاں پکار رہی ہیں

وہاں جہاں جہاں جہاں
وہاں جہاں جہاں جہاں
وہاں جہاں جہاں جہاں
وہاں جہاں جہاں جہاں

وہاں جہاں جہاں جہاں
وہاں جہاں جہاں جہاں
وہاں جہاں جہاں جہاں
وہاں جہاں جہاں جہاں

وہاں جہاں جہاں جہاں
وہاں جہاں جہاں جہاں
وہاں جہاں جہاں جہاں
وہاں جہاں جہاں جہاں

سنگ نظامی

"بہ مشرق"

عشق و جنون کی باتیں

از نواب جعفر علی خان صنا اثر بی بی ظلّہ العالی

کھوئے ہوئے سے رہنا دن کو روتے پھر راتوں کو
وہ جو نہ آئے بادل چھائے، گرجے، برسے کھل بھی گئے
جو میں عاقل و وہ کیا سمجھیں عشق و جنون کی باتوں کو
اسکے سوا ہم کب کے مارے کیا جانیں برساتوں کو
بات یہ اور عشق کے ہاتھوں خون دل عاشق ہو جائے
کام نہیں کچھ خوں زہری سے تیرے جنائی باتوں کو
شرم و حیا ہے، ناز و ادا ہے، عشوہ کثر، شوخی بھی
کیا تمہیں لینے جانا کہیں، دل لینے کی گھاتوں کو
کیا کیا ہم پر لطف و کرم ہے، کیسی کیسی مہر و وفا
تلخ اگر سن سکتے نہیں تو کیوں چھپے وان باتوں کو

ہو نہ ہو سب ہے اپنی بیٹی لاکھ کروانکا اثر
نمیں آنکھوں کی اڑاتے ہو کہہ کہہ کہہ فسانہ راتوں کو

جیل سے پیدل چلا ہر لال نہرو کے خطوط

اپنی پیاری بیٹی اندرا کے نام
از محمد یونس سلیم (مہو نوی)
جامعہ عثمانیہ (حیدر آباد دکن)

(۱)

نئی سینہ اتھیں۔ یو پی
۲۶ اکتوبر ۱۹۳۵ء

بیاری اندرا

مہ اپنی سالگرہ کے دن متعدد تحفے اور دعا میں ہانے کی عادی ہو دیا میں تم کو اب بھی کافی تعداد میں ملیں گی لیکن میں جہان ہوں کہ زندان نبی سے تمہیں تحفے س قسم کے بھیجوں؟ میرے مخالف مادی شکل و صورت کے تو ہو نہیں سکے البتہ وہ جبرت ہوں گے دماغی اور دماغی دونوں سے جن کو قبر خانہ کی اونچی دیواریں بھی نہیں روک سکتیں۔

جان بدر! تم جانتی ہو کہ میں وظف و تلقین کو کس قدر ناپسند کرتا ہوں تاہم جو کچھ میں لکھا ہوں اس کو سنو خط کے ذریعہ منسلک ہی سے گفتگو کی غرض دعا میں بوری ہو سکتی ہے کیونکہ بہنو زیادہ سے زیادہ یک طرفہ معاملہ نہ پس اگر میں کوئی ایسی بات لکھ جاؤں جو نصیحت کے طعنے ملتی ہو تو اس سے بد دل نہ ہونا تم سمجھ لو کہ میں نے تمہارے خور و ندرت پر کس لے ایک تجویز پیش کی ہے گو یا کہ ہم سچ مچ باتیں کر رہے ہیں۔

۱۹۱۷ء۔ جس سال تم پر یہ ابھری تھیں تاریخ کا ایک مہم با نشان سال تھا جبکہ ایک عظیم الشان قائد نے جس کا دل مفلس اور مصیبت زدہ مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور محبت کے جذبات سے لبریز تھا تاریخ عالم میں ایک ایسے زریں باب کا اضافہ کیا جس کو دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی اسی ماہ میں جس میں تم پیدا ہوئیں لندن (London) نے اپنی بدست انقلابی تحریک کی داغ بیل ڈالی جس نے روس اور سائبیریا کی بساط اٹھ دی اور آج ہندوستان میں بھی دوستانہ بدست رہنے جس کے دل میں مخلوک کمال افرو اور ان کے ہمدردوں کیلئے محبت کی لہر موج زن ہیں ہمارے ہم وطنوں کو اعلیٰ فرما بانی اور عظیم الشان مہم کے لئے ابھارا ہے تاکہ وہ ایک دفعہ پھر آزاد ہو جائیں اور غصب ظلم و رعایا اپنے کاندھے سے غلامی کا جوا اتار کر چھینک دے۔ باپو جی رہنما مانگا ندھی، اگرچہ قید میں ہیں لیکن ان کے پیغام کی سازندہ قوت ہندوستان کے کروڑوں انسانوں کے قلوب میں جگہ پیدا کر رہی ہے اور عورتیں مرد بچے تمام لے تمام اپنے گھر بار کو چھوڑ کر بھارت کی جنگ آزادی کے لئے سپاہی بن جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ہم اپنی حیثیت کو اس زبردست تحریک میں کس طرح قائم رکھیں گے اور ہم کس قسم کی خدمت انجام دیں گے؟ میں نہیں کہہ سکتا کہ کن فرائض کی انجام دہی ہمارے سپرد

کی جائے گی۔ بہر حال نوعیت کا کچھ بھی ہو، ہم کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہم کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھیں جو ہمارے مقصد کے منافی اور اپنے وطن کے لئے ذلت و تحقیر کا باعث ہو، نہ دنیا کا دھارما طبع نظر ہونا چاہئے اور نہ وقار! ایک مقدس ایقان کا مادہ ہے صحیحہ اور غلط کا فیصلہ کرنا آسان بات نہیں! میں تم کو ایک معمولی سا گڑ بتاتا ہوں جس کو تم شک و ارباب کی حالت میں استعمال کر سکو کسی کام کو غفیلہ طور پر نہ کرو اور نہ کبھی اس کے چھپانے کی کوشش کرو کسی بات کو چھپانے کے معنی ہیں کہ تم اس سے ڈرتی ہو اور ڈرنا بردلی ہے جو کسی طرہ ہمارے شایان شان نہیں! تم خوب جانتی ہو کہ ہمارا کام کا مذہبی کی قیادت میں جو عظیم الشان شہر مابہ آزادی ملک میں جاری و ساری ہے اس میں انخفا اور رازداری کی مطلق گنجائش نہیں ہم جو کچھ کرتے ہیں کچھ خزانہ کرتے ہیں اور پیاری! اگر تم اس پر عمل پیرا رہیں تو تم بہر حال میں ایک ہونہار نڈر سلیم الطبع اور مستقل مزاج لڑکی ثابت ہوگی۔

مجھے تم سے بہت کچھ کہنا تھا۔ لیکن ایک خط اس کا تحمل کیسے ہو سکتا ہے؟ ہم کہہ دیتا ہوں کہ تم خوش قسمت ہو کیونکہ ہندوستان کی اس جنگ آزادی کو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہو۔ یہی منہم بچی خدا ن فطرت میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تم کو ہندوستان کا فخر بنائے کے لئے ایک جری سپاہی بنائے۔ بہت بہت دعاؤں پیار۔

اپنا بہنو

(۲)

کلم جنوری ۱۹۳۱ء

میری پیاری اندرا

میں مادہ کا کہ دو سال قبل جبکہ تم سورسی میں نہیں نوس نے اد ابہ سے تم کو ایک خط لکھا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی اگر میں سلسلہ خط و کتابت منقطع کر کے تم کو اپنے ماحول سے لبر رکھتا لیکن مراسلت کے من میں مجھے ہمیشہ تامل سے کام لینا پڑا۔ نہ کی گزشتہ تاریخ پر نور و خوض کرنا ایک دلچسپ مشغلہ ہے تاریخ کا مطالعہ بڑی اچھی چیز ہے مگر تاریخ بنانے میں مدد و بنامطاعت سے کہیں زیادہ دلچسپ و دل فریب ہے ہندوستان کا ماضی ایک داستان پارینہ ہے جس کو قدامت اور امتداد کے کہہ دے چھپا لیا ہے ہمارے ملک کی تاریخ کا دامن ایسے غیر خوشگوار اور افسردہ ادوار سے لبر نہیں ہے جن کے تصور سے ہمیں شرم آتی ہے اور دکھ ہوتا ہے لیکن مجموعی حیثیت سے یہ ایک ایسا شاندار ماضی ہے جس پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں لیکن اب اتنا ووت نہیں کہ ہم تمام گزشتہ واقعات کے متعلق کچھ سوچ سکیں۔

نہی جیل میں مجھے حسبِ نحوہ لکھنے پڑھنے کے لئے کافی فرصت ہے لیکن جب میں تصور کرتا ہوں کہ وہ عظیم الشان جد و جہد جو جیل کی چار دیواری سے باہر جاری ہے اس میں لوگ کس طرح حصہ لے رہے ہیں اور میں اگر ان کے ساتھ ہوتا تو کیا کرتا تو میرے ذہن پر ایک انتشاری کیفیت ستولی ہو جاتی ہے۔ حال و مستقبل نے میرے دل و دماغ کو اتنا متاثر کیا ہے کہ میرے پاس ماضی کے متعلق غور و غوض کرنے کے لئے وقت نہیں ہے لیکن اصل سبب کیا ہیں ہمیں بتا دوں کہ میں نے اس سلسلہ خط و کتابت کو کیوں بند کر دیا؟ مجھے اب شک ہو چلا ہے کہ آیا میری مخلوق تمہیں تعلیم دینے کے لئے کافی بھی ہیں؟

میں نہیں جانتا کہ میرے خطوط تمہارے لئے دلچسپی کا باعث ہوں گے اور تم ان کو پڑھنا پسند بھی کرو گی یا نہیں؟ تعجب ہے کہ ہم لوگ اس قدر نزدیک ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے اس قدر دور ہیں ہم دونوں دو۔ یا بے جہان کے دونوں کناروں پر ہیں اگرچہ ایک دوسرے سے زیادہ فاصلہ پر نہیں۔ تاہم جیل کی بلند چار دیواری نے بری طرح ہم دونوں کو جدا کر رکھا ہے دو ہفتہ میں ایک بار میں خط لکھ سکتا ہوں اور دو ہفتوں میں ایک بار میرے پاس آ سکتا ہے اور دو ہفتوں میں ایک بار میں منٹ کے لئے میں لوگوں سے ملاقات کر سکتا ہوں۔ تاہم یہ پابندیاں خوب ہیں۔ اگر کوئی چیز ہلکو آسانی اور فراوانی سے دستیاب ہو سکتی ہے تو ہم اس کی بالکل قدر نہیں کرتے جس فقیر نے لگا ہوں کہ فید کا زمانہ انسان کی تعلیم کا نہایت خوشگوار حصہ ہے۔ اور آج ہمارے ملک کے لاکھوں آدمی یسبقت حاصل کر رہے ہیں۔

میں یوں بھی اکثر اوقات تمہیں بہت یاد کیا کرتا ہوں۔ مگر آج تو تم مشکل ہی سے میرے تصور سے جدا ہوئی ہو، آج سے نئے سال کا آغاز ہے میں بہت سویرے بستر پر لیٹا ستاروں کو خورستہ دیکھ رہا تھا کہ مجھے اس اہم سوال کا خیال آیا جو اپنی تمام اُمیدوں اور سرسوں کے ساتھ ختم ہو گیا اور میں نے باوجود گاندھی جی کا خیال کیا جنہوں نے یہ روایت جیل میں بیٹھ کر علمی طور پر جانے پڑھنے ملک کی رگڑ پے میں جوانی کا پر جوش خون دوڑا دیا ہے اور میں نے داؤد پنڈت موتی لال نہرو۔ اندرا کے دادا کا خیال کیا اور ان کے علاوہ اور بہت سے لوگوں کا بھی۔ خاص طور پر مامی اور تم کو بہت یاد کیا۔ دن نکلے جب ملی کی نامی گرفتار کر کے جیل بھیج دی گئیں۔ یہ سال نو کا نہایت خوشگوار تحفہ تھا اس کی توجہ سے توقع کی جا رہی تھی اور مجھے یقین ہے کہ مامی بھی صدر جیل میں اور خوش و خرم ہوں گی۔

البتہ تم ضرور اکیلے ہو گئیں۔ پندرہ دن میں ایک مرتبہ مامی کو دیکھ سکو گی اور پندرہ دن میں ایک مرتبہ مجھ کو اور چارے پیمانے ایک دوسرے کے پاس لیجاؤ گی لیکن میں قلم اور کاغذ لیکر بیٹھ جاؤں گا۔ اور تمہارا تصور کروں گا۔ تم آہستہ سے میرے پاس آ جاؤ گی تو یہ ہم بہت کچھ باتیں کریں گے اور ہم ماضی کا خواب دیکھیں گے اور مستقبل کو ماضی سے بھی زیادہ شاندار بنانے کے لئے تدارک سوچیں گے۔

(تمہارا جاں نثار باپو)

(۳)

۱۵ جنوری ۱۹۳۱ء

پیارے میں تم کو کیا لکھوں اور کہاں سے ابتدا کروں۔ جب میں ماضی کا خیال کرتا ہوں تو میرے دماغ میں متعدد تصویروں پھر جاتی ہیں۔ نادانستہ طور پر جو واقعات آج کل رونما ہو رہے ہیں ان کا مقابلہ میں گزشتہ واقعات سے کرتا ہوں اور اپنی رہبری کے لئے ان سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن انسان کا دماغ بھی کسی قدر غلط ملط ہے جو غیر سلسل خیالات

ایشیا میڈیٹ

مشترک نمبر

اور نامرتب نقوش سے لبریز ہے جیسے کسی ہر آمدہ میں متعدد اقسام کی تصویریں غبر مرثب اور بلا امتیاز ادھر ادھر پڑی ہوں

تاریخ کے مطالعہ سے ہم کو سیکھنا چاہئے کہ دنیا نے کس قدر تدریجی لیکن یقینی ترقی کر لی ہے۔ زمانہ جاہلیت سے زمانہ شائستگی تک انسان کی ترقی تاریخ کا ایک اہم سبب خیال کیا جاتا ہے میں نے اپنے بعض خطوط میں ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ اتحاد عمل یعنی مل کر کام کرنے کا خیال کس طرح ترقی کر گیا ہے اور کس طرح ہمارا مطمح نظر متحد ہو کر مفاد عامہ کیلئے متحدہ کوشش ہونا چاہئے لیکن جب ہم تاریخ کی دست پر نظر ڈالتے ہیں تو صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ اس مطمح نظر نے کچھ زیادہ ترقی کی ہے یا ہم بہت زیادہ متذبذب اور ترقی یافتہ ہیں۔ لاکھوں سال کی ترقی کے بعد بھی ہم لوگ بہت پیچھے اور نامکمل ہیں۔ خدا جانے کہ ہم لوگوں کو تربیت یافتہ اور ہوشیار لوگوں کی طرح زندگی بسر کرنے کے لئے کتنا عرصہ درکار ہو گا؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ زمانہ ماضی میں ہمارا ملک تہذیب و تمدن میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا اور ہر حالت میں ہمارے حال () سے بہتر تھا۔

ہماری قدیم سنسکرت ادب کی کسی کتاب میں ایک شعر ہے جس کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے کہ خاندان کے لئے اذکار کو قربان ہونا چاہئے، جماعت کے لئے خاندان کو ملک کے لئے جماعت کو اور روحانیت کے لئے تمام دنیا کو۔ روحانیت کیا چیز ہے؟ ہم میں سے بہت کم لوگ اس کو سمجھتے اور بیان کر سکتے ہیں اور ہر شخص اس کی ایک جداگانہ طور پر تفسیر کر سکتا ہے لیکن جو سبق کی سنسکرت کی کتاب سکھاتی ہے وہی اتحاد عمل اور وسعت انتشار کا سبق ہے ہندوستان میں ہم لوگوں نے اس تفسیری بزرگی کی شاہراہ کو ایک سخت خاموش کر رکھا ہے لیکن اب پھر اس کی جھلک پیدا ہو رہی ہے اور سارا ملک بیدار ہو چلا ہے مرد و عورتوں اور لڑکوں کا یہ نظارہ کس قدر تعجب خیز ہے کہ سب سب ہنستے ہوئے اپنے تن من سے بے فکر ہندوستانی مفاد کی خاطر اپنے اہم و آسائش کو بالائے طاق رکھ کر ایک آزادی میں شرکت کے لئے جوق جوق روانہ ہو رہے ہیں ہاں یہ لوگ مطمئن اور شاد و خرم ہو سکتے ہیں کہ ان کے لئے ایک بڑے مفاد کی خدمت کر رہے ہیں اور وہ لوگ جو خوش قسمت ہیں ان کو ان کا فکرت بھی مہل ہے آج ہم ہندوستان کو آزاد کرانے کی کوشش کر رہے ہیں یہ ایک اہم شہر ہے لیکن اس سے زیادہ اہم خود انسانیت کا مفاد ہے اور جو ہم میں سے ہیں ان کے لئے ہمارا جد و جہد اس عظیم الشان جد و جہد کا ایک حصہ ہے جو انسانی نوعیت کی حسبتوں کو ختم کر کے ہم فخر کر سکتے ہیں کہ ہم ماحقہ دنیا کو ترقی کرنے میں مدد دے رہے ہیں۔

اس وقت تو نہ تو تم آئندہ یوں ہیں جو ماضی کا خیال میں اور میں بہانہ ندان مینی میں ہوں۔ اور تم ایک دوسرے سے بری طبع پیدا ہو گئے ہیں ایک اس دن کا مال کر و حید ہم لوگ پھر ایک دوسرے سے ملنے کے ہیں اس دفعہ میں مل جائے ماضی میں بندوں کا اور اس سے مجھے اطمینان اور قلبی سکون حاصل ہو گا۔ دُعا و بار

(تمہارا باپو)

(۴)

۱۶ جنوری ۱۹۳۱ء

نور نظر۔ ہم لوگ بچہ کریم۔ دل کو غیہ غم کی طمانت حاصل ہوتی ہے بلکہ غم و اوجھل موم۔ ہر مہم مجھے بہت زیادہ دباؤ ہے۔ آج جس وقت میں تمہیں خط لکھتا ہوں۔ بیٹھا دوڑتے ہوئے دل کی احساس ہے۔ کان میں آہیں جلتی ہیں چھوٹے۔

ستمبر والنو پتہ

ایشیا نقشہ پر ایک ہیبت ناک دیو کی طرح چھایا ہوا ہے اور یورپ بالکل ذرا سا ہے لیکن دراصل اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایشیا جسامت میں بڑا ہونے کی وجہ سے فضیلت رکھتا ہے اور یورپ آیا وہ توجہ کا مستحق نہیں ہے جسامت کسی انسان یا ملک کی بڑائی کی سب سے زیادہ غیر یقینی جانچ ہے۔ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ یورپ باوجودیکہ براعظموں میں سب سے چھوٹا ہے، آج ایک بلند مرتبہ رکھتا ہے، ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کے اکثر ممالک خاص طور پر ممتاز ہیں۔ انہوں نے بہت بڑے بڑے سائنسدان پیدا کئے ہیں جنہوں نے اپنی ایجادات و اختراعات سے انسانی تمدن کو ترقی کے کرموڑوں اور چروٹوں کو زندگی بسر کرنے کے لئے بہت سی آسانیاں فراہم کر دی ہیں۔ وہاں بہت سے ادیب، حکیم، معتمد، موسیقی دان اور عملی لوگ پیدا ہوئے ہیں۔ اگر یورپ کی بزرگی کا اعتراف نہ کیا جائے۔ تو حماقت ہے۔ لیکن ایشیا کی بڑائی کو فراموش کر دینا بھی ویسی ہی حماقت ہے ہم کسی قدر یورپ کی چمک دمک میں محو ہونے کے عادی ہو گئے ہیں۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ایشیا ہی ہے جس نے بڑے بڑے روحانی رہنما پیدا کئے اور انہوں نے جس قدر دنیا کو متاثر کیا ہے۔ شاید ہی کسی اور نے کیا ہو۔ یہ خاص خاص مذاہب کے بانی تھے ہندو مذہب جو حال کے بڑے بڑے مذہبوں میں سب سے زیادہ قدیم ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کی پیدوار ہے۔ اسی طرح بدھ مت ہے جو آج کل جاپان، چین، برما، تبت اور سیلون میں پھیلا ہوا ہے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے مذاہب بھی ایشیائی ہیں، پارسیوں کا مذہب ایران میں شروع ہوا اور تم جانتی ہو کہ مذہب اسلام کے بانی محمد عرب کے ایک شہر مکہ میں پیدا ہوئے تھے۔ کرشن، مہاتما بدھ، زردشت، مسیح، محمد، غرض ایشیا کے فلسفیوں کی فہرست سے تم صفحہ کے صفحہ رنگ سکتی ہو۔ یہی نہیں بلکہ ایشیا کے بڑے بڑے علمی رہنماوں کے ذکر سے بھی تم متعدد صفحے بھر سکتی ہو۔ اور

اور اب تو انقلاب کا پیہہ کھوم چکا ہے اور ہم نے اس وقت اس کو ایسا دھککا دے دیا ہے کہ اس کو اب دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ انقلاب زندہ پاؤں!

(تمہارا عاشق باپ)

میں دیگر متعدد طریقوں سے تم کو یہ بات دکھا سکتا ہوں کہ گزشتہ زمانہ میں یہ قدیم ہر عظیم کیسی عظیم الشان حیثیت رکھتا تھا۔
زمانہ کس قدر تبدیل ہو گیا ہے؟ لیکن یہ پھر ہماری دیکھتے ہی دیکھتے تبدیل ہو رہا ہے۔
آج ایشیا اپنے لول طویل خواب کے بعد بیدار ہو رہا ہے۔ تمام دنیا کی نظریں اسی پر لگی ہیں۔ کیونکہ ہر ایک جانتا ہے کہ مستقبل میں ایشیا ایک اہم حیثیت اختیار کرنے والا ہے۔ — پیار

(تمہارا باپ)

(۶)

۱۰ جنوری ۱۹۳۱ء

پیارے اندو

آج تم میں سے کوئی شخص مجھ سے ملنے نہ آیا اور دن یوں ہی خالی گیا۔ مجھے بڑی مایوسی ہوئی، سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز تم لوگوں کے نہ آنے کا عذر تھا جس سے مجھے مطلع کیا گیا۔ مجھے بتایا گیا کہ دادو کی طبیعت ناساز ہے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہ معلوم ہو سکا جب مجھے معلوم ہوا کہ آج ملاقات نہ ہو سکے گی تو میں نے چرخہ کچھ سوت کاتا سوت کاتے اور بے سے مجھے بڑی نسکین ہوتی ہے پس آشفتنہ حالی کا بہترین علاج چر نہ ہے۔

(تمہارا چاہنے والا باپ)

(۷)

۱۳ جنوری ۱۹۳۱ء

میری نور نظر بیٹی

کل تم سب سے مل کر مجھے سہت ہوئی۔ لیکن دادو کو دیکھ کر میرے دل کو شدید صدمہ پہنچا۔ وہ بہت ہی معطل اور طلیل نظر آتے تھے۔ ان کی اچھی طرح دیکھ جال کرو اور ان کو پھر صبح و قوتانا بنا دو جس تم سے کل بہت ہی کم بات چیت کر سکا۔ واقعہ بھی یہ ہے کہ اس قدر مختصر ملاقات میں کوئی آثر کیا گیا ہو سکتا ہے؟ میں ان خطوط کے ذریعہ تمام ملاقاتوں اور کھیلوں کی تلافی کی کوشش کرنا چاہتا ہوں لیکن یہ سب مکتوبات ان کا صحیح بدل نہیں ہو سکتے اور جیلہ سازی زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکتی۔ تاہم بعض اوقات جیلہ سازی میں بڑا لطف آتا ہے۔

عاشق باپ

(۸)

۲۳ جنوری ۱۹۳۱ء

پیارے اندو

تمہارا راحت نامہ موصول ہوا اور یہ معلوم کر کے سہت ہوئی کہ مانی اور ہم دونوں صحت یاب ہو رہی ہو، لیکن میری مناسبت ہے کہ دادو کو بھی بخار اور دوسری تکالیف سے نجات مل جائے۔

تمہاری تحریروں سے معلوم ہوا کہ تم گھر کی لائبریری کی بہت سی کتابوں کا مطالعہ کر چکی ہو اور اب چاہتی ہو کہ میں تمہارے لئے مزید کتابیں تجویز کروں۔ لیکن تم نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ اب تک کب پڑھا۔ مطالعہ ایک اچھی عادت ہے لیکن ان لوگوں سے جو نہایت تیزی کے ساتھ کتابیں پڑھ جاتے ہیں میں بدگمان ہوں۔ اگر کوئی کتاب واقعی قابل مطالعہ ہے تو وہ غور و فکر

سے پڑھی جانے کے لائق ہے، بہر حال مطالعہ کا شغل بدستور جاری رکھو میں تم کو اپنی جیل سے حسی اوست امداد دیتا رہوں گا جس رفتار کے ساتھ تم ذہنی اور جسمانی ترقی کر رہی ہو اس پر میں اکثر غور کیا کرتا ہوں۔ سوچو کہ مجھے تمہارے ساتھ رہنا کتنا محبوب ہو گا۔

آج بہت سچھی ہے یعنی بہار آگئی، جاٹے کا موسم ختم ہو چلا اور ہوا کی وہ غیر خوشگوار خشکی اور تیزی جاتی رہی خوشنما پرندوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے جن کے شیریں نغموں نے فضا کو پر کیف بنا دیا ہے آج سے ٹھیک ہندو س قبل دہلی میں تھری مامی اور میں ایک دوسرے کے شریک زندگی بنے تھے۔

(تمہارا عاشق باپ)

(۹)

۲۴ اپریل ۱۹۳۱ء

پیارے اندو

مجھے خط لکھے ہوئے بہت عرصہ ہو گیا۔ تقریباً تین ماہ گزر گئے۔ رنج و غم مصیبت اور پریشانی کے تین ماہ ہندوستان میں تغیر کے تین ماہ اور ہمارے تمام دائرہ خاندان میں انقلاب نین ماہ ہندوستان کے کچھ دنوں کے لئے ستیہ گرہ کو موقوف کر دیا ہے لیکن جو مسائل ہمارے سامنے درپیش ہیں ان کا حل کرنا آسان نہیں ہلکے خاندان نے اپنے عزیزین سر بہت کو کھو دیا ہے جس سے ہمیں بہت اور تقویت حاصل ہوئی تھی۔ اور جس کے سایہ میں ہم بے بڑھے اور بھارت مانا کے لئے کھڑے رہ سکتے تھے۔

نئی جیل کا وہ دن مجھے بالکل اسی طرح یاد ہے جنوری کی ۲۴ تاریخ تھی، میں حسب معمول تمہیں لکھنے کے لئے بیٹھ گیا یہ ہمارے واسطے ایک اہم دن تھا کہ ایک سال قبل اسی دن ہم لوگوں نے تمام ہندوستان میں کیا شہر اور کیا دیہات "یوم آزادی" منایا تھا اور ہم میں لاکھوں نے "عہد نامہ آزادی" پر دستخط کیے تھے۔

اس وقت سے چونکہ ایک سال گزر چکا تھا مصائب تکالیف اور جدوجہد کا ایک سال اور ہندوستان پھر اسی دن کی یادگار بنانا تھا۔ باقی میں نئی جیل کے بارک میں بیٹھا تھا۔ اور ان جلسوں جلسوں لٹھ بازوں اور گرفتاروں کا منظر جو اس دن تمام ملک میں ۸۳

پیش آنے والے تھے میری نظروں میں گھوم رہا تھا، میں نہایت فخر مسرت اور درد کے ساتھ اس خیال میں محو تھا کہ اچانک میری تحویت ٹوٹ گئی۔ ہر دوئی دنیا سے ہر۔ باپ پیغام لایا گیا کہ دادو سخت طلیل ہیں اور میں ان کے پاس جانے کے لئے فوراً بار دیا جاؤں گا۔

قبل اس کے کہ دادو ہم لوگوں سے چشمہ کے لئے ہدایوں میں دس دن تک ان کے ساتھ رہا۔ دس دن اور دس راتوں کو ہم نے ان کی کرب و بے حسینی اور ذلت موت کے ساتھ دلیرانہ جنگ کا شاہدہ بنا۔ زندگی میں بہت سی لڑائیاں انہوں نے لڑیں اور بہت سی لڑائیوں میں انہوں نے فتح حاصل کی۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ انہوں نے کس طرح غائب آہیں یا کم از کم کس طرح اس کا مقابلہ کریں۔

میں جس وقت ان کی اس آخری جدوجہد کو دیکھ رہا تھا اس لمحہ ہی انہوں نے قابلیت پر سخت پٹی دتا تھا کہ اپنی عزیز ترین سہیلی کی امداد میں ایسے وقت کچھ نہیں رہ سکتا تھے وہ چند سطری یاد آگئیں جو میں نے عرصہ ہوا ڈاکٹر امین پور کے ایک انسان میں پڑھی تھیں "انسان آہ آپ کو آخری وقت تک ذہنوں کے سپرد نہیں

کی تمام شاہراہیں نزدیک و دور ایک ہی منزل پر ختم ہوتی ہیں۔ تمام سفروں کی ایک ہی منزل مقصود ہے اور وہ جلیخانہ ہے! پس میں پھر اپنی قدیم رفیق چار دیواری میں واپس آ گیا ہوں اور میرے پاس غور و خوض کرنے اور تمہیں لکھنے کے لئے کافی وقت ہے۔ لڑائی پھر شروع ہو گئی ہے۔ اور ہمارے بھائی جنگ آزادی میں شریک ہو رہے ہیں۔ تاکہ ملک کو افلاس و نکبت کے پنجے سے چھڑالیں۔ لیکن آزادی ایک ایسی دیوی ہے جس کا حاصل کرنا دشوار ہے وہ قدیم دستور کے مطابق اپنے خواہشمندوں سے شرابیوں چاہتی ہے۔

میں آج تین مہینہ پورے کر رہا ہوں۔ تین ماہ قبل اسی دن (۲۶ دسمبر کو) میں چٹی بارگرفٹار کیا گیا تھا میں نے ان خطوں کے سلسلے میں تمہارا بہت وقت لے لیا۔ مجھے جیل میں کیسویں حال کرنے اور بیرونی واقعات کی فکروں کو فراموش کرتے تھوڑا وقت لگ جاتا ہے۔ اب میں تمہیں پابندی سے لکھنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن اب میں دوسری جیل میں ہوں اور یہ تبدیلی میرے مزاج کے ناموافق ہے جس سے میرے کام میں تھوڑا سا حرج ہوتا ہے۔ یہاں میرا دائرہ افق (مہیشہ سے بلند ہے۔ یہ دیواریں جو میرے سامنے ہیں ان کا تعلق کم از کم گرمی کی حد تک دیوار چین سے ضرور ہے یہ بلندی تقریباً ۲۵ فٹ ہے اور سورج کو ہر صبح ہمارے پاس آنے سے قبل ڈیڑھ گھنٹہ اس پڑھائی کو طے کرنے میں صرف کرنا پڑتا ہے۔

ہمارا دائرہ افق کچھ دیر کے لئے محدود ہو سکتا ہے۔ مگر نیلے سمندر پہاڑ اور ریگستانوں کا تصور جو ہم نے تم نے اور مامی نے دس ماہ قبل سفر سیلون (جواب شکل سے اصلیت پر مبنی معلوم ہوتا ہے) کے سلسلے میں طے کئے تھے۔ بہت زیادہ خوشگوار ہوتا ہے۔

(تمہارا عاشق بابو)

”یشیا (امریکہ)“

کرنا چاہتا لیکن وہ اپنی ناتوانی اور کمزوری سے مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ ۲۶ فروری کا واقعہ ہے کہ علی الصباح انہوں نے ہم لوگوں کو ہمیشہ کے لئے چھوڑا ہم ان کی لاش کو قومی جھنڈے میں جوان کو بہت عزیز تھا پلیٹ کر لکھنؤ سے آئندہ بھون لائے۔ چند گھنٹے بعد ان کا جسم مٹی بھر خاک میں تبدیل ہو گیا تھا اور گنگا اس نیا بوجھ کو اپنے کاندھوں پر اٹھا کر سمندر تک لے گئی۔

کردوں آدمیوں نے ان کا ماتم کیا۔ لیکن ہمیں کیا جو کہ ان کے بچے ہیں ان کے گوشت کا گوشت اور ان کی ہڈی کی ہڈی ہیں! ہم ان کا غم مناتے ہیں اور قدم قدم پر ان کا ماتم کرتے ہیں۔ اور جوں جوں دن گزرتے ہیں ان کا رنج نہیں گھٹتا اور ان کی ہڈائی قابل برداشت نہیں ہوتی۔ لیکن پھر بھی یہ خیال کرتا ہوں کہ ان کی روح ہوا اس حالت میں دیکھنے کی توقع نہیں رکھتی۔ وہ نہیں پسند کرتی کہ ہم ان کا ماتم کریں بلکہ ہم سے وہ چاہتی ہے کہ مصیبتوں کا مقابلہ کریں۔ جیسے کہ انہوں نے کیا اور ان پر فتح پائیں۔ ان کی مرضی یہ تھی کہ جس کام کو انہوں نے مکمل چھوڑا ہے ہم لوگ اس کو جاری رکھیں۔

ہم چین سے بچ کر سوگ کیسے مناسکتے ہیں۔ جبکہ کام بھوکو بلارہا ہے اور ہندستان کا غلو ہماری خدمات کو طلب کر رہا ہے۔ اسی مفاد کی خاطر مرحوم نے جان دی اسی مفاد کی خاطر ہم لوگ زندہ رہیں گے مہر و جہد کریں گے اور اگر ضرورت ہوئی تو جان بھی دیں گے

(تمہارا عاشق بابو)

(۱۰)

بریلی ڈسٹرکٹ جیل

۲۶ مارچ ۱۹۳۷ء

میری پیاری اندو

چودہ مہینہ ہوئے کہ میں نے تم کو نئی جیل سے خط لکھا تھا۔ لیکن ان دنوں ہندستان

گل ہائے جعفری

۱۸۴

یہ کہ اخلاقیات نہیں پڑھیں گی تو لکھا ہے
دب دہکے کو افکار کی طغیانی دہکے

کیا پھول فیر ہے معاصی نے پتے
بھٹا کچلا اسی وقت دہکے

نواب

جعفر علی خاں آٹربی لکھنؤ

وہ عیش و عشرت کو شہ گزرا
وہ دورِ سرور و بادہ نوشی گزرا
ہنگامِ خلوص و گمراہی گزرا
جب میں خیال حق فرشتی گزرا

بے تاج کا بادشاہ

اے جواہر! اے بہارِ گلستانِ آریہ
اے کہ تو ہے وہ ہر حبیب و گریبانِ وطن
بازوئے آرجن کی شکستِ جہیم کی طاقت ہے تو
سائگی کی طرح تو ہے مردِ میدانِ وفا
سینہ ہندی میں پھر تجدید ساز و سوز ہے
جس طرح سہدیو نے پشتِ پیک بجا یا تھا کبھی
تو بھی ہے ہندوستان میں نعمہ خوانِ حریت
بح و بر لرزے میں ہیں کون کون کے لرزے ہیں
تیرے نعے گرم کرتے ہیں محبت کا لہو
شاہکارِ صنعتِ بختانہ آذر ہے تو
جس کے دم سے ہے بہارِ وطنِ شبابِ نگر بو
تیرے ہاتھوں میں فی دینِ جواہرِ حق کی کماں
پھر بدھو سودھن سا ہادی ہو ہدایت کیلئے
اے سراسر جوشِ آزادی مجسمِ انقلاب
سانس لیتا ہے ترے پیکر میں طوفانِ کاشاب
بے حقیقت ہے تری دنیا میں غم کا ماجرا
قید و بند ظاہری ہے تیری فطرتِ تیرہی خو
اُسی نہ میرے تصور میں ہے مستقبلِ ترا
کیفِ موسم سے فضا کے گلستاں ہو جوں پہ
تیری ہستی اک نئے احساس کی تمہید ہے

ہے ترے پیکر میں کیا ریح و رونا چاریہ
نور سے تیرے منور ہے شہستانِ وطن
ابھینیو کے دل خود دار کی غیرت ہے تو
تو نے رکھ لی ابھینیو کی طرح شانِ وفا
سوموت کیا تیرے پیکر میں حیاتِ افروز ہے
جس طرح آرجن و غامیں گڑ گڑایا تھا کبھی
زندہ باداے شانِ آزادی و جانِ حریت
تیرے نغموں دلوں کے آسمان لرزے میں ہیں
روپ میں انساں کے گوپال کی بنی ہے تو
جذبہ ایشا و قربانی کا اک پیکر ہے تو
ہند میں و دغندلیب باغِ آزادی ہے تو
زندہ ہو جانے مہا بھارت کی خونیں داستان
پھر زمانہ ہو کمربتہ شہادت کے لئے
زندگی تیری ہے اک سنگیں بناوت کا شباب
اندھیوں کی نوجوانی نزلزلوں کا پیچ و تاب
موت ہے موجِ تہمت، زندگی اک قہقہہ
خود اسیری جس کی مجنوں ہے وہ زندانی ہے تو
لے اڑے کا تجھ کو آخر جذبہ کامل ترا
جذبہ آزادی ہندوستان ہو جوں پہ ہے
یاس کے عالم میں تو اک مرکزِ امید ہے

جس قدر قطرے ہیں قطروں کو پھر دیریا کرے
اک میخانے میں پھر باحولِ نوپدا کرے

ساعتِ نظامی

پریم کی حبیث

(مضوہ دروید فرید جعفری پہلی شہری مدیر لیسے "ذویرنگ خیال" کے قلمی)

اُردو ادب نے پندرہ سو سال پہلے ہی دن ہوئے ابھی چھوٹی سب سے دیکھا پھر اس کلی نے ایک صبح شگفت کی آغوش میں خوشبو دار نور کی زندگی پائی سب سے محسوس کیا تمام دُغ اور اس سے ملتی تھا۔
"صدائیں تو سب سے ملتی جاری ہیں سب جو گئے اس دُغ سے اس دُغ اور پھر تمام کائنات تک دو ہیں اس کلی کا چرچا ہونے لگا سب سے سنا: یہ کلی اپنے نام کی فرید" تھی اور کوئی پھول اس کا مقابلہ
نہیں کر سکتا تھا۔ فرید اور اس کا قلب دُغ اب نئی نئی خوشبو سے جھلک رہا تھا سوانی کی ملک تھی طاقت کی ملک تھی شہرت و عزت کی ملک تھی باغبانِ فطرت نے کہا اس کی پتیوں کو لاؤ اور رنگ
دین یہ فیصلہ کیا اور فرید کے دل کو داغوں سے محسوس نہیں بنا دیا۔ اب کیا تھا ہر دُغ بجائے خود آفتاب تھا جس نے فرید کی روح کو غم کی روشنی سے متاثر کر دیا تھا۔

فرید کا قلم اول اول کہی ٹیوں کی خوشبو پہنی کرتا تھا کبھی اس کی کبھی اس کی مگر فطرت کو یہ کب منظور تھا؟ فرید کو "فرید" رکھنا تھا اس لئے "پریم کی حبیث" دینے کے لئے اسے مجبور کرنا
تو نکیل کے لئے فطرت کا یہ قرض تھا فرید پر اس کی ادائیگی کے بعد وہ امیر زندگی بن گیا اور اب فطرت نے بھی اس پر اپنے خزانوں کے منہ کھول دئے یہ گویا اس کا کارنامہ تھا کہ فرید کا د
موتی جس کی چمک لافانی تھی اس سے چھین لیا گیا اور فرید کو فرید بنا دیا گیا۔

اب اس فرید ادب کے قلم میں وہ قوت تھی کہ کرا، لوٹ رہا تھا تاثرات اور بیان۔ یکے جا رہے تھے اس نے مزیت اور شہرت کی غیظہ فضاؤں سے منہ چھپیر لیا اور ہلستا ہلستا گاؤں
نہیں پہنچا جہاں کی بولی جانتا تھا نہ جس کے طور پر قیوں سے واقف تھا مگر غم نے اس کی آواز اور شعور کی معرج لڑائی تھی اس لئے اسے وہ بھی آگیا تھا جو نہیں آتا تھا۔

یہ افسانہ اور اس کے چند تازہ افسانے پڑھتا ہوں اور روتا ہوں اور دُعا ہوں کہ اردو کے افسانہ نگاروں سے اور اس لذت و تاثیر سے کیا تعلق جو ذہنی فلسفہ جھکا۔
میں یہ طوطی رکھتے ہیں وہ زندگی اور اس کی حقیقت کو کیا سمجھ سکتے ہیں پریم کی حبیث اس فضا کی کمائی ہے جہاں "اپ ٹو ڈیٹ" فرید نظر نہیں آ سکتا لیکن غم نے اس کو حقیقت کا راستہ
نہیں دیا اور اس کی جستجو کا سیلاب بھی یقیناً دنیا کے ادب میں اب وہ کلی نہیں بلکہ کل سرسبز ہے اور سب کی نگاہیں اس پر جم کر رہ گئی ہیں خدا اس پھل کی خوشبو سے تیری دنیا بیکلام
رکھے اس سے تمام چین اور اہل چمن کی امیدیں وابستہ ہیں۔

ساغر نظامی

دادا تھا۔ اُس کی لڑکی مومہنا کو سب ہی پیار کرتے تھے۔ بلکہ تو پھرے "کو سب ہی بیاتہ ہیں
کا لڑکا پرتاپ ہر ایک کی گود میں نظر آتا۔ گاؤں کا کھسیا رام ہرک تہری عزت کی نگاہ سے دیکھ
بتاتا تھا۔ اُس کا لڑکا مومہنا کا لڑکا تھا۔ ایسے تو گاؤں کے سارے بچے تھے مومہنا
چارہ تھا مگر ان تینوں میں دانٹ کاٹی روٹی تھی مومہنا کو پرتاب اور مومہنا کے بغیر چمن نہیں
اور پرتاب اور مومہنا کو مومہنا کے بنا سکھ نہیں

ایک دن یہ تینوں حسب معمول دھوپ پھیل کھیل رہے تھے انہوں نے نالہ کے پاس
ایک مٹی کی مکان بنایا تھا اور گھر مٹی کے نمونے دکھا رہے تھے۔ کبھی پرتاب، الہ مکان
بناتا اور کبھی مومہنا۔ جو الہ مکان ہوتا اُس کی بیوی ہو کر مومہنا مکان کی والدہ بنتی۔ پرتاب تختہ
پاؤں کا مضبوط تھا۔ مومہنا ڈبلا پتلا اور نازوں کا بالا تھا اور مومہنا گلاب کی کلی تھی اور
درد مند دل رکھتی تھی، بچوں کو آپس میں محبت تھی اس لئے جب کبھی پرتاب مومہنا سے اس
کے بارے میں لڑتا اور طافہ رہونے کے باعث اُس کا حق پھین بٹتا تو وہ رونے لگتی مومہنا
بھی ہمتیا کی موسلا دھار بارش کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگت۔ چوت کھایا جو غصہ
آنسوؤں میں بہہ جایا کرتا ہے۔

دن جاتے دیر نہیں لگتی اور زمانہ کی تبدیلی میں رکاوٹیں نہیں ہوتیں۔ بچے بڑھے اور

برسات کے دنوں میں گاؤں میں جگہ جگہ پرناے بننے لگتے ہیں چھوٹے چھوٹے
لڑکے اور بچی لڑکیاں ان میں کانڈ کی کشتیاں بھاتی تیں "چکولیوں" مانی تیں معصوم
قہقہے بلند ہوتے ہیں اور گاؤں کی برساتی فضا میں پھیل جاتے ہیں۔ "بھونڈ" "بک عجیب
طرز کی بستی ہے۔ پھیلی شہر کا ایک آباد اور زرخیز گاؤں تو ہے ہی لیکن خصوصیت یہ ہے کہ برسات
کے ایام میں جزیرہ سا بن جاتا ہے۔ جھروکھیں پانی ہی پانی نظر آتا ہے۔ بڑی بہار کے دن
ہوتے ہیں۔ بچوں کی خوشی کا تو ٹھکانا نہیں ہوتا۔ بچے اور بچیاں ساتھ ہوتے ہیں اور نرمے
کے کھیل کھیلتے ہیں۔ کانڈ کی کشتیاں بنتی ہیں۔ انہیں پانی میں بھاتے ہیں۔ نالہ کے پاس
مٹی کے گھر بناتے ہیں جن میں وہ "میاں بیوی" کے کھیل کھیلتے ہیں۔ ایک لڑکا
شوہن بن بیٹھا۔ اور ایک لڑکی بیوی ہو بیٹھی۔ کچھ بچے اور لڑکے پھر کیا ہے گھر گھر مٹی کی تصویہ
معلوم ہونے لگتی ہے۔ برے پیار کے دن ہوتے ہیں۔ جوان لڑکیوں کے ہرنگامی جذبات بھی
دیکھنے کے قابل ہونے ہیں۔ سادوں کے موہ لینے والے گائے گائے جاتے ہیں، ٹولیاں مٹی
ہیں، چھلپیں موتی ہیں، بھونڈ پڑتے ہیں، کچھ ان پکتے ہیں عجیب پر لطف دن ہوتے ہیں
برسات کی برسات کبھی پوری برسات تھی بڑے بڑے بتاتے ہیں کہ "بھونڈ"
بچوں کی کان ہو رہا تھا۔ بڑے پیار سے بھونڈے جالے بچے تھے۔ رنجیت سنگھ ٹھاکر گاؤں کھڑا

بڑھکر جان ہو گئے۔ کلیاں چٹپٹیں و چپک کر پھول ہو گئیں۔ مومنا کو پچھن ہی تے دونوں دوستوں۔ یہ دلی محبت تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ پرتاب کے محلے بذاتِ اُستِ زیادہ متاثر کرتے ہوں اور مومنا کے خاموش خیالات اُسے زیادہ دیر نہ نہاتے ہوں۔

بڑھتی محبت رنگ لائی، چڑھتی آنکھیں کا انخام معلوم ہوا۔ بیتاب اور موہنا کا بیاد رچا، تمنائیں پوری ہوئیں۔ رز و میں بڑھیں، بچپن کے خواب کی تعبیر نکلی اور خوب نکلی۔ محبت چونکا لیکن شہرِ افت کے ساتھ۔ دھڑکا کھایا۔ گرا لیکن فوراً سمجھ گئی۔ خوب سمجھا۔ محبت میں فرق نہ آئے دیا بچپن کے طور پر لے نہ دے۔ بیتاب نہ وہی پہلے کا سا جب کی چاہ تھا۔ البتہ موہنا بت "جانی" ہو گئی تھیں۔ پھر دوسرے کی سی دلچسپیاں رہنے لگیں اور وہی منہ نہ سے کی باتیں دہرائی جانے لگیں۔

مومنائے پہلوانی کا لڑکا ہوا۔ بڑی دھوم دھماکہ ہئی سب نے شہر والوں کی تقلید میں مجھے "کے پوتے کو مالاماں کر دیا۔ مگر مومن، چپکے کالوں پر دو بوت ہئی دیکر ربکیا یہ البتہ دیکھا گیا کہ اس کی آنکھوں سے آسو بہہ رہتے تھے "س کے بعد کسی نے مومن کو نہیں دیکھا۔ جذبات ہی تو تھے، دکا گر نہیں رکے، فقار مار میں تھے، مسو مار نہیں ٹھہرے، قصورے دن بیتاب اور دل میں مومن کی یاد کی چہر رفتہ رفتہ گھر گھر بستی کے آئے دن کے الجھڑوں نے بجلا ہی دیا۔

سالوں کے انصاف کے ساتھ ہندوستان کے بچوں کی تفریح میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور انہی دنوں میں بنگالی دیہک بنگالک جاتی ہے اور زندگی سے سوہنہ لوان کی آن بہن خشک کردیتی ہے یہی خبیثہ سب سے سادہ جوا ہے ہرے تو یک دو تیس چار اور یقیناً پانچ چار سال میں ساتویں قحط پڑا اور ایب قحط نہ دیکھ دیکھی پیدا ورمی برنامہ کی ہوئی غریب بھوکے مرنے لگے۔ وہ تو بے زمیندار کی آبادی رست اور غریب پندرہ کی کام آئی دینہ غریبوں کو کھن بھی میر نہ مونا۔ مولوی سدر علی رئیس ٹپ مذہب اور حق مٹی کے والی بپتہ ملے اور سب کی مدد کی اور غریب کی لیکن ایک قحط سے قحط کا دلایا اور چھی طرح دلادیا۔ گر پید و رک کی کمی کو وہ غریب زمیندار کیا کرتے۔ کسی زمانہ کی تو بات ہے کہ نہ بنے گئے سگڑوں پرست مسہا اترتے گاؤں والے کام کی تلاش میں کلکتہ بھٹی کی سیر کرتے انہی کے ساتھ پرتاب نے قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا۔ چپ رتی موہنا کی تو مدھی نہ تھی کہ اس کا پیہم پیار سنسن نکھوں سے اوجھل ہو دیس کی مزدوری پردیس کی حکومت سے۔ کدو بے ہتر ہے مگر پرتاب بچوں کو دیہاتی بہیت نہیں جان چہ ہوتا تھا۔ اس نے زمیندار کے لڑکوں میں دینہ ریاس کے لچرے سے ان کا اثر لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی طرح اس کے سپتہ بی باں نہ جوئیں۔ غمی مانی۔ مت ہوئی ترک کر بیٹھا تھا۔ اعلیٰ اختیار کی تھی۔ اجمہا تغل غضا۔ منہ و تن زراعتی ملک ہے اس لئے یہ کہنا جھوٹ نہیں کہ یہاں کی بہن عزت کاشتکاری میں ہے۔ پرتاب کو یہ راز معلوم تھا مگر وہ ترقی کا خواہاں تھا۔ اور نیکو کاشتکاری۔ وہ سلہ ات بتایا گیا تھا کہ ترقی یافتہ کاشتکاری میں ہے اور یہ ترقی یافتہ کاشتکاری وہ نہیں اس لئے بچے سیکھتے تھے مگر گھم بیٹھے نہیں اس کے لئے اہ آباد بنانا۔ دتا کانپور کی نال چھاننی جوتی اور پھرات دی حاصل کرنے کے لئے کالے کوسوں ساتھ سمندر پار جانا۔ مگر لوہا ہاتھ پہاڑ رکھ کر حیدر پلاؤ بچے سے تو بچہ حاصل ہوتا ہیں رو پیہ بغیر اس انگریزی سرتیں کوئی آرزو پوری نہیں ہو سکتی پیسہ دیس کے بہن بننے۔ پرتاب نے سوچا۔ تادین بن جا رہا ہے اسی کے ساتھ حلاوت درکار و اس آئے تو بچوں کو رہا ہے۔ دہر جوتی کو اندر رتی تینے۔

[illegible]

پتلا آبیتا داکے لئے روانہ ہوا تو عجیب شخص ساعت میں جہاز راستہ میں ایک خان سے ٹکرایا اور پاش پاش ہو گیا۔ پتلا ایک تختہ کے سہارے ایک جزیرہ کے کنارے باہنچا وہاں اُس نے بڑی بڑی مصیبت اٹھائی۔ سخت بیمار ہو گیا۔ اذکار اور موبنا کی یاد نے اسے گھلا دیا۔ اُسے حرارت رہنے لگی۔ پانچ سال بعد کچھ شکاری آئے تو اُن کے ساتھ گھر واپس لے کر ایک موبنا کے سامنے نہیں جانا چاہتا تھا۔ ایک بڑھیا کے یہاں قیام کیا جو اُس کے پتلا کے مرنے کے بعد اُس کے لئے ہاتھی طرح مہربان تھی۔ بڑھیا نے موقع دیکھ کر موبنا کی ہر عیبت سنائی: بیچارہ مَن نہ سکا۔ اور مُنتا بھی کس دل سے شکست آرزو ہو کر بگی، دل کا دہن چوٹ کھائے ہی چور چور ہو گیا۔

ماہنامہ ایشیا کا
جسٹس

۱۸ ادارہ ادبی مرکز کے اراکین نے یہ طے کیا ہے کہ جب حالات مساعد ہوں تو ایشیا کی ہر سلطنت اور مملکت کے متعلق ایک خاص نمبر شائع کیا جائے۔ جس سلطنت کے متعلق وہ خاص نمبر شائع کیا جائے وہ مملکت مذکور کی تمام قدیم و جدید تاریخی سیاسی تہذیبی معلومات کا مل ہو اور وہ اپنی جگہ اس درجہ مکمل ہو کہ اس کی موجودگی میں حتی الامکان کسی تاریخ و کتاب کی ضرورت نہ ہو۔ اس لئے ہر فیصلہ کیا ہے کہ مشترک نمبر کے بعد جو نمبر شائع ہو وہ ایشیا کی سب سے بڑی طاقت ”جاپان“ کے متعلق ہو چنانچہ ایشیا کا نمبر دسمبر ۱۹۸۸ء میں ”صیانت“ نمبر ہو گا۔

جاپان نہ کہ کی خصوصیات جاپان نہ اپنے خصوصیات میں انشاء اللہ بنیاد ہوگا اسی جاپان کے تمام تاریخی و سیاسی تعلقات سے بحث ہوگی۔ قدیم و جدید جاپانی ادب پر بہترین مضمین اور اس کی تجارتی و معاشری جدوجہد پر سیر حاصل مقامات ہوں گے۔

اسکے ساتھ ہی ایشیا کے سرپرستوں کی اس س کی ہوئی تہہ میں جاپانی آرٹ کی تصویس

ایکے ساتھ ہی ایشیا کے سرپرستوں کی اس س کی ہونی بہت سی جاپانی آرٹ کی تصویروں
 بھی شائع ہوئی۔ اور متعدد فوٹو بلاکس نقشے اور کارٹون بھی شائع کئے جائینگے بہر حال ہر لحاظ

۱۲۔ حجم تقریباً ایک سو پچاس صفحات۔ جاپان نمبر خریداران ایشیا کو مفت ارسال کیا جائیگا۔ "نیچر ایشیا" سی پٹ بازار میرٹھ سے سی کی جائیگی کہ ماننا نہ ایشیا کا یہ خاص نمبر مفید و دلچسپ ثابت ہو۔ ملک کے بہترین ادیب اور شعرا کے افکار و خیال ان نمبر کی زینت ہوں گے۔

فرشتوں کی محبت

(ترجمہ براؤننگ)

(۱)

وہ دن جب تو کلی تھی اور کلی بھی ناشگفتہ تھی
وہ دن جب تو نوا تھی اور نوا بھی لبِ نغمہ تھی
وہ دن جب تو گہ تھی عقدِ معسومی میں سفتہ تھی

وہ دن جب برق تھی اور برق بھی ناواقفِ ساحل
وہ دن بھی آہ! وہ الہرپنے کے دن بھی کیا دن تھے!

(۲)

وہ دن جب تھی نہ اُلفت کے شاعر کی تپشِ دل میں
وہ دن جب تھی نہ رنج و غم کے کاتے کی خلشِ دل میں
وہ دن جب تھی نہ بے باکانہ جلوں کی کششِ دل میں

وہ دن جب عشق کی نگینوں سے بے خبر تھا دل
وہ دن بھی آہ! وہ الہرپنے کے دن بھی کیا دن تھے!

(۳)

وہ دن جب نہمتوں سے ناشناسِ اگلشن تھا
وہ دن جب برقِ عنسم کی رو سے باہرِ ازمین تھا
وہ دن جب تیرا بچپن تھا وہ دن جب میرا بچپن تھا

تو اپنے حسن سے مافل میں اپنے عشق سے مافل
وہ دن بھی آہ! وہ الہرپنے کے دن بھی کیا دن تھے

صَلِّ

جاپان کے مقاصد

دار الحکومت ریوی ماہلی بی لے

ترقی ہی کے میدان میں قدم رکھا اور ہماری جستجو کا تعلق اسی عہد بیداری ہے جس میں جاپانی سیاست کا تجزیہ کرنے کے بعد ہم اُس کے مقاصد تلاش کریں گے۔

جاپان ایک مختصر سامعہ الجھڑ ہے جس کی آبادی تقریباً نو کروڑ ہے۔ رقبہ کو دیکھتے ہوئے یہ آبادی بہت زیادہ ہے پھر اس پر ستم یہ ہے کہ ہر سال نولاکھ سے زیادہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ وہاں ضبط تولید کے اصولوں پر عمل درآمد نہیں اس میں وہی قومی بیداری اور توسیع کا جذبہ کارفرما ہے جس نے اٹلی میں موسولینی اور جرمنی میں ہرملر کو اس رُوح کے بند کرنے پر قانونی طور پر مجبور کیا۔ آبادی میں یہ اضافہ سیاسی اقتصادی اور بین الاقوامی نقطہ نظر سے نظر انداز کیا نہیں جاسکتا اور جاپان کی زندگی میں اسی وجہ سے انقلابات ہوتے رہتے ہیں۔ اس آبادی پر نگاہ ڈالنے کے ساتھ ہی فطرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے لئے کیا ہونا چاہئے صرف۔ ہنر ہی کا سوال نہیں بلکہ ان کے بار کا رہنے کا خیال پہلے پیدا ہوتا ہے، چھوٹی سی حکومت میں سرکاری یا غیر سرکاری ملازمتیں بھی بہت کم ہوں گی، اس لئے زیادہ تر لوگ تجارت، صنعت و حرفت ہی کو اپنی آمدنی کا ذریعہ بنائیں گے جب ملک کے بہت سے لوگ تجارتی اشیاء بنانے میں لگ جائیں گے تو چیزیں قوم کی ضرورت سے سوا تیار ہوں گی۔ ان تمام باتوں کو مد نظر رکھنے کے بعد جو منطقی نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ یہ کہ آبادی میں اضافہ کی وجہ سے جاپان کو نوآبادیات کی ضرورت ہے اور بازار کے بغیر چیزوں کا تیار ہونا ہی بیکار ہو جائے گا۔ اس طرح ایک آبادی کے سوال نے اتنے بڑے بڑے مسئلے پیش کر دیے جس میں جاپانی تجارت، سیاست اور اقتصادیات سب کا راز مضمر ہے۔ یقینی ہے کہ جاپان کبھی اپنی مردم شماری کو گھٹانے کی کوشش نہ کرے گا اور اگر آبادی یونہی بڑھتی رہی تو ادھر کسے ہوئے مسائل کا پیدا ہونا لازمی صورت قرار پائے گی۔ جاپان کی تیز ترقی اور بیداری اس ضرورت کا نتیجہ ہے جو ہر آزاد ملک کے ساتھ پیش آنا ضروری ہے۔

جاپان کو اپنے لوگوں کے لئے اور تجارتی مال کی نکاس کے لئے نئے ممالک کی ضرورت ہے۔ اس حقیقت سے انکار موجودہ سیاست کی ایک ابلہ فریبی ہوگی کہ جاپان کا ہر اقدام اس مقصد کو کسی نہ کسی شکل میں اپنے اندر ضرور پوشیدہ رکھتا ہے۔ جب تجارت کو ترقی ہوگی، جب نوآبادیات کی تلاش ہوگی تو دوسرے ممالک سے تعلقات کا پیدا ہونا ایک امر ضروری ہے جس کے لئے دلائل و براہین پیش کرنا ہی سب سے بڑی دلیل ہوگی جن ممالک میں بیداری کی لہر پہلے دوڑ چکی ہے انہوں نے نیم مذہب، غیر متحذر اور متفرق ممالک کو اپنی ترقی کی جولا نگاہ بنالیا ہے۔ اور بعد میں آنے والوں کے لئے ہر طرف اونچی دیواریں حائل کر دیں جو بعد میں داخل ہوئے انہیں بزم میں جگہ کماں مل سکتی ہے۔ لیکن

ایشیائی ممالک کے غریب و زوال کی داستانیں جتنی نگین ہیں اتنی ہی عبرت خیز بھی ہیں جب یورپ کے یہاں تہذیب کا مفہوم بھی پیدا نہ ہوا تھا اس وقت ایشیا اپنی عظمت کا سکہ بٹھا چکا تھا۔ بائبل و تینوا کی حیرت انگیز ترقی کے آثار آج دیرانوں میں ملتے ہیں چین کا بے نظیر تمدن کتب تواریخ میں نظر آتا ہے ہندوستان کا فلسفہ سمجھا دینا اور گیتاؤں میں تلاش کیا جاتا ہے ایران کی تنعم پرستی اور رگینی فردوسی کے لازوال نغموں میں تلاش کی جاسکتی ہے۔

ان ممالک نے ترقی کی منزلیں ختم کر لیں اور پھر تباہی سے ہم آغوش ہو گئے۔ ان کے مٹنے کے بعد بھی یورپ ایک مدت تک گہری نیند سوٹا رہا۔ ایشیا نے کبھی بلندی پر سر رکھا اور کبھی پستی کا ٹھنڈ دیکھا لیکن یورپ نے جب ترقی کی جانب قدم اٹھائے تو پھر اُس نے مڑا کر پیچھے کبھی نہ دیکھا بلکہ آئے دن نئی شاہراہیں تلاش کرتا رہا۔ اس نتیجہ کے فیصلاتی اور جغرافیائی اسباب بد بخور کرنے کا وقت نہیں ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ آج جب کہ یورپ نے علوم محقول و محقول میں انتہائی کمال تک پہنچ جائیکہ دسویں پیش کیا ایشیا کس منزل پر ہے اس وقت ہم صرف جاپان کی حالت پر تبصرہ کریں گے۔

جاپان نے جو مختصر کن ترقی ۱۸۵۵ء کے بعد سے کی ہے اُسے دیکھتے ہوئے فطرتاً ہماری نگاہ اُسی پر پڑتی ہے اور ایشیا کی قسمت کا کوئی نہ کوئی راز اُس سے ضرور وابستہ نظر آتا ہے۔ یہ نہیں کہ گزشتہ صدی کے قبل ہم تاریخ میں جاپان کا نام ہی نہیں دیکھتے بلکہ اس کی تعجب خیز رفتار ترقی نے اُسے عدم گمنامی سے نکال کر ایشیا میں بیداری کی روح کا ذمہ دار قرار دیا اس وقت یورپ کی ترقی کا اگر کوئی جواب ایشیا کی طرف سے پیش کیا جاسکتا ہے تو وہ جاپان ہی ہے۔

جاپان جغرافیائی حیثیت سے براعظم ایشیا کے دوسرے ممالک سے تقریباً الگ تھلگ رہا، اُس کے ابتدائی حالات میں صرف پتہ چلتا ہے کہ ۱۲۹۵ء میں مارکو پولو نے جب مشرقی ممالک کی سیاحت کی تو جاپان میں بھی پہنچا۔ وہ یہاں کے لوگوں کو مہادر اور باہمت کہہ کے بکارتا ہے۔ انہوں نے ایشیا کی تاریخ کی تشکیل میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا سب سے بڑی وجہ تو یہی ہے کہ ان کی مذہبی تعلیم انہیں رہبانیت کی جانب مائل کرتی تھی اور بد مذہب کا اثر اتنا شدید تھا کہ ان کی حیات کے تمام دوسرے شعبہ بھی اسی کے ماتحت تھے، تاریخوں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس عہد رہبانیت کا سب سے زیادہ نمایاں زمانہ تقریباً ۱۶۳۷ء سے ۱۸۵۵ء تک رہا۔ لیکن اسے یوں سمجھنا چاہئے کہ جس طرح طوفان کے پہلے کچھ عرصہ تک سطح آب پر ایک جمود اور سکون ساطاری ہو جاتا ہے اُسی طرح یہ زمانہ اپنے مستقبل میں ایک ایسے زمانہ کا پتہ دیرا تھا جو طوفان در آغوش ہو گا کیونکہ اس کے بعد سے جاپان نے ہمیشہ

۱۹۰

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ظاہر ہے کہ بعد میں داخل ہونے والوں کو جگہ ملنی ضروری ہے ورنہ محض عیش میں سکون و اطمینان کے بدلے شور و غلبہ بے اطمینانی اور نزاع کی کارفرما ہوگی جو پیچھے آئے ہیں وہ جگہ تلاش کریں گے۔ اس طرح جاپان کو مختلف ترقی یافتہ ممالک سے صلح و جنگ کے ذریعہ سے تعلقات قائم کرنے پڑے۔

ایک نظر دینا کے نقشہ پر ڈالئے اور کوئی ایسی جگہ تلاش کیجئے جس میں جاپان کی قابل آبادی کھپ جائے تو ایسا کوئی حصہ آسانی سے نہ مل سکے گا۔ کچھ تو اس وجہ سے بھی کہ اب زیادہ تر حصے آباد ہو چکے ہیں اور کچھ اس لئے کہ قابل آبادی خطہ بے ارض کے مالک است اچھی نظر سے نہیں دیکھ سکتے۔ امریکہ نے باہر سے آنے والوں کو آباد کرنے کی تعداد قانون کے ذریعہ سے محدود کر دی ہے۔ انگلستان کے تمام مقبوضات جو قابل آبادی ہیں، خود اس کے اضافہ بے آبادی سے بسائے جاتے ہیں۔ روس نے جاپان پر ہمیشہ ایک رقیب کی حیثیت سے نظر ڈالی، چین خودی دنیا کے آباد ترین ممالک میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہی وہ ممالک ہیں جن سے جاپان کے تعلقات پیدا ہو سکتے تھے۔ اس کے وجہ اور نتائج پر ذرا تفصیلی نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

امریکہ اور جاپان

امریکہ اگر ایک طرف بحر اطلانتک سے ہم آغوش ہے تو دوسری طرف مغرب میں بحر الکاہل سے ہم کنار ہوتا ہے۔ امریکہ اور جاپان کی بحری رقابت اسی سمندر میں جنم لیتی ہے۔ فلپائن اور ہوائی کے جزیرے اسی میں واقع ہیں، کچھ حصہ مت بین الاقوامی انتظام کی بنا پر فلپائن کے جزیرے امریکہ کے تحفظ میں دئے گئے ہیں اور امریکہ نے ان جزیروں کی ترقی کی ایک مکمل اسکیم پیش کی تھی جس کے بعد وہ خود اپنے کو سنبھالنے کے قابل ہو جائیں گے امریکہ کو یہ خوف ہے کہ جاپان کی ہوصلہ بندی نہیں انہیں اپنا شکار نہ بنائے۔ امریکہ جب اپنا ہاتھ ہٹائے گا تو جاپان کی ریشہ دوانیاں شروع ہو جائیں گی، اگر جاپان اپنا اقتدار فلپائن میں قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اس کی قوتیں بحر الکاہل میں بہت بڑھ جائیں گی۔ اطلانتک میں یورپ کا زور دھڑو رہا ہے اور امریکہ بحر الکاہل کو اپنے اثر میں رکھنا ضروری خیال کرتا ہے۔ میسوپیمیا میں جاپان کی روز افزوں ترقی نے امریکہ کے اس خیال کو اور زیادہ مضبوط بنا دیا ہے۔ ان سب سے زیادہ اہم سوال تجارت ہے، امریکہ کا مغربی کنارہ بحر الکاہل کے برابر جاپانی ایشیائی تجارت کے لئے اچھے بازار بن سکتے ہیں، اگرچہ جاپانی ارباب سیاست اور امریکن ارباب ملے عقد بہ ظاہر دوستی اور محبت کا دم بھرتے ہیں اور دونوں کی صفائی کے ثبوت میں اپنے مصائب اور بیانات میں جذبہ ہمدردی پیش کرتے ہیں، مگر دونوں کے نصابین میں جو اختلاف ہے اسے دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ وجودہ دوسری سیاست میں کسی طرح ایک مرکز پر جمع نہیں ہو سکتے۔

روس اور جاپان

جاپان کے اہم سیاسی مقاصد میں روس اور چین کو الگ الگ رکھنا پیش از میں ہے وہ چین کو اپنی باز جگہ بنانا چاہتا ہے اور ان دونوں کے اتحاد

میں اپنے تباہی کے سامان دیکھتا ہے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ بھی کہی جاتی ہے کہ روس اپنے فضائل اور سادات و اطوار کے لحاظ سے نہ جت ایشیا کے یورپ سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔ یورپ کے کسی ملک کا اقتدار ایشیائی ممالک میں جاپان کے نظریہ سیاست میں ایشیا کی توہین ہے لیکن اس سے بڑی اور ظاہر وجہ یہ ہے کہ جس طرح روس چین کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا متمنی ہے اسی طرح جاپان بھی چین کو اپنے زیر اثر رکھنا چاہتا ہے۔ کچھ حصہ جاپان کا زادیہ نگاہ اسی مرکز پر جم کر رہ گیا ہے اور چین کے متعلق ہر سوال میں جاپان سب آگے نظر آتا ہے جاپان کے سیاسی مفکرین کا خیال ہے کہ چین کی یہودی صرف جاپان سے اتحاد رکھنے میں مضمر ہے اور جب چین کسی اور وطن سے جھگڑا نظر آتا ہے تو جاپانی اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ ترغیب تشنوب کے تمام حربے استعمال کر کے اسے اس اقدام سے روکتے ہیں ورنہ جنگ کر کے دوسری قوتوں کا اثر زائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۸۹۵ء کے فریب میں چین نے روس سے خفیہ طور پر ایک معاہدہ کر لیا جس میں اور باتوں کے علاوہ روس کو ایک ریلوے لائن بنانے کی اجازت ہو رہی تھی، تاریخ اور سیاست کے پڑھنے والے ریلوے کی اہمیت کو بھی طے کر سکتے ہیں، منچوریا اپنے محل وقوع کے اعتبار سے سائبیریا سے بالکل قریب ہی واقع ہوا ہے اور اگر روسی وہ موجودہ ریلوے بنائے جس پوری طرح کامیاب ہو جائے تو آج چین کا نقشہ بدلہ لہوا ہوتا ہے Chinese Eastern Railway پاسنڈا ریلوے کی تعمیر کی اجازت روس کو مل گئی اور روس نے چین سے طرح کی امکانی امداد کا وعدہ کر لیا۔ یہ ظاہر ہے کہ جاپان کی مخالفت کا سامان ہوتا ہو رہا تھا۔ جاپان اس پسندیدگی کی فطرت دیکھ ہی نہ سکتا تھا۔ چنانچہ آہستہ آہستہ زاع نہ دعو ہو گیا۔ اور ۱۹۰۴ء میں جاپان نے روس کو اس اقدام سے باز رکھنے کے سلسلے میں ہتھیار سنبھال لئے ایک فوری نرٹرائی کے بعد جس میں یورپین اقوام بھی شامل تھیں جاپان کو فتح نصیب ہوئی لیکن صرف منچوریات روس کا اثر زائل ہو سکا یہ بھی بہت بھاری کیونکہ اس جنگ کے بعد سے جاپان کا شمار بڑی طاقتوں میں ہونے لگا اور روس نے اس کی قوت کا اندازہ لگایا جاپان یورپ کی سیاست میں بھی حصہ لینے لگا، یہ جنگ جاپانی عظمت کا سنگ میل کی جلتی ہے اس طرف متعدد بار اشارہ کیا جا چکا ہے کہ جاپان اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے جگہ چاہتا ہے سائبیریا کا بہت سا حصہ غیر آباد ہے جاپان کی نظر اس پر بھی ہے اس طرح روس اور جاپان نے اختلافات بڑھاتے گئے۔ جاپان نے منچوریا پر قبضہ کر کے وہ کراہی کی کاٹ دی جس کے ذریعہ روس چین میں ترقی کر رہا تھا۔ روس کی رتی کو اس سے سخت دھکا لگا اور وہ ساری اسکیم جو اس نے چین کے سلسلے میں تیار کی تھی اس کے لیے برباد ہو گئی۔

۱۹۱

روس کا وہ جمہوری نظام جو ساری دنیا کے لئے ایک نقطہ ہے اور تہذیب انسانی کے لئے تسادین جراثیم پوسیدہ رکھتا ہے تمام ملک سے اس کی ہمدردی اٹھانے والے ہیں اور اثرات کی وغیرہ کی اسکیموں میں نہ صرف روس کا انقلاب شامل تھا بلکہ عالمگیر اجتماعی پروگرام کے ذریعہ سے ساری دنیا کو اسی نظام کا شکار بنانے کا ارادہ تھا جاپان طریقہ معلوم

۱۔ روس کے جمہوری نظام کے متعلق جو کچھ اشتہام صاحب نے تحریر کیا وہ اطمینان کی حیثیت نہیں رکھتا انسان کی مادی زندگی کے آغاز سے تا اندہ میں قدر نظام باطل سلطنت اور مادی زندگی فلسفے انسان نے خلق کئے ان پر ایک معر فی مقدار زمانہ تک عمل کیا گیا لیکن موجودہ زمانہ میں اقتصادی کشاکش اور سرمایہ داری کی لعنت نے ہم کو یہ باور کرایا ہے کہ مغرب کے موجودہ جمہوری تصور انسان کی بدست تشکیل کا کوئی آرام نہیں ہے لیکن اور اثرات کی اسکیموں کی عالمگیر مخالفت محض عقیدے کے اختلاف کی وجہ سے ہوئی اور اس لئے کہ یورپ کی سرمایہ دارانہ طاقتیں اپنے دوزخ سے اسے الٹ کو ایک ضعیف عالم خیال کرتی تھیں لیکن بہر حال ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ بائو نریم مستقبل میں بنی نوع انسان کا سیاسی و اجتماعی مذہب ہو گا کیونکہ وہ بنی نوع سے زبردست بن بن مزدور انسان کی مختلف انزبوں اور عریاں جموں سے شدید ترین اندیشہ ہے۔ (دست آخر)

پر نہ ہو سکا۔ منچوریا کا ایک اچھا حصہ جاپان کے قبضہ میں آ گیا۔ روس کی قوت کو چین میں دوسری دفعہ دھکا لگا۔ اور جاپان نے اپنی قوت آزمائی، یورپ کی دیگر اقوام نے بھی جاپان کی ترقی کا اندازہ لگالیا، جہاں تک ظاہری واقعات کا تعلق ہے اب چین اور جاپان دونوں خاموش ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بس پردہ بھی سکون ہے یا نہیں، چین کا ایک ہفتہ والا اخبار ”چائیزوکی ریویو“ ہر ہفتے ایسے مواد ضرور پیش کرتا ہے جس سے دونوں کے اختلافات کا اظہار ہوتا ہے، ممکن ہے کہ وہ کسی ایک جماعت کا اخبار ہو مگر ساتھ ہی یہ بھی صحیح ہے کہ دونوں کے دل ایک دوسرے کی طرف سے صاف نہیں ہیں۔

یہاں تک تو جاپان کے سیاسی نظریات کا تذکرہ تھا جو وہ مختلف ممالک کے مقابلہ میں پیش کرتا ہے، اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ جاپان کا فلسفہ حکومت کیا ہے اور جاپان کیا چاہتا ہے؟ ایشیا کا پورا براعظم جاپان کے سامنے ہے اور وہ ایشیا کی قوتوں کا سردار بن کر رہنا چاہتا ہے، اس کی ایشیائی پالیسی کا مقصد یہ ہے کہ وہ سارے ایشیا کو اگر فتح نہ کرے تو اپنے اثر کے اندر تو ضرور رکھے بشرتی اقوام کو متحد کر کے وہ ان کی رہنمائی کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ چین سب سے زیادہ قریب میں واقع ہے، جاپان کی حریفیں نکا ہیں اس پر ہٹنا نہیں جانتیں۔ جب کوئی دوسری طاقت چین کے معاملہ میں دخل انداز ہونا چاہتی ہے تو جاپان کے مقاصد سے تصادم ہوتا ہے، جاپان کے سرکاری حلقوں کے ذمہ دار ارباب ملٹی عقد کے بیانات جو چین اور جاپان کی آویزش کے زمانہ میں کبھی کبھی نظر سے گزرتے رہے ان سے بات صاف طور پر ظاہر ہو گئی کہ جاپان چین میں کسی اور کی ترقی نہیں دیکھنا چاہتا وہ چین کی قسمت کا فیصلہ اپنے ہی ہاتھ میں رکھنا چاہتا ہے۔

موجودہ سیاست کے ہتھکنڈے کبھی اسے یونہی نہیں چھوڑ سکتے تھے چنانچہ نو طاقتوں کا معاہدہ *Nine-Power Treaty* میں یورپ کی مشہور حکومتوں کے علاوہ امریکہ بھی شریک ہے۔ جس میں جاپان نے چین کے معاملہ میں علیحدگی کا وعدہ کیا تھا۔ وعدہ کرنے کو تو جاپان نے دیکھا لیکن کتنے ممالک کے مقابلہ میں اپنی ضد پر قائم نہ رہ سکا اور جب تہری وعدہ سے گزر کر عمل کا موقع آیا تو جاپان نے بے زبان الفاظ کو کوئی وقعت نہ دی۔ یہی وجہ تھی کہ تمام بڑی بڑی طاقتوں نے مجموعی طور پر جاپان کے اس اقدام سے اظہارِ برہماری کیا اور چین کی ہمدردی کے پرے میں جاپان کو بٹھرنے سے روک دیا۔ ایک کمیشن کے ذریعہ سے جاپان کو دھمکیاں دی گئیں اور نو قوتوں کے معاہدہ کی یاد دل کر اپیلیں کی گئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر صرف چین اور جاپان ہی کا معاملہ ہوتا تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ جاپان آج کہاں ہوتا لیکن اب تو چھوٹی سے چھوٹی بات بھی بین الاقوامی اہمیت اختیار کر لیتی ہے اگر ایسا نہ ہو تو دنیا کا گوشہ گوشہ میدان کارزار بن جائے۔

بحری معاہدہ بھی جس میں جاپان، انگلستان اور امریکہ شامل ہیں جاپانی نقطہ نظر سے بڑی اہمیت رکھتا ہے، ہمازوں کی تعداد اور قوت ایک کانفرنس کے ذریعہ سے محدود کی گئی جس میں تین پانچ اور پانچ (۳:۵:۵) کا تناسب، جاپان اپنے لئے تین سے زیادہ چاہتا ہے، وہ کہتا ہے کہ جاپان نہ تو انگلستان پر حملہ کر سکتا ہے اور نہ امریکہ پر چڑھائی کرنے کا خواب دیکھ سکتا ہے، اسے اپنی ہی حفاظت کی ضرورت ہے، اس کو اپنی تجارت کا تحفظ لازم ہے اور بغیر زیادہ بڑی بحری قوت کے ناممکن ہے جاپانی زادیہ نگاہ سے درست ہو۔ لیکن انگلستان یا امریکہ اسے صحیح نہیں سمجھتے، وہ اس میں تھوڑی سی دریافتی بھی بین الاقوامی اس کے لئے ایک خطہ سمجھتے ہیں، جاپانی اخبارات اور سرکاری حلقوں میں ہمیشہ اس تنازعہ

اس سے بالکل مختلف ہے وہ روس کے اس نظریہ حکومت کو امن وامان کے لئے ٹھنڈا خیال کرتا ہے اس طرح جاپان کا منظر نظر روس کی مخالفت ہو گیا ہے جس میں سیاسی معاشرتی اور تجارتی تمام مسائل بہ طور پہلو موجود ہیں۔

انگلستان اور جاپان

انگلستان کی وسیع حکومت زمین کے گوشے گوشے اور پتے پتے میں پھیلی ہوئی تھی اور یہ بالکل صحیح ہے کہ اس کی حکومت میں آفتاب و شب نہیں ہوتا۔ چین کے مشرقی ساحل پر نہ صرف انگلستان کے چھوٹے چھوٹے مقبوضات موجود ہیں بلکہ تجارت کا ایک مکمل سلسلہ قائم ہے۔ یانگ ٹسی کیا ٹنگ کی وادی میں اور بحر الکاہل کے ساحل پر انگریزی تجارت نہایت منافع بخش ثابت ہوئی ہے، ان کے رے رے جہاز ’فلادر‘ دی اور اون لیدر آتے ہیں اور جاپان کی تجارت سے مقابلہ کر کے چین کے بازار پر قبضہ جاتے ہیں، انگلستان باوجود اتنی وسیع حکومت کے تجارت ہی کو اپنا خاص پیشہ بنائے ہوئے ہے، نیپولین نے ایک موقع پر انہیں ’دکانداروں کی قوم‘ کہا تھا اور کسی طرح غلط نہیں جس طرح جاپان اپنی تجارت پر حریف آتے نہیں دیکھ سکتا اسی طرح انگلستان بھی تجارت کے معاملہ میں کسی طرح پیچھے رہنا نہیں چاہتا، انگلستان جس طرح اپنا اثر قائم کر چکا ہے اسی طرح جاپان بھی مشرقی اقوام کا سردار بننا چاہتا ہے وہ کم سے کم کسی یورپین طاقت کو ابھرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ ایشیا کا بیشتر حصہ اس کی نظروں میں سما یا ہوا ہے اور جب انگلستان اسے اپنے زیر اثر لانا چاہتا ہے تو جاپان اپنی جگہ تڑپ جاتا ہے۔ انگلستان بحر اطلانتک میں بحری قوت اپنی طرح مضبوط کر لی ہے اس کے جنگی اور تجارتی جہاز بحر الکاہل کے سینے پر دوڑتے پھرتے ہیں، جاپان کے لئے یہ ایسی بات نہیں ہے کہ یونہی نظر انداز کر دی جائے۔

چین اور جاپان کے تعلقات کی ابتدا بہت پہلے سے ہوئی ہے۔ عادات و اطوار کے لحاظ سے شکل و شمائل کی یکسانیت کی وجہ سے یہ دونوں ملک زیادہ مختلف

چین اور جاپان

نہیں ہیں۔ مذہبی اور نسلی اتحاد بھی دونوں کو ایک کرنے کے لئے موجود ہے۔ عمدہ رہائش میں بھی چین اور جاپان کے تعلقات دوستانہ تھے اور ان کا سلسلہ جاری رہتا اگرچہ چین نے کوریاء پر قبضہ کرنے کی دھمکی جاپان کو نہ دی ہوئی کشیدگی بڑھتی گئی اور ۱۹۱۲ء میں ایک نئے قمری جنگ ہوئی جس کے بعد تعلقات اور خراب ہو گئے اور چین نے روس سے معاہدہ کر لیا جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ ۱۹۱۲ء تک ایک دوسرے کے رویے میں کوئی فرق نہ آیا اور ایک نے دوسرے کا نقصان نہ نظر رکھا۔ ۱۹۱۲ء چین کی تاریخ میں انقلاب کا سال ہے جو خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور شہنشاہی کی بربادی اور کھربہ رویت کا محل تیار ہوا۔ سن یات سن جو انقلابی جماعت کا رہنما تھا صدر کے معزز عہدہ پر پہنچ گیا، اس کی انتظامی قابلیت نے چین کی ترقی کے ذرائع سوچنے شروع کئے، اس نے دیکھا کہ چین اور جاپان کی دشمنی چین کے لئے نفع بخش نہ ہوگی۔ وہ جاپان کی دوستی کو کسی قیمت پر خریدنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے منچوریا کا علاقہ دیکر جاپان کو راضی رکھنے کی خواہش ظاہر کی، اس کے انتقال کے بعد اس کے جانشینوں نے ایک نئی پالیسی اختیار کی جس میں جاپان سے اختلاف نہ نظر تھا۔ اور بول چین بھر جاپان سے دست و گریہاں ہو گیا۔

۱۹۳۱ء میں منچوریا کا سوال پیدا ہوا جس میں جاپان نے اپنے مقصد کی کچھ نہ کچھ تکمیل کر لی۔ دوسری طاقتوں کی دھمکیوں اور بین الاقوامی لیگ کی استدعا کا بھی کوئی اثر جاپان

نفاذ وہ کام میں لایا گیا۔ جاپان کے سامنے یہ واقعہ موجود تھا جب اس نے چین کے ایک حصہ پر حملہ کر کے جاپان کی حکومت میں مدغم کر لینے کی کوشش کی وہ یورپ کی مثالوں اور مغرب کی سیاست کا نازک نگاہ نقاد ہے اور ہر معاملہ میں انہیں سامنے رکھتا ہے۔ آج بھی اس کے لئے بہانہ موجود ہے اٹلی نے اپنی سیغیا کی کمزوری کو اپنے لئے ایک عطیہ قدرت سمجھا اور جاپان جانتا ہے کہ اسے بھی جب موقع ملے گا وہ اسی حکمت عملی کو بروئے کار لائے گا۔ اٹلی کا یہ اقدام نہ صرف اس عالم پر ایک کاری ضرب ہے بلکہ کمزور اقوام کے لئے پیام نفا کی گھنٹی۔ مغرب ہی نے شاملین قائم کر کے جاپان کو اس کا موقع دیا ہے اور مغرب ہی جاپان کی حوصلہ ندیوں کا گلا گھونٹ دینا چاہتا ہے۔ جیوا لنگ کتنی ہی اس پسندی طلب اور جبر قہر بھی اپنے شریف اور اعلیٰ خیالات کا واسطہ ہے لیکن جنہیں اپنی ترقی کی فکر ہے وہ اس طرح باز نہیں آتے جاپان نے بنگ کو لرزہ بر اندام کر دیا اور مغرب میں ایک بلبل سی پیدا کر دی وہ جن مقاصد کا علمبردار ہے ان کو حاصل کرے کے لئے وہ رستہ کے نسب و ذرا کو مٹا اسی حد تک جگہ دے گا جہاں اس کی طاقت جواب دیدے گی لیکن اپنی مالی حالت درست کرنے کے بعد جاپان آخری مشکل بھی حل کرے گا۔ اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ مستقبل دیب میں جاپان اپنے نصب العین کو عملی حمار پہنانے کے لئے کونسی راہ اختیار کرے گا۔

صدائے احتجاج بلند کی گئی کاغذ نس میں جاپان کے نمائندے نے اپنی ساری قوت اپنے حقوق کی حفاظت اور تناسب کے بڑھانے پر صرف کر دی لیکن ۵:۵:۳۰ سے آگے بڑھنا نہ سکا۔ اب ضرورت یہ ہے کہ ان تمام گزشتہ صفحات سے آسانی کے لئے وہ باتیں نکالی جائیں جن سے حقیقتاً جاپانی نصب العین کا پتہ چلتا ہے۔ جاپان ایشیا میں سرداری اور سر فرازی چاہتا ہے۔ جاپان چین میں اپنا اور صرف اپنا اثر چاہتا ہے۔ جاپان کوئی نوآبادی تلاش کر رہا ہے جہاں اس کی بڑھتی ہوئی آبادی پناہ لے سکے۔ جاپان اپنی تجارت کا تحفظ چاہتا ہے جاپان اپنی طاقت مدیٹر ہانا چاہتا ہے جاپان نے خود اپنی طاقت کا اندازہ لگا لیا ہے اور وہ اپنے دست و بازو کو زور آزمائی کے لئے موزوں پاتا ہے۔ علم فن سیاست تہ تجارت و صنعت دولت اور قوت کے لحاظ سے جاپان کسی سے کم نہیں اس کے حوصلے روز بروز بڑھتے ہی جاتے ہیں اور نہیں کہا جاسکتا کہ کہاں دم لیں گے۔

جاپان کو یہ سبق کہاں ملے گا اپنے خوابوں کی تعبیر تلاش کرنے کے لئے وہ قوت کو کام میں لائے جب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں نو ہماری نظر مغرب ہی پر پڑتی ہے جہاں ایسے واقعات کی کمی نہیں سب سے زیادہ بڑی مثال نو انگلستان اور روس کے اس معاہدہ کی ہے جب انہوں نے ۱۹۰۸ء میں ایران کو برابر برقیہ کر لینے کا ارادہ کیا۔ ایران کمزوری کی حالت میں تھا اس کی بے بسی اور بے طاقتی سے فائدہ اٹھانے کا جو سب سے بہتر موقع ہو سکتا

الہامیہ سکدہ

۱۹۳۱ء
جگہ گ کر تاپو ایو ایوان ہیت
پھولوں سے جاہو انگلستان ہیت
سب لوٹ کا مال ہے تہ سر کی تم
یہ فتنہ یہ کو پھیلا یہ سامان ہیت

دنیا ایک تو سیاست ساتی
مذہب تخلیق آدمیت ساتی
الہام ہوا یہ سیکدہ میں مجھ کو
تو بے ذی روح اک حقیقت ساتی

(بادہ مشرق) رساغر نظامی

نورِ اشیا

گوتم بدھ

ذتے ڈرے پر کپل دستو کے چھائی تھی بہار
جام سے بچینیوں سے تھا شراب اندر شراب
حسنِ کافرِ قص میں تھا خم بہر مینا بدوش
زندگی رقصاں تھی بہیم پردہ ہائے ساز پر
عشر تیں تھیں بخودی تھی ٹھکیاں تھیں قص تھا
روح پر چھائی ہوئی تھی مادیت عیش کی
گر مہ عشرت سے ٹھنڈا تھا چرخِ احساس کا

عیش کی تجہید کے پیغام لائی تھی بہار
پھول تھے لالہ بہ لالہ اور گلاب اندر گلاب
عشق سکس تھا گریباں چاک مرستِ ناؤ دوش
رج رہا تھا سازِ ہستی حسن کی آواز پر
چاک کر ڈلا تھا سستی نے گریباں ہوش کا
غرق تھی طوفانِ بیہوشی میں غم کی زندگی
پیکرِ انسان میں رخِ مخاروح کا آتش کدا

دب گئی تھی عیش سے روحانیت انسان کی
بڑھ چکی تھیں سرد سی چنگاریاں ایمان کی

ایک بیک تیری نظر سے ہٹ گئے پرے تمام
رنگ محلوں سے جوڑا "کا کنٹیا چل دیا"
خشک ب جہاں نگاہیں خاک آلودہ جہیں
زندگی تیری نظر میں صفحہ سادہ ہوئی
عشق کا ساغر بنا الفت کا پیما بنا
ساغرستانِ حقیقتِ شستِ عشق کی
طائب حق آم کے باغوں میں ٹھیرا ستان

اب نہ ساقی تھا نہ پیما نہ ساغر تھا نہ جام
چاندنی میں منزلِ عرفان کا جو یا چل دیا
تنہ عینِ ایستیں دیوانہ حق ایستیں
روح تیری خانقاہِ غم کا سب سادہ ہوئی
دل ترا کیف تلاش حق کا میخانہ بنا
اولیں تعمیرِ انوشا کے کناروں پر ہوئی
ہفتخوانِ زندگانی تھے یہ گویا سات دن

اور دہلوا کی فضا میں حق کا گوارہ نہیں
بندھیاں کی چوٹیاں طورِ حقیقت ہو گئیں

اے صداقت کے چمن پروردہ موجِ شمیم
یاد ہے اب تک زمانے کو ترا "عطرِ شمیم"

۱۹۴
اے نورِ اشیا
اے نورِ اشیا
اے نورِ اشیا
اے نورِ اشیا
اے نورِ اشیا

سرد و گرم شاہراہ حق کا مذت حبیب ہے تو
 کامیاب امتحانِ زندگی کرتا ہوا
 عشق سے آیا نرغبتِ ذاکے رمل پر کھجے
 چہر گریگ رگ میں تیری اک نیارِ اوجیت

جو بھگت ہی رہا وہ شعلہ آتش ہے تو
 کامرانِ زندگی و شقی کرتا ہوا
 قدمیں مائل ہوئیں بھروسہ اوہیل پر کھجے
 مائیں میل کے سنجہ کو مل گیا رازِ حیات

حق نہیں ملتا کہ حق کا راستہ ملتا نہیں
 ”دھوڑتے پر آدمی آئے تو کیا ملتا نہیں“

لے محبت کے پیاری رحمہ کے پناہ مبرا !
زندگی کا راز بھی تجھ پر عیاں ہو سب
راج گدھ و شن و اتیری تجذبات سے
دیوتاؤں کے بتوں کو پارہ پارہ دید
تیری طاقت سے ہوا کم اقتدار بہمن
سلطنت تیرے نے اک تودہ خشاکی حتی
جز و اعلیٰ تیرے دین عاشقی افروز کا
نیت نیک و خیال نیک و انداز بخودی
تیرے ساغر میں شہاب شفق ماہی بزم

سہ پہر سجدہ ہوئی دنیا حضور ایشیا
چھ گئی تاریکی عالم پہ نور ایشیا

سے مرے پیارے وطن کے راستے کی مقام
تیار ایک ایک لفظ ہے ایک کتبہ اخلاص کا
امن سزاوارتہ قانون خدا فی کا سے
تیری تعلیمات پر ہندوستان کو نارسے
غص مغرب جہل بے ہوشی میں جب دودھ تھا
جاگ خواب ناز سے اور من کا اکسیت گا
قلم تہذیب نو نے اک فیماست ڈھالی کر
جس شیر سے تو نے آواز دلا کی قی بلند
و دوزخیا کے باتوں سے پھر برہوت
کونا کونا گوشہ گوشہ آواز دہشت غلام

لہندہ
۳۵ سحرہ
۳۵ سحرہ
۳۵ سحرہ
۳۵ سحرہ
۳۵ سحرہ

کر غلامی سے راجہ کو چہرہ مانا ہے یہی
آج ہندوستان میں مغموم نرالا ہے یہی

نظریاتی

قدیم ہندوستان کا بابل

(از مارگریٹ نوبل عرف بہن نوبل دیتہ۔ مترجمہ سید محمد عیسیٰ میرٹھی)

۱۹۶۱

جینسین میٹھے اور بکریاں کھنڈروں میں سے آتی جاتی رہتی ہیں اس کی بہت سی شاہراہیں اب تک بچنے والی ہیں جیسا کہ زمانہ بعید میں ہوں کی بطور مثال ایک وسیع سڑک سیدھی چلی گئی ہے جس کے وسط میں قدیم محل کی دیواروں، بلند دروازوں اور برجوں کے نشانات ملتے ہیں۔ محل کے باہر شاہی باغات کے آثار موجود ہیں جن کے حیرت انگیز چشمے اس وقت تک اپنی اصلی صورت میں پائے جاتے ہیں۔ اس تمام کوہاڑی محلے اور اس دورہ میں جو اس تک پہنچا تا ہے اب رسانی کی غیر معمولی کاریگری ظاہر ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قدیم قلعہ کو راجاؤں کا مسکن بنانے کا سبب بڑا موجب ہی گرم چشمے تھے۔ ہم جس قلعہ میں مقیم ہیں اس کے نیچے ایک خشک تالاب موجود ہے کسی زمانہ میں اس تالاب کے اندر کنوؤں کے پھول شگفتہ ہوتے ہوں گے۔ اب رسانی کی سائنس کا اندازہ سنل اٹھایا کی ایک اور عمارت سے بھی ہوتا ہے جو اس قدیم راجہ کی دست و پاؤں سے بد تعمیر کی گئی تھی۔ اگر ہندو اپنے آباؤ اجداد پر فخر کریں تو بچانہ ہو گا کیونکہ یہ شان و شوکت سے یہ لوگ اتنے قدیم زمانہ میں زندگی بسر کرتے تھے اس کی مثالیں ملتی ہیں وہ زمانہ تھا جبکہ شمالی اور مغربی یورپ کے باشندے پتوں سے اپنے جسم کو ڈھکنا اپنا کرتے تھے۔

دنیا میں چند ہی مقامات اتنے قدیم ہوں گے جتنا کہ شہر راج گیر ہے اور جس کے متعلق اس قدر صدقات کا علم ہم تک پہنچا ہے۔

گوتم بدھ راج گیر میں

غالباً ۵۵۰ قبل مسیح کا وہ مبارک سال تھا جب سامنے والی وادی میں ہوتا ہوا اس شہر میں وہ شخص داخل ہوا جس کا دل احساس اور خیالات سے بھرا ہوا تھا اور جو عام دنیا سے بلند ہو کر تاریخی بیداری عالم میں پیدا کر گیا۔

صبح کے اٹھانے وقت میں غالباً گوتم نے اپنا قدم اس شہر میں رکھا ہو گا۔ وہ کسی انداز سے آیا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک ننگا زمینہ اس کے کا نہ ہے پر سوار تھا۔ اور سیکڑوں بھیڑوں کے سموں کی آواز اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ اس کا دل فدا ترسی اور رحم کے جذبات سے بھرا ہوا تھا۔ بکریوں کے اس گلہ نے جو شاہی مذبح میں جا رہے تھے گوتم کے دل میں جذبات کا طوفان برپا کر دیا۔ ان مغذور و مجبور جو پاؤں کو دکھ اور درد شاکھا اور خوشی زندگی اور موت کے جال میں اسی طرح قدرت نے مقید کر دیا ہے جس طرح انسان کو محبت اور غم ان کو بھی انسان کی طرح متاثر کرتا رہتا ہے لیکن ان کی پیرزبانی نہ تو

”مارگریٹ نوبل ہندوستانی تہذیب و تمدن کی بہت دلداد تھیں۔ آپ نے ہندوستان اگر قدیم ہندوستان کا گہرا مطالعہ کیا۔ اور اس موضوع پر چند کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔ رام کمرن دوہیا کا نیشن کی آپ خاص دیکھیں صوبہ بہار جو گوتم بدھ کی تبلیغی جدوجہد کا گہوارہ تھا۔ قدیم ہندوستان کے بعض قدیم المثل آثار کا اب تک مخزن ہے۔ ذیل کا مضمون اسی صوبہ کے قدیم ترین شہر راج گیر سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس میں مصنف نے اپنے تاثرات کو نہایت لطیف انداز میں ظاہر کیا ہے۔ قارئین کی خدمت میں اس کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔“

ہماری رہائش کا مکان جو چند ہفتوں کے لئے ہمیں مستعار دیا گیا تھا۔ ایک پہاڑی گوشہ میں کسی قدر بلند پر واقع تھا۔ پہاڑی خط مستقیم کی طرح سیدھی بندھتی چلی گئی تھی۔ اور جلسے قیام تک پہنچنے کے لئے ہمیں سڑکیوں کے طویل اور بظاہر لامتناہی سلسلہ کو طے کرنا پڑتا تھا کوئی شخص اس بلند مسافت کو طے کرنے کے بعد جب اس عمارت تک پہنچے تو اس کو سٹائیاں پیدا ہونے لگیں کہ اس جگہ چھوٹے چھوٹے خود مختار راجاؤں کا مسکن ہو گا جو بندوق کی زندگی بسر کرتے ہوں گے۔ لیکن درحقیقت یہ راجگان ان کا قلعہ تھا۔ عمارت کے دو حصے تھے۔ اندرونی حصہ کو بیرونی حصوں سے بچانے کے لئے سنگ دیواروں سے محصور کر دیا گیا تھا۔ اس کے اوپر وسیع اور ہوا چھتیں بنائی گئی تھیں۔ باہر کی جانب چند کمرے تھے جو ایک کھلے ہوئے صحن کے دونوں جانب تعمیر کئے گئے تھے۔ عمارت کے طرز تعمیر سے ظاہر ہوتا تھا کہ زمانہ وسطی میں اس کو بنایا گیا ہے لیکن سب سے زیادہ دل فریب بات یہ تھی کہ یہ مقام پچیس بائیس صدیوں سے متواتر انسانی بود و باش کا مسکن چلا آتا ہے۔ وہ طویل زینہ جس کو طے کرنے کے بعد ہم پہاڑی کے دامن تک پہنچتے ہیں یقیناً قدیم راج گیر کی فصیلوں کی بنیادوں پر تعمیر کیا گیا ہو گا۔ اس پہاڑی زینہ کے دامن میں بے بیچ رستہ ندی سے مل کر خندق کی شکل بناتا ہے۔ سامنے کی طرف راج گیر کے گرم چشمے اور مندر دکھائی دیتے ہیں جن کو ایک ٹیڑھا زینہ چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور جواب تک ہندوؤں کا تیرہ ہے۔

ہماری پشت کی جانب دو فلائنگ کے فاصلہ پر یہ پہاڑی دائرہ بناتے ہوئے ایک جانب کو مڑتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں راجاؤں کے اس قدیم شہر کے کھنڈروں میں کھنڈروں کے آثار اس قدر صاف اور ہر ایک حصہ اس قدر نمایاں ہے کہ تلاش کرنے والی آنکھ آسانی کے ساتھ بازاروں کے خطوط دیکھ سکتی ہے۔ گلی کوچوں اور شاہراہوں کے نشانات صاف نظر آتے ہیں اور بلا خوف تردد کہا جاسکتا ہے کہ زمانہ کے انقلاب نے ان کے محل دفن میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے۔ ابھی جہاں آجکل وزانہ سینکڑوں گائیں

۱۹۶۱

ستمبر و اکتوبر ۱۹۶۱ء

منترک نمبر

ایشیا میرٹھی

ان کی پریشان حالی کو ظاہر کرنے دیتی ہے اور نہ وہ اپنی مائی کی تہ پر سوجھ سکتے ہیں یقیناً ان بے زبان محسوس چوپایوں نے اس کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہوگا۔ کیونکہ حیوانات کی عقل حیوانی اس خاموش محبت کو فوراً پہچانتی ہے جو ان کی زندگی اور آزادی کو چھیننا نہیں چاہتی۔

راج گیر کے آثار

ایک بند دروازہ کے کھنڈراب تک موجود ہیں۔ غالباً گوتم بدھ اس میں سے ہو کر شہر میں داخل ہوئے ہوں گے۔ شہر کو دو ندیاں گھیرے ہوئے ہیں۔ بائیں جانب کی ندی پر پانی کاٹا گیا تھا جس کی سیرت انجیل کی میری گلدان سے ملتی جلتی ہے۔ ایک راستہ دریا تک جاتا ہے۔ کنارے پر اشنان کا قدیم گھاٹ ہے۔ پہاڑی وسطی حصہ میں ایک غار ہے جو سنا پھنڈار کہلاتا ہے۔ اس میں ایک بہت قدیم استوپا اب تک موجود ہے۔ شہر کے بیچ میں ایک منار ہے جس کو فاطمہ نے منسکۃ میں دیکھا تھا۔ غار قدیم راجگیر کا شاہی مندر ہوگا۔ غار کے باہر ایک چوراہا ہے اس میں شاہی موروں کو دانا کھلایا جاتا تھا۔

گوتم نے جب دنیا کو ترک کیا تو اس وقت گدھ سلطنت کا راجا بمبھار تھا۔ اور

گوتم کے انتقال کی وقت اجات شتر و گدھی پٹھو چکا تھا۔ شہر کی قدامت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ اجات شتر و سے تقریباً ۵۰۰ سال قبل تک یہ شہر قدیم راجگیر کی بنیادوں پر قائم رہ چکا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ خود بدھ کے زمانہ میں شہر راجگیر کی قدامت کی تعریف میں آچکا تھا راجا جات شتر و جو اپنے باپ بمبھار کا قاتل بھی تھا قادم راجگیر کو ترک کر کے نئے راجگیر میں بدلا گیا۔

راجا اشوک نے اپنے زمانہ میں نئے راج گیر میں ایک اسٹو کا تعمیر کیا اور ایک ستون قائم کیا جس پر کچھ کتبے کندہ تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اشوک کے زمانہ میں راجگیر کی آبادی بہت گنجان تھی۔ کیونکہ کتبوں کے ذریعہ جو شاہی اعلانات کیے جاتے تھے وہ صرف ان شہروں کے لئے مخصوص ہوتے تھے جہاں کی آبادی کثیر ہوتی تھی۔ قدیم راجگیر کے کھنڈروں میں گوتم بدھ کی غیر فانی آواز کی بازگشت اب تک سنائی دیتی ہے۔ گوتم راجگیر میں کیوں آیا؟ کیا وہ ان دو دان پندتوں سے ملاقات کی غرض سے آیا تھا جو کسی راجوستانی کے ارد گرد آباد ہو جاتے ہیں؟ کیا زمانہ مابعد کی شہو نا اندہ یونیورسٹی اس وقت بھی یونیورسٹی ہی تھی اور گوتم وہاں گیان حاصل کرنے گیا تھا؟ نہیں! اس شہر میں آنے سے قبل ہی اس کا دل مرفان حقیقت سے متور ہو چکا تھا۔

ساتی سے خطاب

بے پیکر عیش و کامرانی ساتی
تجھ میں ہمنستی ہے زندگانی ساتی
جام و ساغر پہ تیرا دم سے ہر منبتا
تو ہے پختہ کی جوانی ساتی

ساغر نظامی

یقیناً پریا کا عالم ساتی
اللہ یہ زلف برجم ساتی
سامان جو یہ تو ایک دین سیار
لہرے کا سیکرہ کا پچھرا ساتی

(بادۂ مشرق)

موت کی غلطی



ہیں کسی دن تینا کے لغو عہدیت کے ساتھ تاجو سے آملوں اور مجھے وہ
ابدی نظم جھوم جھوم کر اس مہ پارہ کے سامنے خاؤں جس نے لطیف نقوش پاؤں
کاگر کے پلے نشانات سے تالاب کے کنارے کنڈل زار بنے ہوئے ہیں۔
زندگی نے ایک سرد آد بھری اور بولی۔

بہو فانی اور انسان! شاید مترادف الفاظ ہیں میری گو دہیں تیری طفلی نوجوانی
اور جوانی نے اپنے وہ تمام مدارج طے کئے جن کا جزو اجزوا بیان بجائے خود ایک
تصویری سلسلہ ہے تیرے تبسم کو میں نے سمندروں کی آخری تہ میں پرے سے سو
موتوں سے ضو حاصل کر کے جلادی اور اس کو وہ شیرینی عطا کی جس کا بچا
چکے سکتی ہیں۔ داؤد کے مقبرے میں صرف تیری خاطر زہشتوں کی ایجنڈات
کے ساتھ گئی اور جب داؤد کا لحن ایک سردی نغمے کی طرح ابدی جھولے میں
ہزاروں زم زموں کے ساتھ جھول رہا تھا میں نے اس کو چرا لیا اور تم موجود
کی آنکھیں تہ بجا کر چپکے چپکے میں تیرے سر لے آئی اس وقت تو اپنے اندر
کی آغوش میں امواج حسن کی کود میں مسکراتے ہو ایک خوبصورت نیند لے رہے
میں نے ایک بوتل کے ذریعہ تیرے حلقوم میں اس سخن کو ڈال دیا میں تیرے
لئے غلام کا شباب لائی اور فرشتوں کی بزرگی آہ میں نے تیرے۔۔۔
کیا کیا نہیں کیا میں تیرے لئے قابل رشک ماحول لائی وہ ماحول جس میں
سُن اپنے لچکیلے نفس کے ساتھ گناہاں تھے اور معصوم عشق اپنے تیرے۔۔۔ ان
توڑے ہوئے سانپ کے قدیموں میں آنسو پھانٹا تھا جہاں ہر نفس نغمہ ہے وہ
ہر نغمہ گلوں کی دنیا۔۔۔ میں نے تیرے دل کو ابدی اضطراب بخشا
اور دل سے جلوہ گاہ حق تک ایک استوار راہ نکالی اور اس راہ میں ہزاروں
لپچے پیدا کر لئے تاکہ تو ذرا اس بھول بھلیاں کا لطف ہی اٹھائے اور پھر تجھ کو
وہ قوت بخشی کہ ان راہوں پر مدانہ و اسفر کرے قطع منازل کے بعد تجھے اس
جلوہ گاہ میں بھی پہنچا یا جو شہت اور عزت کی جلوہ گاہ ہے کامیابی اور کامرانی
کی جلوہ گاہ ہے اسے میرے معصوم شاعر! مگر تو نے میری قدر نہ کی
اور مجھے چھوڑ کر موت سے ہم آغوش ہونا چاہتا ہے، مجھ سے یونانی کرتا چاہتا
ہے کاش تجھے معلوم ہو سکتا کہ میں تیرے لئے اور تو میرے لئے ہے۔

شاعر نے زندگی کو جواب دیا۔

نہیں میں تجھ سے یونانی نہیں کرنی چاہتا تیری عنایات کا بھید شکریہ لیکن
یہ تو تاکہ تو نے جو بے جا عطیے عنایت فرمائے کیا وہ مجھے خود ایک نظم نہیں
ہیں۔ تو نے جو صد فی تبسم مجھے بخشا اس نے آج تک مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔

شاعر دم توڑ رہا ہے اور زندگی و موت میں آویزش ہو رہی ہے۔
شاعر زندگی سے کہتا ہے۔

”تو: نوں کیوں ایک ایسے شخص نے لڑ جھگڑ رہی ہو جس کا عدم وجود
برہنہ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو میں نے ملک و قوم اور اپنی کو ان سی
عجیب و غریب خدمات انجام دیں جن کی بنا پر مجھے مزید زندہ رہنا چاہئے لیکن
نہایت ہی ایسی چیز ہے جس کی بنا پر کسی انسان کو دنیا میں زندہ رہنے کو حق محسوس
ہو سکتا ہے اور میں مر جاؤں گا تو دنیا کی مشینری میں سے کون سا کین بڑھ
کہ ہوتا ہے۔ میں تو باطل ایک بیچارہ ہوں! سن تو سہی اسے نہ تین پرندگی! کب
تو نہیں بونی کہ میں تیرا نوجوان زرداں ہوں اور باوجود اس نوجوانی کے جسکی خامکاریا
ہی بچتہ رہی کی دس ہوا کرتی ہیں میں نے تیری پہچان کوئی کمی نہیں اٹھا رکھی
اور انکار و رسلت ہے تو انکار کر دے کہ میں نے تجھے اپنے سر پہلے اور بے تاب غموں کے
جزیرہ مدین پرورش نہیں کیا ہے اور ان غموں کے ساتھ بہنے والے جوان
تبسم کے سیلاب میں میں تیری کشتی کو اپنے پریشاب بازوؤں سے کہتا ہوں
عمر کی اس بند گاہ تک نہیں لاپاہوں جہاں موت کی مصیبت دیوی اپنے نیند
کی نوک میں پھید کر ایک معلومہ ابدیت کی طرف مجھے اٹھایا نا چاہتی ہے
بائے دوسے مجھے اس ابدیت کی طرف بھی جانے دے جس کے قفسے مجھے غلامی
کتاہوں کے اوراق اور پوریموں کے خواب ملتے رہے ہیں۔ جہاں کے متعلق بین
یا پناہ نہ کہ ایک جاوہر محشر حیات ہے ابدی زندگی کی ایک قیامت ہے
جہاں غالب سا شام بوجھا ہوا اپنے شعر سنا رہا ہے۔ تان سین سامعنی اپنے
نغمات سے اس ابدیت کے بیروں طرف نغمات کا ایک طلسم بنائے ہوئے
ہے۔ جہاں سُن نے انہی دستق ہے ابدی اور ساری کائنات ایک تقطیل
حیات کا نمونہ بنی ہوئی ہے جہاں اگر زندگی ہے تو بدہ اس زندگی موت ہے
تو۔۔۔ ابدی موت دونوں حالتیں دھپسی سے نالی نہیں لے
میری پیاری زندگی مجھے اس ابدیت میں بیٹھ کر بھی ایک ابدی نظم کہہ دینے دے
جسب یہ ممکن ہے کہ میں اپنی بیاض جو میرے دماغ میں محفوظ
ہے ساتھ لے جاؤں گا اور نہ رہے کہ میرے استقبال میں ایک آدھ غمگین نشان
’دلی اجتماع‘ وہاں ضرور دو گا تو یہ کیوں ممکن نہیں کہ ایک دن جب ’دنیک‘ ہا
نفوس ایک ہمتی بند کے برنائی من میں جم کر رہ گئے ہوں میں اس تالاب
کے کنارے جس کے انوار میری نگاہوں کے شوق کا اعتراض کرتے رہتے

اس کا کوئی جوہری آج تک تو پیدا ہوا نہیں۔ اسے زندگی! اسے عطا کرتے وقت تو ایک شے 'دینی' بھول گئی۔ اور داؤد کے مقبرے میں ہاگر جو یہ توچر الائی پھر میرے حلقوم میں کھلا دیا وہ میرے لئے ایک حقلِ عذاب ہے! اسے اپنے لذت اور مسکربوئے کے ساتھ دیتے ہوئے جی تو ایک پسند فراموش کر گئی۔

قابل رشک، ہول، ایسی کو بھی اُس پر رشک نہیں ہے جسے تو قابل رشک کہہ رہی ہے اور جسے نہ اُس کے بیوقوف ہونے میں کم از کم مجھے شک نہیں ہے میرے خیالوں میں ناچنا گانا، میری آغوش میں نہیں، وہ عشق جس کو تو محسوس نہ کر رہی ہے اس کی سسپہ کاریاں مجھ سے پوچھ اس کہنت سے تمام تیرا دیوری کمان صرف میرے دل میں پیوست کر دی، اور بیکار پڑا ہوا میرے ٹوٹے ہوئے موٹھے پر خراٹے لیتا رہتا ہے میں تو چلاؤ اسے سنبھال رہی غارت گر! اور وہ تیری جلوہ گاہ حق! معاذ اللہ وہ تو ایفونی کی کوٹھری سے بھی بدتر ثابت ہوئی، وہاں کوٹھری میں ایک جبر عذوق جاتا ہے یہاں تو کچھ بھی نہیں! نہ تلخی ہے نہ شیرینی، اور شہرت، اور عزت! تو توبہ توبہ تو ہے تو بڑی خطیبہ! یہ شہرت جو اخبارات و رسائل میں تصاویر اور تذکرہ شائع ہوئے اور بے روح مجلسِ شمعین و ستائش تک محدود ہے، فہم تو کبھی صبح سویرے میرے کمرہ پر نہیں آئی جب لالہ جی قلعے کے لئے آتے ہیں اور خدا معلوم تو اُس وقت رضا شاہ کا تاج یا میرے لئے مصطفیٰ کمال کی تلوار چراتے چلی گئی تھی یا ایران سے تخت طاووس اُڑانے کی فہم تھی جب میرے نام دوبارہ ریفنے کی ڈگری آئی خدا معلوم تو ختام و محافظت میرے لئے ساری فکٹ لینے جاتی ہے یا کپڑے اور شیشے کی رگوں کے پاس اعترافِ نات لکھوانے کے لئے، جب میں صبح سے شام تک قرنداروں سے وعدے کرتا ہوں وہ سب از سر تا پا غلط ہوتے ہیں۔

”نہ میرا تو چھوڑے بر خود غلط عورت! تو نے مجھے کچھ نہیں دیا اپنے جہنم میں جھونک دیا۔“

تو جیسا اسی وقت منظور تجھ کو معلوم ہے کہ میں یا مہاجن بننا چاہتا ہوں یا پیغمبر
 تو نے باوجود اس کے کہ مجھے داؤد علیہ السلام کا عمن پر کر دیا مگر میں پیغمبر نہیں
 بن سکا، پھر کیا داؤد علیہ السلام کے متبر میں داخل ہو سکتی ہے جہاں پہلے
 فرشتوں کی ایک فوج متعین ہوگی، وہ عہدہ "عورت" اسپیرٹل منیک "میں نہیں
 جاسکتی جہاں صرف ایک روحانی شکار بن دوق ادریک رنگ آلودہ تلم لکھا ہوا
 زندگی بنی اور شاعر کے بازو میں چکی لیکر لوئی۔

نقص صاحب وہ قرضدار ہو۔ اور موت و فطرص دو چیزیں نہیں یہ جو تیری بہن سیادہ
لبادہ پہنے ہوئے پریشاں ہونے کا شنب لب میرے سر پہنے کھڑی دونوں شانوں
سے مجھے اٹھا لینا چاہتی ہے مجھے اس کے آنے سے اتنا خوف معلوم نہیں ہوتا جگر
قدر قرضخواہ کے شبیریں تبسم اور التجائے منفعل سے کیا ہرج ہے بجائے
اس کے کہ دیوالیہ ثابت ہوں آسان ترین تدبیر اس سے بہت اور لیا ہو سکتی ہے
کہ تیری سیاہ رو بہن کے رقد میں بیٹھ کر یا معاوضہ بدلت لی طرف آمیزش
چھ دیکھو کہ عدالت عالیہ نے کون سا حج نہ حرم میرا تقاب کرتے ہیں،
سب دیکھتے رہ جائیں گے ————— یہی نہیں بہت سی
عقلوں سے آزاد می ممکن ہے متفکّر دماغ خود دل کے ساتھ ہر ڈاک میں لفافوں پر
”حضرت“ ”مولانا“ ”مصورقسط“ ”شاہ انقلاب“ ”مدبراعلیٰ“ اور کم از کم
”مظللّۃ العالیٰ“ کی دستخط سنت سے تو آزادی حاصل ہو جائے گی ۔ روح ن
کر بے تم محفوظ ہو جائے گی جس طرح مکمل ایک دنیا بن گیا یہیں عمر ہی ہو

زندگی پوری ، خاموش ہو جاؤ۔

زندگی :- منہر اگر ان میں سے ایک بھی میرے شاعری حریف نہ ہو تو میں ان باہوں کو گراہوں گی خواہ قدرت اس گستاخی کی عوض میرا تمہاری بیوی سے ————— یہ دیکھ ملک کیا چپ رہے گا یہ نہایت رو بہا نہ ہیں یہ ہفتہ دلی ہیں ————— یہ مانتا ہے یہ ————— یہ الٹی نفع دیا ہے :-

موت۔ تم پر نزع کی حالت طاری سے درتم جبر کئے جاتے ہو، شاعر اچھا تو دیو یا
جابر ہے اس مقدس امر جاودان کو قید ریش و شخصیت اور ڈکیر شپ سے کوئی
تعلق نہیں وہ دنیا جہاں لئے تم تیار ہو رہے ہو مذہبی تصور ہی کا نتیجہ اس
لئے سب کچھ وہیں مذہب کے ماتحت ہے سلطنت میں شاہ کا یاد دہر ہو سکتا
ہے۔ ————— یہی کہ اپنے شعر کے اوپر تم کے ساتھ ایک سلطنت
کو سنائے افلاطون نے بھی نویسی کہا ہے کہ سلطنت میں شاعر کو کوئی درد نہیں؟

آبادہ نہیں۔ البتہ اگر تم امدیت کا "ذیرِ مال" مجھے بنا دو اور یک ہزار سال کی تنخواہ پیشگی اسی وقت دید و تہ حاضر ہوں!

دوسری شرط یہ ہے کہ اپنے عقائد کی آزادی اور اشاعت میں میری کسی کامفید نہیں رہوں گا۔ مثلاً دوزخ کے دوستوں کو اپنے محل میں گاہے بگاہے بلانا حضرت عیسیٰؑ ت ان کے فلسفہ اخلاق اور جنگ الی سینیہ و حبش پر گفتگو وغیرہ۔ بولو! راضی ہو۔

موت۔ کیا؟

ہم کی فرب کلبیان

(فکر تازہ از سید محمد عسکری طباطبائی بی اے)

عسکری صاحب کی ایک تازہ غزل مع مکتوب نواب جعفر علی صاحب اثر لکھنوی مشترک نمبر کی زینت کی جاتی ہے، غزل حقیقی قلبی تاثرات پر مبنی ہے۔ اگر خیال و بیان مجھے قدرت ہوتی تو میں اس غزل کے ان اشعار پر ضرور مسرُضتا جو تحسین و ستائش سے بلند ہیں، اور ان کو صرف وہ نفوس سمجھ سکتے ہیں جن کے دل پر تپتی ہے اور جو زندگی کی نہایتوں کو بھی چھوڑ کر دور نکل آئے ہیں۔

شوق کی صبر آزما وادی میں تھک کر رہ گئے انجم و پرویں کو اپنا ہم سفر سمجھا تھا میں
بجھ کو حیرت ہے کہ عسکری لکھنویت سے کس قدر بلند اور بے نیاز ہے۔

خونِ ذوقِ پائمالی ہے چمن اندر چمن تختہ گل کو کسی کی رہ گزر سمجھا تھا میں
اور گواں شمر میں ہلکا سا مشامِ رنگ لکھنؤ کا پایا جاتا ہے مگر جذبات کا رنگ اور جھک لکھنوی نہیں ہے، بجائے تصنع کے شعری تاثر کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے
آنکھ کھلتے ہی اسیرِ حسرت پرواز تھا دام کے حلقے تھے جن کو بال پر سمجھا تھا میں
اسکے علاوہ بھی کئی شعر اس غزل میں ایسے ہیں جنہیں بے تحاشا انگنائے کوچی چاہتا ہے۔

اس غزل کے ساتھ ہی جناب اثر لکھنوی کا مکتوب گرامی بھی عسکری صاحب نے ارسال فرمایا ہے جو بجا خود ایک شعر منشور ہے اور جس کے لفظ لفظ سے ناظر کے عمیق ذوق مطالعہ اور نباضِ فطرت ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

ساغر نظامی

مکتوب اثر

۲۰۲

غزل دیکھی بہت پسند آئی۔ خدا کرے یوں مافیہ ما ترقی کرو۔ دراصل صلاح کی ضرورت نہ تھی، کہیں کہیں ترمیم تجویز کر دی ہے۔
آج کل پہاڑی مقامات کا دورہ کر رہا ہوں، مناظر کی رعنائی اور تنوعِ حدیبیان سے باہر ہے۔ مہوت کر نیوالے، مسحور کر نیوالے میں۔ ہر پھول خدا کا ایک حسین معبد ہے، اعضا و جوارح کیلئے نہیں بلکہ روح کیلئے۔ جبین اور ہونٹوں کیلئے نہیں بلکہ دل اور نظر کے لئے۔ اُس وقت ہر سانس میں نماز اور ہر نگاہ میں سجدہ ادا ہوتا ہے۔ انسان خدا سے نزدیک اور ابد سے ہم آغوش ہو جاتا ہے۔ دل کو وہ سکون و سرور محسوس ہوتا ہے جو کسی متوالی کرنے والی چیز میں نہیں، شراب ہو کہ ماورائے شراب۔ روح کی کثافتیں دہل جاتی ہیں، گناہوں کا رنگ دور ہو جاتا ہے، فانی و باقی کا امتیاز مٹ جاتا ہے۔ آنکھ اٹھی اور اشارے ہونے لگے، ہاتھ پھیلائے اور کوئی ہمکنار تھا۔ ان مقامات پر دُعا مانگنا گناہ ہے، آرزو جرم ہے، ان کا خیال ہی نہیں گزرتا، پرچھائیں بھی نظر نہیں آتی۔ نظارے کا جواب نظارے سے ملتا ہے چھوٹ پر چھوٹ پڑتی ہے تجلی تجلی میں جذب ہو جاتی ہے۔ انسان اپنے کو نہ عظیم سمجھتا ہے نہ حقیر بلکہ ہستی محدود کا جزو بن جاتا ہے جو ہر قید سے بالا ہے

افسوس اُن کیفیات کا اعادہ ناممکن ہے جو دل پر طاری ہونی ہیں۔
مجھے اُن شاعروں پر ہنسی آتی ہے جن کا دعویٰ ہے کہ ہم مناظر قدرت نظم کرتے ہیں، جھوٹ، بالکل جھوٹ، فطرت کی گہرائیوں تک پہنچنا تو دکنار
اُسکے ظاہری حسن و جمال کا ایک شمر نہیں بیان کر سکتے۔
خیر طلب۔ اثر

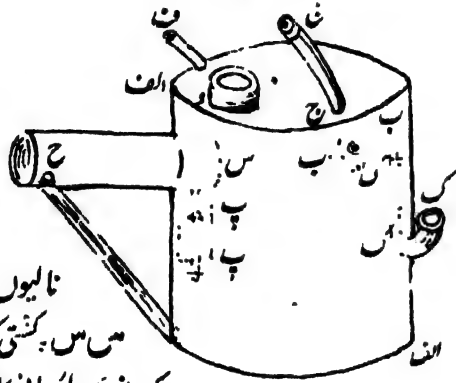
حلقہائے رنگ تھے، گلہائے سبب تھا یہ
دامِ نظارہ کو فردوسِ نظر سمجھا تھا میں
راہ میں تیری خرد کو باخبر سمجھا تھا میں
آپ تھا گمراہ جس کو راہبر سمجھا تھا میں
دامنِ تر دامنِ گلچیں کو شرمائے لگا
چشمِ خونا بہ فشاں کو بے ہنر سمجھا تھا میں
وائے ناکامی کہ یاں تک بھی پہنچا کا دمِ دل
جاں بقدرِ التفاتِ یک نظر سمجھا تھا میں
بعدِ آشوبِ شبِ غم، مہرِ عالمِ تاب کو
شعبِ کے رخسار پر اک اشکِ سمجھا تھا میں
ایک حشرِ شور و افزا، ایک طوفانِ ابد
زندگی کو داستانِ مختصر سمجھا تھا میں
شاہدِ انِ نگِ نگ و نو بہارِ انِ جمال
غنیہ و گل کو حجابِ باتِ نظر سمجھا تھا میں
میکدہ انداز تھی، نور و زگلش کی بہا
ہر کلی کو ساقیِ زریں کر سمجھا تھا میں
آنکھ کھلتے ہی اسیرِ حسرتِ پرواز تھا
دام کے حلقے تھے جن بال پر سمجھا تھا میں
پر تو خورشید سے روشن ہے شبِ غم کا ضمیر
دل کے آئینے میں تجھ کو جلوہ گر سمجھا تھا میں
خونِ ذوقِ پائمالی ہے چمنِ اندر چمن
تختِ گل کو سیکلی رگِ بذر سمجھا تھا میں
جلو ہائے مہر و ماہ و چشمکِ برق و شرار
ہو بہو تیرے اشاراتِ نظر سمجھا تھا میں
اُن شہتِ پِجراں کی جنوں افزا
چودھویں کے چاند کو داغِ جگر سمجھا تھا میں
شوق کی صبرِ آزما وادی میں تھک کر گئے
انجم و پرویر کو اپنا ہنر سمجھا تھا میں

آبدوز کشتی کی ایجاد

بہت جگہ ہی کی سی چال رہتا تھا وہ اپنی حرکت کے کشتی کو آئے چلا تا رہتا تھا لیکن آبدوز کی کشتی پانی پر اچھی طرح چلتی تھی۔ اندرون سمندر پوجہ کی طاقت محکمہ کے اتنی اچھی طرح نہ چل سکی۔ ۱۷۸۹ء میں نیاہادہ چارلس والی ہیری کیسل کے لئے ایک نئی طرز کی کشتی تیار ہوئی۔ مگر یہ محض ایک غوطہ زن کشتی تھی۔

۱۷۸۹ء میں شہزادہ چارلس آتھامبی کیسل کے لئے آبدوز کشتی تیار ہوئی تھی۔

حرف الف - لکڑی کا ٹب۔ باب - پنکھا جس سے ہوا جج نالیوں کے ذریعہ ان رہائی دے دے اور اس میں کشتی کو پانی میں غوطہ دینے یا غرقاب کرنے کے لئے بانی کلاؤن بھرنے کی نالی - ح - وہ سوراخ جس کے ذریعہ دوسرے جہازوں پر گولے پھینکے جاتے۔ پ - پاء - پچکاری یا پمپ۔ ف - فاضل ہوا کے اخراج کے انزاج کے لئے نالی۔ ک - ک - ہر دمپٹر۔



۱۷۸۹ء میں سٹرسمنس (Sturges) نے ایسی آبدوز کشتی تیار کی جس میں چمڑے کی بہت سی منہ شکنیں تھیں اور کشتی کا نیچے کا حصہ کھلا ہوا تھا جب شکلوں کے منہ کھول دیتے جاتے تو پانی ان میں پھر جاتا اور کشتی ڈوب جاتی۔ آپ تواروں کے ذریعہ کشتی کو سمندر کے اندر چلا یا جاتا تھا جب سطح آب پر آتا منظور ہوتا تو شکلوں کو ہاتھوں سے دبا دبا کر ان کا سبب پانی نکال دیا جاتا۔



۱۷۸۹ء میں یہ غوطہ زن کشتی تیار ہوئی اس میں حرف جج جج لکھدار سردوں کے توار ہیں اور حرف دج دج کی سر بند شکنیں ہیں۔

امریکہ کی جنگ آزادی کے دوران میں بشنل (Bushnell) نامی ایک امریکن نے ایسی ایک کشتی بنائی جو ایک جنگی جہاز کو ڈالنے میں قریب قریب کامیاب ہو گئی تھی اس میں یہ ترکیب رکھی تھی کہ نیچے کھول دینے پر اس میں پانی بھر جاتا تھا اور یہ غرقاب ہو جاتی تھی۔ جب اوپر آتا ہوتا تو اس میں پہلے سے رکھا ہوا کچھ وزن ہوتا تھا وہ کشتی میں سے نکال دیا جاتا تھا اور کشتی اٹکی ہوتے ہی اوپر پانی کے آجاتی۔ اس کشتی نے ایک انگریزی جہاز کے نیچے آکر

بنا بعد میں خواہ کشتی ہی ترقی کوں نہ کر لے لیکن اولیت کا سہام وجد اول ہی کے سہارے رہا ہے اور زندہ جاوید اس کا نام رہتا ہے۔

آبدوز کشتیوں کی ایجاد کے بارے میں بھی متذکرہ بالا کتبہ اسی طرح صحیح ہے اور ایجادات عالم کے لئے حلالہ جس طرح جہاز اور ہوائی جہاز میں مناسبت اور اختلاف ہے اسی طرح ایجادات کی تکمیل اور پیچیدگیوں کے ابتدائی آبدوز کشتیوں کے بہ نسبت آجکل کے آبدوز جہازات باوجود اصولی اور بنیادی مناسبت کے باطل جدا گانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ اس ذیل میں بورن (Bourne) ڈریبل (Drebbel) اور بشنل (Bushnell) کے ناموں کو تاہم پیش پیش اور رکھے گی۔

۱۶۷۰ء میں ایک انگریز بورن نامی نے ایسے جہاز کا تذکرہ لکھا ہے جس میں چمڑے کا استر لگا ہوا تھا۔ اور اس میں کچھ ایسا انتظام کیا گیا تھا کہ جب جہاز کے اوپر کے بیچوں کو کس دیا جاتا تو جہاز میں پانی بھر جاتا یہاں تک کہ وہ غرق ہو جاتا۔ پھر جب جہاز کو سطح آب پر لینا منظور ہوتا تو وہ بیچ ڈھیلے کر دے جاتے۔ اس طرح جہاز کا سب پانی نکل جاتا اور جہاز سطح آب پر نہرنے لگتا۔ لیکن یہ جہاز آگے نہیں چلا یا جاسکتا تھا۔ اس لئے یہ محض ایک ڈوبنے والے ڈول کی طرح تھا۔ اور زیادہ گہرائی میں نہیں جاسکتا تھا، کیونکہ سطح آب سے جو تالیاں تازہ ہوا جہاز کے آدیوں کے لئے لائے میں استعمال ہوتی تھیں ان تالیوں کی لائیاں پر اس جہاز کی غوطہ زنی مضحکہ خیز تھی جس قدر نالی لانی ہوتی اتنا ہی گہرا غوطہ جہاز لگا سکتا تھا۔

۱۶۷۳ء میں جینی تقریباً پچاس سال بعد ایک ڈچ حکیم نے دو آبدوز کشتیاں ایسی تیار کیں جن کے چوڑوں پر چمڑہ لگا ہوا تھا اور بارہ عدد تپاؤں سے چلائی جاتی تھیں۔ البتہ یہ وزنی زیادہ تھیں۔

۱۶۸۰ء میں رابرٹ ہویل (Robert Boyle) لکھتا ہے کہ ان آبدوز کشتیوں میں جو لوگ ہوتے تھے وہ باوجود کشتی کے پانی میں غرق ہونے کے بخوبی طور پر سانس لے سکتے تھے کیونکہ کیمیادی ترکیب پھرنے کی بوتلوں میں ان لوگوں کے سونگھنے اور زندہ رکھنے کے لئے ہوا بھری رہتی تھی۔

اس کے بعد ۱۶۸۵ء میں ڈی سون (De Son) نے راترڈیم (Rotterdam) میں ایک نئی وضع کی کشتی بنائی۔ اس میں یہ ترکیب رکھی کہ پانی جب اس میں اندر بھرا جاتا تھا تو کشتی غرقاب ہو جاتی اور صرف بالائی حصہ کشتی کا



۱۶۸۵ء میں راترڈیم میں جو آبدوز کشتی بنا رکھی تھی بقصد وہ اس کے معاد کے بائے ہوسے کی نالی میں ہے اس میں وسط میں ایک سپرے اور تالوں کے طے چرنے کے لئے ایک کھڑا بنا ہوا ہے اور وہ جس سے کشتی آگے بڑھ کر کرتی تھی صاف معلوم ہوتا ہے۔



بحری حلقوں میں بڑی عزت سے کیا جاتا ہے۔ آبدوز کشتیوں کا کام جو گزشتہ جنگ کے موقع پر ہوا وہ بڑی اور بحری افواج کے کارہائے نمایاں سے کسی طرح کم نہ تھا۔

اُسے اڑانا چاہا۔ مگر خوبی اڑانہ سکی۔ اس ناکامی نے زبردست کامیابی کو دعوت دی نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۲۳ء میں ڈریبل (Drebbel) نے جن اصولوں پر کشتی تیار کی تھی انہیں پر غور کیا گیا۔ اور پورے تین سو سال بعد کینکل طریقوں سے کامیاب آبدوزی کا طریقہ دریافت ہوا۔

ڈریبل اپنی زندگی بھر ”پانگل“ کے لقب سے یاد کیا گیا۔ مگر تین سو برس بعد اُس کا نام زندہ ہوا۔ اور اس کی قدر ہوئی اور آج اسی ڈریبل کے نام کا احترام تمام

سید عنایت علی بی اے (علیگ)

سازِ محبت

دیوانہ بنا دے کبھی فرزانہ بنا دے
تو اپنی نگاہیں جو ندامت سے چھٹکا دے
ہو جاؤں شیمان شکایاتِ محبت
خودِ حسن کی فطرت میں سے دردِ نگہ شوق
ہے گم شدگی لازمہ رہبری شوق
اک اشکِ فاقہوں سرِ دامنِ محبت
نازک سے بہت روح کی پرواز کا لمحہ
دزدیدہ نگاہی سے مجھے دیکھ لے ہے ہو
اللہ سے اُس جلوہ گزہ ناز کے آئیں
ہوتا ہوں یونہی بارگاہِ حسن میں داخل
ہے میکدہ دور اور فضا مستِ محبت
ذوقِ طلبِ دل ہے غرض ہی نہیں کچھ اور

اب قیدِ مراتب نہ رہی عشق میں باقی
وہ چاہے جہاں بزم میں ساغر کو ٹھجائے

ساغرِ نظامی

(بادۂ مشرق)

مشرق کا ایک ڈامنہ گار

آغا محمد شاہ حشر کاشمیری

از غلام علی خاں مانی بی بی بی بی (علیگ)

اپنے مرحوم دوست آغا محمد حشر کاشمیری کے متعلق میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں ایک نمونہ نگار اس دوران میں غلام محمد خاں صاحب مانی (علیگ) کا مندرجہ ذیل نمونہ سید غایت علی صاحب کے توسط سے موصول ہوا جس کے لئے میں غایت صاحب کا شکریہ ادا کروں گا اور صحیح ذوق تنقید کے لحاظ سے بڑی حد تک خوب ہو۔ لیکن اکثر جگہ جہاں مانی صاحب سے اختلاف ہے۔ مانی صاحب آغا صاحب کا مولد امرتسر کو قرار دیتے ہیں اور دوسرے لوگ بنارس، اوائل عمر میں مانی صاحب آغا صاحب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایٹمی کو اختیار کیا حالانکہ میں نے آغا صاحب کی زبان میں ان کے سوانح حیات سے جو انتہائی آزاد بیانی پائی تھی ان میں کہیں آغا صاحب نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ اول اول ایٹروں کی حیثیت سے آئے جرکھاری میں انہوں نے کبھی کبھی بنس بنائی البتہ میڈن کبھی کلکتہ کو جرکھاری نے ضرور خریدا تھا اور میڈن کبھی سے آغا صاحب کی علیحدگی کی وجہ خود ہمارے صاحب جرکھاری نامی صاحب ہمدانہ تھا جس کی ایک شرط آغا صاحب کی لازمی علیحدگی تھی مگر کتبہ میں جب وہ اپنے بھائی آغا محمود کو کہنے دیکر پہنچے اس وقت وہ کافی مستفی تھے اور انہوں نے ملازمت کو پسند نہیں کیا اور میڈن کبھی میں بھیجے جائیں اے ڈرامے ناظرین غلوں میں تبدیل کئے اور اس کا کافی معاوضہ لیا۔

آغا صاحب سے مجھے قربت کا فخر حاصل تھا اور ان کے متعلق میرا مطالعہ ہے کہ وہ نہایت غیور انسان تھے یہ میرے علم میں ہے کہ کئی روز لنگ چیٹ ان کو اپنی ریاستوں میں دعوت دیتے تھے لیکن وہ اپنی آزادی کے مقابلے میں ہٹکاتے رہے۔ مانی صاحب کا یہ کہنا کہ یہ طبقہ ان کا مرئی نہیں ہوا۔ درجہ اعتنائیں۔ جس رات کو کسی شہر میں آغا کا کوئی ڈرامہ کھیلا جاتا تھا۔ باؤس مندر ترین شہریوں سے چڑھتا تھا۔ اس مقبولیت کی بنا پر میڈن کبھی ان کو ایک ہزار روپیہ تنخواہ دیتی تھی۔ مانی صاحب نے آگے چل کر آغا صاحب کا مقابلہ گالز وردی اور برنارڈ شاہ سے کیا ہے۔ بلکہ ان کے مقابلے میں آغا صاحب کو ترجیح دی ہے۔ میرے خیال سے یہ گالز وردی اور برنارڈ شاہ کے ساتھ زیادتی نہیں بلکہ آغا صاحب کے ساتھ عقیدت مندانہ زیادتی ہے۔

آغا صاحب پر تنقید فرماتے ہوئے اقبال کے فلسفہ پر بھی انھوں نے نظر ڈالی ہے اور ان کے اس شعر کا حوالہ دیتے ہوئے اقبال کو دبدبانتی اور حشر کو نظریہ جہد کا انترناویہ ہے حالانکہ اقبال کی شاعری جدید ہے اور جس نظم سے انہوں نے نمونہ میں بحث کی ہے وہ اقبال کی وہ نظم ہے جو نتیجہ تھی رام تیرتھ کی صحبتوں کا۔

مشکر یہ یورپ کے متعلق مانی صاحب نے تحریر فرمایا کہ مختصر نظم ہے حالانکہ وہ ایک مکمل جامع نظم ہے ادبی وہ نظم ہے جس نے آغا حشر کو حشر بنایا اور شاعرانہ حیثیت قائم کی۔

(ساغر نظامی)

ہر غیر زبان کے نئے الفاظ اور خیالات کی گنجائش ہے چنانچہ آج انگریزی زبان آسان مختصر اور عادی ہونے کی وجہ سے تمام مذہب و نیم مذہب دنیا میں بولی اور سمجھی جاتی ہے ظاہر ہے کہ جب غیر ملکی زبان ہم پر اس قدر چھا جائے تو اس ملک کے افکار و خیالات تمدن و معاشرت، مذہب و اخلاق الغرض جماعتی اور روحانی زندگی کا ہم پر بڑا اثر پڑے گا۔ ہم اپنے ملکی و قومی Culture کلچر ادب زبان تمدن اور خیالات سب کو بمذلتی طور گے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہمارے میدان ترقی میں بہت سے روڑے ہمارے سد راہ بنیں گے۔ ہندوستان کی یہی حالت ہے۔ ہندوستان اپنے لوگوں کی قدر نہیں کرتا اور اس طرح آئندہ نسل کے لئے درخت بو کر آبپاشی نہیں کرتا کہ جو وقت پر ایسا بار آور ہو کہ دنیا اس کے گیت گائے۔ یہاں ہمت افزائی نہیں ہوتی بلکہ ترقی کرنے والوں کے راستے میں رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں۔ آپ کے یہاں کتنے (Literary Giants)

لٹریچر و اہل ایک ذخیرہ ہے۔ بہترین دماغوں کے بہترین نتائج کا لٹریچر مجموعی حیثیت سے ہماری زندگی کے مختلف پہلوؤں کے زین و اہم لحاظ کا انکشاف ہے جس میں ہم اپنے ماضی کی داستانیں، حال کے آئینے اور مستقبل کے خواب دیکھتے ہیں اور اسی پر ہماری آئندہ قومی ملکی اور تمدنی نشو و نما کا بڑی حد تک دار و مدار ہے آج ہمارے سامنے یورپ ہاتھوں انگلیں کی حیرت انگیز تر قباں موجود ہیں۔ اس کا راز آپ کو معلوم ہو گا کہ کس حد تک وہاں کے لٹریچر میں مضمر ہے۔ انگلستان اپنی انگریزی زبان کی حفاظت و ارتقاء میں ہر ممکن صورت سے کوشاں تھا اور کوشاں ہے۔ اس نے علوم قدیمہ کو انگریزی کا جامہ پہنایا۔ دوسرے ممالک کے ادب کا اپنے ادب میں خیر مقدم کیا اور اس طرح ملوکیا کہ دوسروں کی تمام خوبیاں داخل ادب کر کے ترقی کے ہزار ہا راستے کھول دیے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی ادب وسیع تر جامع عام فہم اور لچکا رہا ہوتا گیا۔ اور اب اس کا پہلو اتنا فرخندہ رہا ہے کہ اس میں



1900-1901



یہ اقتدارالرسول درانی لاء



سید ابن الحسن فکراہم - اے



سید محمد علی (میدر)



سید محمد علی بی - اے (ملید)

ادبی جنات کتنے شاعر کتنے ڈرامہ نویس اور کتنے انشا پرداز ایسے ہیں کہ جن کی آپ نے
 کماحقہ قدر کی ہو، کتنوں کو آپ نے اُبھارا، کتنوں کی آپ نے ستارش کی، کونسی ایسی بلند پایہ
 ہستیاں ہیں کہ جن کو اپنے ذوقِ سلیم سے چمکا کر دُنیا کی آنکھوں کو خیرہ کیا؟ ذرا اٹھٹے دل
 سے سوچئے تو آپ دیکھیں گے کہ خود آپ کا دل آپ پر ملامت کر رہا ہے وہ قوم جو اپنے ادبِ تمدن
 کے تحفظ و احتیاط کا خیال نہ کرے وہ کیسے اُمید کر سکتی ہے کہ اس کو تہذیب کی صفِ اول میں
 جگہ مل جائے۔ انگلینڈ کو دیکھیے۔ دوسری سر، بر اور وہ ہستیوں کو جانے دیجئے صرف شکسپیئر
 (Shakespeare) کو لیجئے۔ دوسری ایک انسان تھا جو اسٹروفورڈ، برائون
 (Stratford-on-Avon) میں پیدا ہوا اور جس نے دنیا کو گریہ سکول
 میں معمولی تعلیم حاصل کی، لیکن تھا کہ اس کے
 خدا و کمالات اللہ جو ہر قابل کی یہ صورت کہ جو ہمارے سامنے اس وقت موجود ہے بداندہ ہوتی اور
 وہ خاموش و غیر معلوم ہستی کی طرح دُنیا سے چلا جاتا، مگر وہ ہوا محض ملک و قوم کی قدر دانی کی
 بدولت کہ جو جذبہ ادب و نوازی پر پوری مدد تک نبی غنی الیہ، برائن چڑھا کہ آج اس کا نام آسمان
 شہرت پر آفتاب ہو کر چمک رہا ہے۔

علاوہ فارسی اور دغری کے ہندو ہی 'جنگالی گجراتی اور مہٹھی سرف جانتے ہی نہ تھے بلکہ ان میں ناقدانہ قابلیت بھی رکھتے تھے آپ کی فارسی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے خواہش کی ہے کہ کاش وہ شہرہ کی فارسی جانتے، آپ نے تفسیر قرآن، حدیث اور فقہ بھی پڑھی تھی، آپ کے بیترہمہ ملک قوم کی اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کے لئے ہیں، آپ مذہبی تقویٰ سے پاک تھے آپ نے ہندو مذہب کی تاسیخ و تہذیب کے ایجاب میں بھی چند ڈرامے سینما بنوائے (سیتا بنواسا) مدھہ مرلی (سپھر سولہ) وغیرہ لکھے ہیں، سر کے فلسفیانہ خیالات اور مذہبی پختگی کو دیکھ کر بنارس اور الہ آباد کے ہندوؤں نے ان کا لوہا مانا ہے، آپ کے موثر ڈراموں میں امر کی جو دغریب کی دنیا، آنکھ کا نشہ، ہلایا ز اور سراج کا زہر یادہ مشہور ہیں، آپ نے ہم تاجی ڈرامہ بھی قلمبند کیا ہے، جن میں یہودی کی لڑکی، شہ و نمار اکبر اور عشق و فرض بہت مقبول میں عشق و فرض آخری ہندو ڈراموں میں بہمن شاہکار مانا جاتا ہے، جو اپنی نوعیت اور راز کے اعتبار سے اعلیٰ ترین مہارمس کرتا ہے۔

ایک (Genius) زمین فطری ڈرامہ نگار اور ادب ہند کے ممتاز ترین علم بردار نارت کرنے کے کافی ہیں۔ علاوہ ازیں اگر دور حاضرہ کے اثرات اور موجودہ تہذیب کو دیکھتے ہو۔ آنا صاحب کا مقابلہ (Bernard Shaw) برنڈ شا اور نکالز وری (Galsworthy) سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی جذبات نگاری طویل شکستہ سیانی جہت فقرے اعلیٰ ادب پر زور ملے شوکت الفاظ و افہام شناسی اور فطرت بینی طرز "سنا" کی روزمرہ بیان سب دلجو کا خیال طبقہ وسطی کی پستی اور بد بختی کا ردنا موثر نظر آدا اور نکالز وری کی تسخیر آمیز تحریر سوسائٹی کی تصویریں زبان کی کسستگی بیان کا احصاء و جامعیت اور قدرتی مکالموں سے کسی طرح کمابہ نہیں ہیں۔

آپ نے ڈرامہ (Glimax) کا مکمل سے محو ہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ اب انہما ہو گئی آپ اس سے کہیں زیادہ آگے بڑھ جاتے ہیں اس کی خست بڑی بقی اور دلنسن مونی ہے آپ نے جذبات خلاص و زاپ کے برکیز نہایت بخیر اور نمایاں ہوتے ہیں۔ آگے علم جگر دوز آپ کی مظلہ میت اور مستہ عالمی س تو رفتہ آئینہ اور محتاج رہے ہو مونی ہے لاکھ دیکھا گیا ہے کہ لوگ باؤس میں زار و قطار روئے لگتے ہیں آپ کی زبان اور خیالات کی خوبیاں اس وقت بہت معلوم ہوتی ہیں کہ جب آپ دو متضاد کردہ ز کا نصاب پیش کرتے ہیں تو بصورت بلا اور اسیر جس دھڑب اسی ہی مناظر وجود میں آپ کا مذہبی فلسفہ اختیار اور جھکی بڑے مہم میں جھٹ ہو داس میں جگتی کی متعدد مشاہیر وجود میں آپ نے کس خوبی سے ہو دھکل اور حقیقتاً کسی کو جو کما دتھے اور آ رہا دیکھا دما صبا لوط الف بے درجہ جھکی کا رنگ جڑھتا ہے تو کچھ مانتے رہتے صوبہ بات کا انہر رہتے ہیں۔

سیس باؤں ہوا ماہ، نیام ہوا ماس نہ انہیں کا دیا جو اچھو بھی نہ ہیں ایک کلیجہ ہی نہیں انگ انگ لپچا دہن نہ دے جاگ جو یہ ہوے کام آغا نہ جہاں حقیقت ڈرامہ نویس رہتے ہیں ہاں فی شاعری میں بھی ایک کھمبہ غفلت سے مال میں آپ السعراء یقیناً اللغاتوں میں تہنیں ہیں ملکان تہنیں جس نے نفع ان الله على خسران تحت العرش مغالطہ مستمد السعراء آما آپ کا کلام بھوسے طور سے ساق نہیں ہوا ہے اس سے ولی مٹھانے نام نہیں ہو سکتا کہ جاسد ہے آپ کا رنگ غم خنام کے رنگ سے ملتا جلتا ہے۔

آپ کے کلام کا یہ حقہ نہایت کا ہے بن میں آپ کا اعلیٰ معیار بہت دور ہو گیا ہے (Epicurean Theory) اسی کو یہی لفظ ہے خالص ہے اور کبھی تھوڑا سا موجودہ رنگ آ رہوں کہ مکدر نہیں کیا۔ دے ہیں۔

ہو کی کوئی حسامی جہت ہو یہ ہے جس خاندان ویمانہ جب ہو آپ سے مادہ ذہن کی اکثر اہوں میں، بچا ہے فطرت کا بہت ظاہر کی بکد میں ایک مخصوص معنی رکھتا ہے۔ شب مادہ میں آپ تاروں کی چاک کو دیکھتے ہیں۔ رو اور خیال آگے مستند ہیں، بود ناب تمام منظر جھلک ہو اس غلط آتات فہ سے بوجھتے ہیں یہ ناسے میں کہ کوئی نور کے جھلکے ہوئے نقطے کہاں تارے قمر نو نے بجام آتیں بابا حسن و محبت کی نازک اور دل فریب بھینچیں آپ یہ کافی اثر یعنی محبت کی ٹوک کو آپ نے بڑے خوبصورت برائے میں ان کیا ہے کہ ہیں۔

محبت جتنے سانس میں تاروں کی بہت ہے اسی جہت آپ نے ناز عشق کی حقیقت یعنی محبت کی گہرائیوں میں ڈوب رہے کو بستی خوبصورت

فنا رویت کا اس سب خوبی سے بتایا ہے دھڑے ہیں۔ نیاز عشق نے نگل کے عوض سجدہ کجھ ہے یہاں تیز فہم، کھا دین نقش سبس پایا نہ اب کا شوق اور محبت کا سودا آپ نے ناب تمام صرف غالب ہی کی طرح نے غرض نشا دہن، وسیا کو اک گونہ خودی مجھے دن رات باہت خیام کا خیال۔

ابا خراباب زے خوردن ماست خون، دہراہو بہ، گردن ماست کما آب کے اس جذبہ کے مادن نے کہ جو اس عوڑ میں موجود ہے حشر یہ کالی گھٹائیں اور بوہ کا خیال ہم ہیں مٹتے ہو میں سو سیاہ چلا آپ (Optimist) متقابل ہے، ننا کی لے دتی، اب، غمی کے سنا کی نہیں اداں کی ط

سوڑیں، عسا ہوں، لاکھ تاپ میرا ماسکوں میں زہر بھی نہ دے ہو مر تباہوں غاسی یہ آرزو ہے مہری دامن میں کوہ لے اب بھوٹا مایہو نہ اہو یا (W.B. Yeats) دلجو بی شس لے ماہ

I will arise and go now, and go to Innisfree
And a small cabin build there of clay
and wattles made
ڈنات کن رہے ہو با میں یا ہے سے بد اس تہن غم میں رہے دل بوم خوب آپ ایسا حشر لہذا نابا جاتے ہیں۔

جاہیں کے ماں خوش دل دواہ ہماں گھٹس کے میں اسے بری خانہ جہاں آئے بل رہے بن خوب کی یہ انفس اب لمبی تہن کے ماکہ دے ہے نہ نہ حور نہ بھولے، صو کہ بن منہاں جا ماہ، ہاں بلبل دواہ جہاں ہو اکھن لے جو، و شہو ساء (Masefield) اس ملکہ نے بھی ہوئے نیلی مرقع ساتی میں ایک نہان و لٹس ملکہ دلمات اسی ہوئے۔ لہذا

But the loveliest things of beauty God ever
has showed to me,

Are her voice and her hair and eyes,
and the dear red curve of her lips.

اس بعض سے سلاٹ دانی اور صفت نہ، نہ، آما کا مایہ، خون مانی میں غلاما، علاوہ آپ کی نظموں میں سدر بویہ، و مرقع زہر زیادہ ہو ہیں سدر بویہ اوروں جو بل فطرتوں میں شب ابال لے عود، عود، عود لے مانہ یہ تعلیم، باطلہ میں دی میسی لے مانہ مرقع جالی ہے یہ اب سے و طخت میں بویہ و مای کا دہنوں سے مار رہے مسلمانوں کو باری کا بوق، و بک اداں جاتے ہو دے ہیں

لون ہوں، بابا ہوں لہا ہوں سب مسرت میں اسی دے وہ ٹھو، کالی دیتے مات مٹل اسی اس نظم کا خاں اب یہ زہر دال بلا، یہ لے لے ہیں سے سا تو لیا یا ہے۔

الغرض آغا صاحب کی ادبی خوبیاں بہت ہیں اور ان کا اس قلیل مضمون میں بیان کرنا گویا دریا کو کوڑہ میں بند کرنا ہے۔ اس لئے مختصر مگر یہ کہتے ہوئے مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ آغا صاحب نے ہندوستانی تاریخ ڈرامہ کو دوبارہ زندگی بخشی، شکسپیر جیسی بہت سی کوارڈوں طبقہ میں روشناس کیا اور کمال فن یہ ہے کہ ڈرامہ مند کے نظریہ کو ہی بدل کر آپ اس کو معیار ہی پستی سے نکال کر ایسی ادبی بلندی پر لے گئے کہ جہاں ہندوستانی فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کا ڈرامہ دنیا کے کسی ملک و قوم کے ڈرامہ سے پیچھے نہیں ہے۔

حکایت بود بے پایاں بہ خاموشی ادا کر دم

حق بنوں کی اگر کی تو نے دھجی نہیں طعنہ دیں گے بہت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں سوچ رہا ہے۔ آپ کے اسلامی جوش اور اعتقادات اسے کاپتہ دیتی ہے۔ گونپا ہ آپ کے خیالات میں بڑی آزادی نظر آتی تھی مگر وہ شخص مادی با دنیاوی تحریکات تک محدود تھی۔ مذہبی عقدا تو آپ نے بھی اپنی آزاد روی سے متنازع نہیں ہونے دیا۔ ایک بلکہ فرماتے ہیں۔ میں غلام اس کا ہوں سب آقا کا نام ہی پھللاں دفتر کوئین کا سر رشتہ آغا ہے کس قدر نظارہ پرور جلوہ معراج تھا آج تک شوق بقا میں چشم انجم باز ہے پیغمبر اسلام کے مہتابہ اور معراج کی شان کو ایک خاص منوت پیش کیا ہے اسی طرح اپنے اسلامی جذبہ اور فوٹ عمل کا اظہار کرتے ہوئے اسی نظم میں دُعا کی ہے۔

لے خدائے زور دست خالد و جبر رہیں پھر اتنا ہے صف کف و در خیر رہیں

ٹیکور کا ایک تازہ گیت

اب اچڑے ہوئے بازار کو کیوں جلد جلد جاتے ہو! رات کی تاریکی بڑھ رہی ہے شام کا۔ ہندو کا پھار ہانڈ گاؤں کے آسمان پر نیا چاند چمک رہا ہے اور لوگ اپنی اپنی ٹوکریاں بیکراپتے مکانوں کو واپس آگئے ہیں۔ اور بچا ہ ایک تنہا سا ذریعہ کے کنارے کھڑا گھاٹ والے کو ملند آواز میں پکار رہا ہے نیندہ رختوں کی شاخوں سے ہو کر گاؤں کی طرف جا رہی ہے اور پڑیاں اپنے آشیانوں میں خاموشی کے ساتھ آرام کر رہی ہیں۔ نالاب نے کنارے جھاڑیوں میں جھینگر بول رہا ہے۔ ہو ابھی بانس کی پیوں میں ابھی ہوئی ہے۔ پھر تمہارے مجھے دوسے اعضا بھی تمام محنت سے چکر چراغ کے قریب بڑی چٹائی رکھ کر آرام کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے وقت میں تمہارے اچڑے ہوئے بازار کی طٹ جلد جلد جاتے ہو!؟

تاثرات

دیکھو تو! دریا کا پانی ساکن رہ کر گہنہ اور سیلا ہو گیا ہے اور سنا ہے ایسا ہی ہو جاتا ہے اس لئے تم آپ محبت کو رواں ہی رہنے دو۔ یوں کہ وہ کبھی ایک کنارے کو حوت اور کبھی دوسرے کو۔۔۔ ورنہ تمہاری شستی حیات تراب و خستہ تباہ و برباد ہو جائے گی۔ اور تمہاری روح ایک گھبرائے ہوئے ملاج کی طرح مایوسی و ناامیدی کے گرداب میں بھجولے لکھائے لگ جائے گی! سب سے محبت کر: تمام بنی نوع انسان سے۔ اپنی محبت کی حدود کو اتنا تنگ نہ کرو کہ تمہارا وسیع قلب اس میں گھنس کر رہ جائے اس کو اتنی وسعت دو کہ تمام کائنات محبت کا رنگ چھا جائے اور اوقات باہمی کے رنگ سے فضا نے ہند رنگین بن جائے۔

تمہاری اس تابندگی نصیب پر رشک کرتا ہوں کہ دن رات میں کئی مرتبہ ان کا ترچہ چیل چال ہو جاتا ہے، جن کی صورت کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھنے کیلئے میری آنکھیں تھما کرتی ہیں دن میں کھلی رہتی ہیں اور رات کو کچھ بند ہو جاتی ہیں کہ وہ حسین و رنگین خواب پھر دیکھ سکیں جب نیا روشن سے محبت کو پسینہ آ رہا تھا لیکن آہ انہوں نے تو مجھے اتنا بھلا دیا ہے کہ اب خواب میں بھی نظر نہیں آتے!!!

دیوانہ
(مصطفی آبادی)

خواب میں بھی نظر نہیں آتے مجھے اتنا بھلا دیا تم نے ”ساغر“

(گزشتہ سے پیوستہ)

درجات
گہٹے

ایشیا میرٹھ

ششہ یک نمبر

شعاع و آفتاب

شاعر:-

اے حریم نور کے پیغامبر اے آفتاب،
 بر شعاع تیرے تیری پیامِ آفتاب
 دوش پر ذروں کے ہے انوار کی زریں کتاب
 اللہ اللہ یہ شبابِ سحر آغازِ طلوع،
 پردہِ دارِ حق و باطل تھی سیاہیِ شام کی،
 منعتِ آسماں پھنسلِ راسِ شگراں
 جگمگا اٹھے ترے انوار سے کاخِ بلند
 کچھ مجھے بھی تو بتا اے بہمِ روحِ حیات
 رُخِ پیرا ہے ہر اک شے میں تری موجِ شباب
 تیرے چہرے سے ہویدا دیوتاؤں کا شباب
 ثبت ہے آفاق کے صفحات پر مہرِ شباب
 دمِ بدم انگڑائیاں لیتی ہے روحِ آفتاب
 تو نے الٹی چہرہ ہستی سے ہر گئیِ آفتاب
 ہر کرن تیری معنی ہر کرن تیری رباب
 کچھ شعاعیں ہم غیبوں پر بھی اے زریں نقاب
 مسکرا کر زندگی نے کیا دیا تھب کو جواب

کیا جہاں میں پھر زمانِ انقلاب آنے کو ہے؟
 کیا چین کے ذرہ ذرہ پر شباب آنے کو ہے؟

آفتاب:-

نورِ اسل بھی ہے راہی بھی ہے منزل بھی ہے
 اے کہ ہے تجھ پر بھی ہر رمزِ حقیقت آئینہ
 علم و حکمت سرِ بزانو ہیں ترے دربار میں
 فرض ہے اس وقت زادِ رہ کی تیاری سنا
 جاگ اور اٹھ کر جگادے خفتِ تگانِ عیش کو
 ہر صدائِ ہستی کی ہے سازِ صدائے انقلاب
 صبح دم کرنیں سنہری ہیں مگر کیونکر کہوں!
 چھیڑوہ سازِ حیاتِ نوں سیانِ انجمن
 آگے چھیڑیں مل کے ہم وہ نغمہ سازِ شباب
 حق بھی روشن ہے مرے انوار سے باطل بھی ہے
 تیرے ایوانِ تفکر میں ہے فطرتِ آئینہ
 اور سیاست سرِ سجدہ ہے تری نیکاریں
 اٹھ کے دنیا کو مراپینامِ بیداری سنا
 ختم کر دے خواب آگیاں داستانِ عیش کو
 ہر نفسِ در اہل ہے بانگِ درائے انقلاب
 گل بنیں گی شام کی آغوش میں یا موجِ خوں
 جھوم جائے جس سے خودِ روحِ روانِ انہیں
 جس کو ٹکر قص میں آجائے روحِ انقلاب

حق کو حق باطل کو باطل کر دکھائیں دہریہ
 اٹھ کہ کیف و نور کا طوفان اٹھائیں دہریہ

ساعرِ نظامی

تحویل شمس کہتے ہیں پورے دائرہ مسطح البروج کو چار برابر حصوں میں تقسیم کر دینے سے سال کا طول معلوم کیا جاسکتا ہے۔ برج حمل کے صفر درجہ سے حساب شروع ہوتا ہے۔

دن گھنٹے منٹ
آفتاب کو برج حمل کے صفر برج سرطان کے صفر تک ہونے میں ۹۲ - ۱۹ - ۵۳ گھنٹے ہیں۔

برج سرطان کے صفر درجہ سے میزان کے صفر درجہ تک ہونے میں ۹۲ - ۱۲ - ۳۹ گھنٹے ہیں۔
برج میزان کے صفر درجہ سے جدی کے صفر درجہ تک ہونے میں ۸۹ - ۱۸ - ۳۵ گھنٹے ہیں۔
برج جدی کے صفر درجہ سے حمل کے صفر درجہ تک ہونے میں ۸۶ - ۰ - ۲۲ گھنٹے ہیں۔
یعنی دروازہ بروج لے کر نہ ہر سال ۳۶۵ - ۵ - ۲۹

صرف ہوتے ہیں اگر تحویل شمس برج حمل کا صحیح طور پر معلوم نہ ہو ۵ سال کا تحویل شمس بن حمل ۳۶۵ دن - ۵ گھنٹے - ۲۹ منٹ جو درجہ سے معلوم ہو جائیگا مثلاً ۱۱ مارچ ۱۹۰۹ء کو برج حمل میں تمام کو ۶ بجے ۱۳ منٹ پر داخل ہوا تھا اور ۱۹۱۱ء کے متعلق دروازہ کرنا نہ ہر سال ۳۶۵ - ۵ - ۲۹ منٹ پر داخل ہوا تھا۔

دن گھنٹے منٹ

حمل مارچ ۱۹۰۹ء = ۲۰ - ۱۸ - ۱۳

اس میں ۳۶۵ - ۵ - ۲۹ جوڑ دینے سے

۳۸۶ - ۰ - ۲

۳۸۶ - ۰ - ۲ اس میں سے ۳۶۵ منہا کر دینے سے

۲۱ - ۰ - ۲

۲۱ - ۰ - ۲

یعنی ۲۱ مارچ ۱۹۰۹ء سے ۳ منٹ ۲۱ ثانیہ آفتاب داخل برج حمل ہوا تھا۔

۲۱۳ فلکی جمہوری

نام کی تبدیلی

بعض احباب نے اس بارے میں کاغذ بنایا

کلمہ

کر دیا گیا ہے

ایڈیٹ اور خبردار ہر ماہ ترجمہ نوٹ فہرست

حضرت جوش ملیح آبادی

اس حالت کو اصطلاح نجوم میں "اجتماع کبیر" کہتے ہیں جب زمین مغربی نقطہ "ب" پر پہنچے گی تو اس وقت زمین "تیارہ" ح "اور "ع" ایک ہی خط میں ہوں گے اور جب زمین اپنے دائرہ پر جانب جنوب گردش کرتی ہوئی آگے بڑھے گی تو "سیارہ" "ع" کی جانب حرکت کرتا ہوا نظر آئے گا۔ جب نقطہ "الف" جانب شرق حرکت کرتا ہوا پہنچے گا تو یہی سیارہ "ع" سے "ع" کی طرف واپس جاتا دکھائی دے گا۔ چونکہ زمین سرچے ہونے کے باعث آگے بڑھ جائے گی اور "سیارہ" "ع" جو جہتی السیرہ ہو نیکیے زمین سے پیچھے چھوٹ جائیگا۔ یہ حالت رجعت کی ہے متقدمین کا یہ خیال کہ سیدی رفتار سے الٹی یعنی پیچھے کی جانب حرکت کرنے لگتا ہے غلط ہے۔

آفتاب زمین کے گرد گردش کرتا ہے یا زمین آفتاب کے گرد گردش کرتی ہے یہ بحث کا اہم مسئلہ ہے متقدمین کا یہ خیال تھا کہ آفتاب گردش کرتا ہوا زمین کے گرد اپنا دورہ تمام کرتا ہے جدید تحقیقات و دلائل سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ زمین آفتاب کے گرد گردش کرتی ہے زمین کی حرکت کو ثابت کرنے کے لئے ڈانس کے مشہور فلسفی M. Leon Foucault

ایم لیون فوکلت نے ایک وزنی چیز کو آسنی پار میں آویزاں کر کے تار کے ایک سرے کو ایک جھت میں لٹکا دیا جس کی شکل گھڑی کے ہندولہ کی سی تھی۔ آگے اور پیچھے میلنے والی حرکت کرتا تھا اور ایک سوئی اس وزنی آلہ میں سبب لڑکی تھی جب یہ حرکت کرتا تھا تو سوئی نیچے بھی ہوتی بالو۔ یہ نشان ڈانسی جانی تھی اس سوئی نے جو مختلف نشانات بنائے وہ عمارت کی سطح خط سے مختلف پائے گئے جس سے ثابت ہوا کہ عمارت بلکہ صحیح یہ کہ زمین متحرک ہے یہ آلہ قطب شمالی و جنوبی دونوں سمت حرکت کرتا تھا اور اس حرکت سے ۲۴ گھنٹے میں دو اپنا دورہ ختم کر لینا تھا۔ اگر زمین گھنٹے کے نشانات باقاعدہ بنائے جائے تو پتہ چلے گا کہ زمین کا مرکز زمین قطب شمالی کی طرف مغرب مشرق کی جانب گردش کرتی ہے اور نیچے گھڑی کا ڈائل ایلپٹ بنا ہوا زمین کی حرکت کے ساتھ ساتھ وہ بھی ہندولہ کے نیچے مغرب مشرق کی جانب حرکت کرے گا اس طرح زمین اور ڈائل دونوں مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرتے ہوئے نظر آئیں گے قطبین کے وسط میں یعنی خط استوا پر۔ اثر محسوس نہ ہوگا چونکہ یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں حرکات کا باہمی تضاد ہونا ہے جب ایک چیز اپنے مدار پر صحیح طور پر حرکت کر رہی ہے اور ایک ایسی حالت میں چھوڑ دی جائے جہاں قوت کشش مفقود ہو تو مدار ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہے گا۔ اور حوض اسی صورت میں کہ ایک تارہ کی جانب رخ قائم کیا جائے جو زمین سے علیحدہ اور متحرک فرض کر لیا جائے تو اس کا رخ اس ستارے سے نہ بدلے گا۔ گراس کوپلے Gros Cope میں ایک وزنی پہلہ Wheel لٹکا کر تیز حرکت دیجانی تو وہ ایک عرصہ تک ایسی حرکت کرتا رہے گا بشرطیکہ تمام تر وہ اثرات جو حرکت کو روکنے والے ہیں مثلاً قوت کشش موجود نہ ہوں اور زمین ساکن ہوئی تو اس کے مدار میں تبدیلی نہ ہوتی خواہ کتنے ہی عرصہ تک یہ Wheel حرکت کبوں نہ کرتا رہتا لیکن اگر زمین متحرک ہے اور مدار ساکن تو کچھ اختلاف کا ہونا ضروری ہے۔ تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ فرق بڑھتا ہے اور اس فرق سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین متحرک ہے اہل چین اہل ہند مصری اور کلدانی نجومی حسابات آفتاب کے طلوع سے کرتے ہیں۔ منجھن پورپ بجائے طلوع آفتاب کے دن کے ۱۲ بجے سے شمار کرتے ہیں نجومی حسابات تمام مرکز زمین سے لیے جاتے ہیں اور علم ہند کے حسابات تمام مرکز شمس سے لے جاتے ہیں۔ آفتاب کے کسی برج میں داخل ہونے کو اصطلاح نجوم میں

۱۸ ایک قسم کا آلہ ہے۔ ۱۹ بجے دن سے دوسرے دن کے ۱۲ بجے تک ایک دن مانا گیا ہے۔

ضمیمہ فروش ملکہ

(اقبال احمد بی، اے)

اڈر شاہ انگلستان اپنی ونچسٹر (Winchester) کی مجلس اے میں مضمحل ٹھہرا
اس کی مینیائی پرنسپل پڑی ہوئی تھیں اور دماغ کسی گہرے خیال میں غرق ملکہ انگلستان کا
حال ہی میں انتقال ہوا تھا اور اس نے وارث تاج و تخت ایک ناتواں اور سمجدار بچہ چھوڑا
تھا جس سے آسے دن کی خانہ جنگیوں کے زمانہ میں سلطنت سنبھالنے کی کوئی توقع نہیں
کی جاسکتی تھی۔ بادشاہ کو دوسری شادی اور ایک مضبوط وارث کی فکر انگیز تھی مگر
ہنوز کوئی عورت اس کی نظر میں نہ تھی جو اس کی شریک زندگی بننے کی اہلیت رکھتی ہو۔
امراء اور باری سب پریشان تھے کہ کس طرح بادشاہ کی پیشانی سے شکنیں رفع کی جائیں
کہ خوش قسمتی سے ایک مہنگی دربار میں حاضر ہوا چونکہ بادشاہ کو نعمہ دہرود سے خاص
شغف تھا۔ درباریوں نے اس کو بادشاہ کے حضور میں پہنچایا۔ اور ایک بڑے الفام کا وعدہ
کيا۔ اگر وہ بادشاہ کو خوش کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ یعنی موڈ بانہ بادشاہ کے حضور میں زانو
ہو کیا۔ اشارہ پاکر اس نے اپنا سر دھڑاٹھایا اور اس کے تاروں پر ہلکے سروں میں گانا
شروع کیا۔ ایسے ہلکے اور نرم انداز میں کہ ہر ایک مصرعہ کی شیرینی اور صلاوت علیحدہ علیحدہ نمایاں
ہو رہی تھی مگر یکایک جب مہنگی نے الفریڈا (Nobles) نواب دیون شاعر (Khalid) کے
Devinshah کی مدد نہ الی میں قصیدہ شروع کیا تو تاروں کی جنبش میں ان خود
تیزی پیدا ہو گئی مہنگی نے بھی جہاں تک اس کے نکلے اور انگلیوں کا تعلق تھا اپنی پوری قوت
کا اظہار کیا اس کی آواز سرود کے تاروں سے اس طرح ملی ہوئی نکل رہی تھی کہ سننے والے
کو گمان ہوتا تھا موسیقی سرود کے تاروں سے ٹپک رہی ہے۔ ہر نشیب و فراز جو مہنگی کی
آواز سے پیدا ہوتا اور ہر تعریف جو شاعر نے اپنی بگڑ سوزی سے اس کے وجود میں پیدا کی تھی
اپنی پوری قوت کے ساتھ حاضرین کو مسحور کر رہی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خود سرود
الفریڈا کی شان میں رطب اللسان ہے۔

نغمہ ختم ہو گیا اور مہنگی بادشاہ سے لیکر خادم تک کو بہوت چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور جس
وقت اس نے اپنی گردن بادشاہ کے حضور سلام کے لئے خم کی تب لوگوں کو ہوش آیا
کہ نغمہ ختم ہو چکا ہے۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ یانی الواقع الفریڈا اتنی ہی حسین اور ہوشیار
ہے جیسا کہ شاعر نے بیان کیا ہے۔ بالخصوص یہ ایک شاعرانہ نکتہ ہے۔ مہنگی نے جواب دیا کہ دنیا
کی تمام شاعری الفریڈا کے سوا ایک ناکمل خاکہ پیش کر سکتی ہے۔ وہ خود ایک شعر ہے مگر
ابنا شعر جو صانع حقیقی کے قلم سے بھی ایک مرتبہ نکلا ہے اس کی رعنائی اس کا حسن و جمال
اس کی ہر وفائی ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار محال ہے۔ جب کبھی وہ ٹپکتی ہوئی باغ
کی روش پر طلوع ماہتاب کے وقت چلی جاتی ہے تو دیکھنے والے کو دھوکا ہوتا ہے کہ آیا
آج ایک ماہتاب نکلا ہے یا دو۔ اور یہ تو ایک حقیقت ہے کہ کوئی شخص نہیں پہچان سکتا کہ
آیا آج ماہتاب کی کرنیں دنیا کو سنور کر رہی ہیں یا شہزادی الفریڈا کا حسن۔ اس کا قافلہ لانا
ہے۔ اس کی آنکھیں ایک زندہ سحر ساری ہیں۔ اس کی رعنائی ایک سیلاب ہے جو انسانی

۲۴

وہ نظر اولین ایتھلوڈ بڑی یقینی ہے کہ چاہے اس کو کیوں پڑے تیر سے تعبیر کھجے یا آنکھوں کے سحر سے۔ شباب کی رعنائیوں سے یا آواز کی موسیقی سے لیکن ایک مرد کے فخر و مباہات ایک ناتواں ہستی کے قدروں کو بوسہ دینے کے لئے بیتاب اور ایک آہنی ارادہ کے انسان کا پیمانہ دفا اور مذہب ہار کاوشن میں نہ ہو چکا تھا الفریڈا کے حُسن میں تو کوئی کلام ہو نہیں سکتا چونکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تمام تعریفیں اس کی ان رعنائیوں کو بیان کرنے سے قاصر ہیں جو الفریڈا کی ذات میں علاوہ حُسن کے موجود تھیں

یقینی ہے کہ الفریڈا کی نگاہ اولیں ہی نے ایتھلوڈ کے دل اور روح کو مجروح کر دیا تھا مگر اس نے انتہائی ضبط سے کام لیا اور ایک ناکام کوشش اپنی وفاداری کو قائم رکھنے کی مگر عشقِ ازین بیا کر رہا است و کند ایک جانب تو ایتھلوڈ کو اب معلوم ہوا کہ وہ زندگی کی نئی لذت سے پہلی مرتبہ آشنا ہوا ہے اور اس کی گزشتہ زندگی ایک بے مزہ خواب تھی جس سے وہ ابھی ابھی بیدار ہوا ہے دوسری جانب شہزادی نے یہ دیکھ کر کہ ایتھلوڈ ایک حسین شخصیت اور ایک بڑے مرتبہ کا حامل ہے اپنے میگوں ہوں کی موسیقی اور اپنے شباب کی رعنائیاں ایتھلوڈ کے دل پر قبضہ پانے میں صرف کرنی شروع کر دیں لائزہ ایتھلوڈ الفریڈا کے ہاتھوں میں ایک بے جان قالب تھا۔ وہ شہزادی کو حریف نگاہوں سے دیکھتا اور اس کا محسوس کرتا کہ قوت گویائی اس سے چھین لی گئی ہے۔ اس سے اپنے آنے کی وجہ بالکل ظاہر نہ کی اور شہزادی کو بالکل علم نہ ہو سکا کہ ایتھلوڈ بڑے سکڑانے میں وہ انگلستان کے تخت کو خیر باد کہہ رہی ہے الفریڈا کی محبت میں ایتھلوڈ اپنے آپ کو ایک سی دیو بن پاتا تھا۔ آہ اس نے خیال کیا ابدی لعنت شہزادی کے چند لحوں کی محبت کی قیمت نہیں ہو سکتی پھر کہا وجہ کہ وہ جبری ہو کر نہ رہے چنانچہ اس نے شہزادی کے باپ کے سامنے اپنی شادی کی درخواست پیش کر دی اور ڈیوک نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس سے بہرہ پیغام اس کی لڑکی کو ملنا مشکل ہے۔ ایتھلوڈ کی درخواست منظور کر لی۔ اب شہزادی ایتھلوڈ کے آغوش میں تھی اور اس حسین لب ایتھلوڈ کے لبوں میں جذب۔ شہزادی نے ایتھلوڈ سے الفت اور پیمانہ فاکر نے کے بعد اس کو رخصت کیا۔

ایتھلوڈ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا جو نہایت بے تابی سے اس کی آمد کا منتظر تھا اور شہزادی کی کیفیت دریافت کی۔ ایتھلوڈ نے نہایت حقارت سے اپنے شانوں کو پیش دیتے ہوئے کہا حضور انور شہزادی کا چہرہ ضرور خوبصورت ہے مگر جسم کی ساخت نے چہرہ کی خوبصورتی پر پردہ ڈال دیا ہے۔ میری ناچیز اس میں نوہ ہر ہر سلطنت کی شریک بننے کی اہلیت نہیں رکھتی۔

ایتھلوڈ کو اپنی چالاکي پر حیرت تھی کہ جس کے لب کبھی دروغ گوئی سے آشنا نہیں ہوتے تھے وہ کس دریدہ و شہی مجھوٹ بول رہا تھا مگر حُسن کے جادو نے اس کو قعرِ لذت کی انتہائی گہرائی میں گرنے پر تیار کر دیا تھا۔ اوہو یہ ہے اس کے حُسن کی حقیقت میں نے نہایت عقلندی سے کام لیا کہ شادی کا پیغام بھیجنے سے قبل تم کو روانہ کر دیا۔ وہ ہرگز میری ملکہ نہیں ہوگی بادشاہ نے جواب دیا۔ اس کے بعد بادشاہ کو الفریڈا کا خیال بھی نہ رہا ایتھلوڈ کچھ عرصہ دربار میں رہا اور اپنی حرکات و سکنات یا کسی اور طرح اپنی خدائی پر بادشاہ کو شبہ ہونے کا موقع نہیں دیا۔

کچھ عرصہ کے بعد وہ بادشاہ سے رخصت ہو کر ڈیون شائر پہنچا اور اب الفریڈا ایتھلوڈ کی بیوی تھی۔ بادشاہ کو جب اس شادی کی خبر پہنچی تو اس نے ایتھلوڈ کو اپنے روبرو حاضر

ہونے کا حکم دیا اور جب وہ دربار میں حاضر ہوا تو اس سے دریافت کیا کہ اگر الفریڈا اس قدر جلدی ہے تو اس نے کیوں اس سے شادی کی۔

ایتھلوڈ نے جواب دیا۔ خدا شہنشاہ کی عمر میں برکت دے۔ میری شادی کی وجہ شہزادی کا حُسن یا اس کی محبت نہ تھی کیونکہ مجھ تو کاہلوں کی بیکاری کا شغل ہے مجھ کو جس چیز نے الفریڈا سے شادی کی ترغیب دی وہ اس کے باپ کی دولت ہے۔ ایتھلوڈ نے اس قدر جرب زبانی سے گفتگو کی کہ بادشاہ کو اس کا دوبارہ یقین ہو گیا اور ایتھلوڈ کو بھی اب اطمینان قلب نصیب تھا۔ چند روز دربار میں حاضر رہ کر ایتھلوڈ میرا پنی بیوی کے پاس جا پہنچا۔ دن عید اور رات شب برات تھی۔

ایتھلوڈ کو اب معلوم ہوا کہ زندگی اپنے اندر کیسے کیسے اسباب لذت اور تفریح پنہاں رکھتی ہے۔ اس کی حالت اب یک مدہوش انسان کی سی تھی۔ وہ صحیح معنی میں الفریڈا کا پرستار تھا اور خیال کرتا تھا کہ اس کی غداری الفریڈا کی نیم نجان کی بھی قیمت ادا نہیں کر سکتی سین ایک مجازہ نہال تھا جو اس کی لذت کو کبھی کبھی تلخ کر دیتا تھا۔ اور وہ یہ کہ اگر بادشاہ کو اس کی غداری کا علم ہو گیا تو اس کا کیا حال ہو گا ادھر درباریوں نے ایتھلوڈ کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر بادشاہ کے کان بچہ نے شروع کر دیے تھے۔ اڈر کو دیکھا اور بار بار نے اس کا قصہ دلانا شروع کر دیا تھا کہ الفریڈا دافنی قدرت کا شاہکار ہے اور برطانیہ کا بادشاہ بھی ایسی ملکہ برنج کر سکتا ہے مگر ایتھلوڈ نے بادشاہ کو دھوکہ دیکر اس کو اپنی بیوی بنالیا ہے ان خبروں سے بادشاہ کے مدہوش شہباز از سر نو زندہ ہو گئے اور اڈر کے کار کے بہانہ سے الفریڈا کو جسم خود دیکھنے کے لئے روانہ ہو گیا جوں ہی ایتھلوڈ کو بادشاہ کی آمد کی خبر معلوم ہوئی افعال اور حُسن اس کے دل انگیز تھے کیونکہ اڈر نہایت غصیلنا بادشاہ تھا۔ اس نے نہایت جاہلانہ اور دشمنانہ قوانین ایجاد کئے تھے اور جو شخص بدقسمتی سے بادشاہ کو ذرا سامنے جہتی کا دیتا تھا اس پر عفو اور کرم کے دروازہ بند ہو جاتے تھے اور بادشاہ کا انتقام نہایت سنگدلانہ ہوتا تھا چنانچہ ایتھلوڈ کا اس وقت سے جبکہ اس کے بادشاہ اور آقا کو اس کی غداری کا علم ہو گا رزہ بر اندام ہونا درست اور صحیح تھا۔

اس کی اُمیدوں کا آخری مرکز اس کی بیوی بھی۔ چنانچہ لرزے ہو کر دل سے اس نے الفا بڈا است کہا۔

۲۱۵

الفریڈا انہی ہی محبت سے اندھا ہو کر اس نے اس کا جرم کہا ہے اور اب وہی زندگی کی کفیل ہو سکتی ہے

میرے آقا فرما ہے جہاں تک لوٹدی ہے اختیار میں ہے دو اپنے مات نہ۔ کے لئے ذبانی کر سکتی ہے الفریڈا نے جواب دیا۔

ایتھلوڈ کے لئے حُسن کو ماہوسیوں نے ہے۔ حرفت تھ رہی ہے یہ الفا بڈا۔

ایک گونہ پیغام مسرت رکھتے تھے ایک طرف وہ باہر لے جاتے اپنی بریت پیش کرنے میں اپنی بیوی کی مدد پر چھوڑ دیتا اور دوسری جانب اس کو اللہ الی محبت کا فیض دیتا جو اس کی مسرتوں کی تہا نہا بھی۔ چنانچہ اس نے اپنا بادشاہ کا فائدہ ہر آواز و بہت سے یوانا ہو کر بادشاہ سے مذاہی کرنے کا کام و افہ اپنی بیوی کو دیا۔ الفریڈا کو آج چلی رہی معلوم ہوا کہ اس کے انگلستان کی ملکہ نہ بننے کا باعث اس کا توجہ حُسن سے اس نے اپنی پیمانہ وفا باندھا ہے۔ چنانچہ باوجود نہایت ہوسہار ہونے سے وہ بھی نے اس سلعہ کو جو اس کی آنکھوں سے ظاہر ہونا چاہتا تھا نہ دیکھا تھا نہ ٹیپا سکی اور اس نے اپنی نظر دوسری جانب

پہلے لیں۔ لیکن جب ایتھلوڈ اپنا قصہ ختم کر چکا تو وہ ایک محبت آمیز تبسم سے اس کی جانب متوجہ ہوئی۔ اس کی آواز میں ہلکا سا سر تم تھا۔ اور کہا میرے آقا جو آپ کی خواہش ہو بیان فرمائیے کینز آپ کے ہر حکم کی تعمیل میں اپنی محبت کا ثبوت دیگی۔

میں نے بادشاہ سے یہ کہا تھا کہ تم ایک معمولی خن کی مالک ہو اور تمہارا قد وقامت بھدا ہے لیکن ایسا بھیس بدل سکتی ہو کہ کم بادشاہ کی نظریں بالکل معمولی عورت کی حیثیت سے خف ہو جاوے۔

”اودہ یہ نو پچوں کا کھیل ہے۔“ الفرڈا نے جواب دیا۔ لیکن میں ابھی اپنی نکل بدلے والی ہوں۔ یہ کم کم اس نے اپنی ناگن جیسے سیاہ لائے بالوں کو نہایت بھدے طریقہ سے پریشان کر کے نصف چوہ اور پیشانی کو ان سے چھپا لیا۔ یہ انداز میں کٹس کو آنکھوں کا خن بھی بدنام معلوم ہونے لگا اور اپنے ایک شاندار کواٹھرا کر در ایک کو بچا کر کے کونوں میں سختی پیدا کی اور ٹنگڑا کر کے وہاں اس طور پر چلنے لگی کہ اس کے عضو اس کے قابو سے باہر تھے۔ آپ بھی جانتے ہیں کہ میں بادشاہ کے سامنے اس انداز میں نمودار ہوں یہ کم کم وہ اس طرح مسکرائی۔ سوران جنت کو جی اس کی مسکراہٹ پر رشک آگیا۔ ہاں میری اچھی بیوی اگر تم اس انداز سے بادشاہ سے ملنے آؤ گی تو نصف یہ کہ میری زندگی معرض خطر سے باہر ہو گی بلکہ رہا میں میرا اقتدار اور بھی بڑھ جائے گا۔ اب میں بادشاہ کے استقبال کے لئے جاتا ہوں اور واپسی پر میں خود کھو بادشاہ کے سامنے لیجاؤں گا۔

”یہ ناممکن ہے۔“ الفرڈا نے جواب دیا۔ یہاں میں اپنے کہہ میں اپنے باعدوں خسار و پر رنگ طوں کی جس سے ہر رنگ خراب معلوم ہو۔ اپنے بالوں کو اس طرح آراستہ کروں گی کہ یہی آنکھیں بے رونق معلوم ہوں اور اپنے کپڑوں کے نیچے اس لطیفہ ہر رونی رھوں گی کہ میں کبھی معلوم ہونے لکوں۔ مگر جب تک یہ تبدیلی مکمل نہ ہو جائے میں آپ کے سامنے حاضر ہونا نہیں چاہی۔ آپ بادشاہ کو بڑے لمبے میں لیجائیں اور جب میری کنیزیں آپ کو میری آمد کی اطلاع دیں تو آپ دروازہ سے پردہ ہٹا کر اپنی بد صورت بیوی کو بادشاہ کے حضور میں پیش کریں۔ ایتھلوڈ تو اپنی بیوی کی عمدہ سمیت تبدیل کرنے پر رضامند ہو جانے سے اس قدر خوش تھا کہ اس کی کسی بات براعتراض کرنا اس کی طاقت سے باہر تھا چنانچہ اس نے کہا۔ عزت ازمان اللہ یدا آج کے بعد تمہارے ادنیٰ اشارہ کی تعمیل میرا فرض ادا ہو گا۔ آج تم صبح معنی میں جاؤ نواز ہو یہ کم کم وہ اپنی بیوی سے بے تکلیف ہو جس کے جواب میں الفرڈا ایک بد ہوشی کے عالم میں اپنے خاندان سے لیٹ لئی اور بے سلاست روی و باز آئی کم کر رخصت کیا ایتھلوڈ شاہ اڈو کر کو ایک بڑے ہال میں پہنچا اور ایک جام شراب دواؤں ہو کر بادشاہ کی خدمت میں ان الفاظ کے ساتھ پیش کیا۔ میں اپنے گھ کی بہترین شراب خدمت عالی میں سے جلاؤ نے غریب نہالے کی زندگی کا خاتمہ کر دیا

لایا ہوں اور یہی میرے پیمان وفا کی دلیل ہے۔ اڈو گرنے جام شراب ہاتھ میں لیا ہی تھا کہ ایک کنیز نے خبر دی کہ سلیم تشریف لارہی ہیں۔ چنانچہ اڈو گرنے کما میں سلیم الفرڈا کا باہم جنت نوش کرتا ہوں۔ ایتھلوڈ نے دروازہ کے قریب پہنچ کر سن لیا تھا کہ اس کی بیوی لنگڑا لٹی ہوئی آ رہی ہے۔ آہ میری جاں نواز بیوی اور وفا کی تلی مجھ کو بھانے آ رہی ہے۔ اور وادہ پر سے پردہ ہٹاتے ہوئے یوں گویا ہوا۔ مالی جاہ میری بیوی کو شکل و صورت کے اعتبار سے ضرور نظر فرزند مگر اس میں دگر اس کے بکرا الفاظ اس کے مودہ لبوں کے نکل سکے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں وہ ہٹا بکا ایک بت کے مانند اپنی بیوی کو دیکھ رہا تھا جو دروازہ میں کھڑی تھی۔

شاہ اڈو گرنے اور اس کا صاحب مختلف جذبات سے اس ماہ چہار دم کو دیکھ رہے تھے جو بدلی کو جیہ کر نکلتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ آج ایتھلوڈ کی بیوی کی جانب سے اس غبار سی کا مکمل جواب دیا گیا تھا جو کچھ عرصہ پہلے وہ اپنے بادشاہ سے کر چکا تھا۔ الفرڈا اپنی جلد عیال کے ساتھ دروازہ میں جلوہ گر تھی۔ اس کی شفاف جلد ہر قسم کے عازہ سے بری تھی۔ اس کی آنکھیں شراب کے چھلکے ہوئے دو جام تھے۔ اس کے سیاہ لائے بال نہایت آراستگی سے سنوارے ہوئے تھے۔ اس کی چال میں شاہانہ دلربائی تھی اور ہاتھ معافہ کے لے شاہ اڈو گرنے کی جانب دراز تھا۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ اس وقت سے لیکر دوسرے روز تک ایتھلوڈ بادشاہ کے زیر نظر تھا۔ اور تیسرے روز اس دنیا میں نہیں بھا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کو بادشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ بادشاہ اڈو گرنے کے حکم سے مارا گیا۔ بہ حال اس کی زندگی کا خاتمہ اگلے روز ہو چکا تھا اور ایک ہفتہ کے اندر الفرڈا انگلستان کی ملکہ بن چکی تھی۔ اس نے اپنے خاندان کی طرح کو نواب ہونے کی غرض سے ایک ناقہ تعمیر کرائی اور اس کے بعد سے ایتھلوڈ کا خیال دل سے نکال دیا۔

شاہ اڈو گرنے کی رہنمائی چند چند وجوہات سے اب تک نہیں ہوئی تھی جو شادی کے بعد نہایت شانہ شان سے سنائی لی اور رویہ پائی کی طرح بہایا گیا جس وقت ملکہ الفرڈا نے سر نیک سلطنت کا تاج پہنا اسی وقت اس نے اڈو کر لیا تھا کہ وہ سلطنت کے کاموں میں شاہ اڈو گرنے سے زیادہ اختیارات کا استعمال کرے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا شادی سے لیکر شاہ اڈو گرنے کی موت تک جو تین سال بعد واقع ہوئی وہ صحیح معنوں میں انگلستان کی اصلی مالک تھی شاہ اڈو گرنے کی موت کے بعد ظالم حکمران تھا اپنی بیوی کے ہاتھ میں گھڑ پٹی کی طرح ناجتھا تھا۔ اور اس کی ہر خواہش کی تعمیل اس کے اندر سے قبل ہی پوری جاتی تھی جو تاریک گناہ ملکہ الفرڈا نے کئے انہیں سے قبل تو شاہ اڈو گرنے اپنی بیوی کو ایک نازاں بچہ جو ولیدہ تھی چکا تھا اور ایک بچہ جو الفرڈا کے پس پید ہوا تھا چھوٹے ہی الفرڈا اپنے بیٹے کیلئے ناز و تخت کی قسمی تھی چنانچہ جس وقت لیچد الفرڈا کے محبت چھ ہاتھوں سے بتا ایک حکم پی راٹھا اسی کے اشار سے جلاؤ نے غریب نہالے کی زندگی کا خاتمہ کر دیا

حاصل عیالت

سب دیکھنے آئے ہیں کیا اپنے پرے
مرتے تھے مگر جن کیلئے وہ ہی نہ آئے

غیر

خالدہ ادیب خانم

از: اسرار الحق بی۔ اے (میگ) مدیر علیگڑھ میگزین

یہ تاریخی نظم جو نہایت گہرے اور لطیف جذباتِ حیرتِ مقدم سے لبریز ہے مسلم یونیورسٹی یونین کے ایک عظیم اٹان جلسے میں اس موقع پر مجاز صاحب نے اپنے شعر نم لکھے ہیں ارشاد فرمائی تھی۔ جب تری کی عظیم المرتبت خاتون خالدہ ادیب خانم تشریف لائی تھیں۔ یہ جلسہ اپنی ادبی اہمیت اور نوعیت کے لحاظ سے یوں بھی تاریخی تصور کیا گیا تھا کہ اس کی صدارت ملک کے بلند پایہ ادیب شہیر جناب سجاد حیدر بہدرم بی۔ اے نے کی تھی۔ اس نظم نے جلسے میں ایک خاص حرارت اور زندگی پیدا کر دی تھی اور ان مدح منظوم کی کامیابی کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا تھا جب ڈاکٹر انصاری صاحب کی کوشمی پر مسز سرور حنی ناسیڈ وٹے کی انقلابی خاتون خاتون خاتون خالدہ ادیب خانم سے تعارف کر آیا تو خود ممدوح نے اس نظم کی تعریف کی۔ میں اس موقع پر مجاز صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں کہ وہ خالدہ خانم کی خوبصورت تحسین حاصل کر سکے۔

سنا عمر

دل مست کی فراوانی سے دیوانہ بختی
دیکھنا یہ کون آنرز زیب کا شانہ ہے آج
کیف بہبائے طرب میں غرقِ مخافت ہے آج
ہر بختِ سحرِ بخت ہر بختِ چمانہ ہے آج
غنیہ و گل تھے یہی لیکن یہ رعنائی نہ تھی
اس گلستاں میں بہار اس دھوم تھی نہ تھی
نرسِ نمرود نہ لذت کش خواب نشا ط
پھوٹ نکلتا ہے گل و نسیم سیلابِ نشا ط
اب محفل کے لئے مشکل ہے اب نشا ط
آج یہاں ہوں چھلکے گی مے ناب نشا ط
پرفشاں ہے جذبہ پہاں اُجڑنے کے لئے
مضطرب ہے ذرہ ذرہ نفس کر کے لئے
چرا و ہوائے نہ آئے شمیم جاں فرا
چہرہ ہو نہ جوابیاں اسی ہوا
چھیر اس انداز سے طرب رنگی تو
لوٹ جائے آج اک تاریں ساز کا
ذکرِ بکا زہر و پرویں کے کاش لے نہیں ہے
وہ صنم بھی آج اپنے ہی صنم خانے میں ہے
خالدہ! تو ہے ہیشت ترکمانی کی بیزار
تیری بیشانی یہ نورِ حریتِ آمینہ کار
تیرے رخ سے پرتوِ معصومہ ہمیشہ کا
تیرے جلووں کی صباحتِ خوش ترسار
معلیٰ نشاںِ قلبِ لیلِ رشک سے دویم ہے
تیری باتوں میں سرور کوثر و نسیم ہے
شوق کی سوزشِ جہاں و نور کا سیلاب ہے
ہر گلی سا ز طرب سے ہر نظم و نثر ہے
انگھیر اس روحِ ارباب و غامبتا ہے
یہ ہمارے خواب کی قبیہ ہے یا خواہش
لالہ و گل کیا چمن بھی تیرے قدموں پر نثار
یہ گہرے سخن بھی تیرے قدموں پر نثار
یوں تو ہم ہر شعاعِ علم و فن کے پوانے رہے
یہ حقیقت کہ ہم تیرے ہی دیوانے رہے
مدقوں اپنی زباں پر تیرے افسانے رہے
تو رہی بیگناہ لیکن ہم نہ بیگانے رہے
یا تیری اک زمانے سے ہمارے دل میں تھی
تو یہاں آئے تے چلے گی اپنی منزل میں تھی

لے مقدس حواس پروردہ موجِ انیم
روحِ حشر کا ساحل جانِ طوفانِ عظیم
تو نے ترکوں کو دکھائی ہے نہ ادا مستقیم
چوٹک ڈالے ہیں تھک کے جباباتِ تدبیر
صنعت دکھلایا ہے جب بھی نظرتِ احرار نے
آگ بر سادی ہے تیرے نطق کو ہر بار نے
رچ چکی ہے ہاتھیں تیرے وہ تنے بے نیام
جس کی جنبش نے بدل دلا سکوت کا نظام
تیرک اف وہ کو تو نے ہی دیا ذوقِ خرام
تیرے ہی ہاتھوں نے چھلکا ہے آوازِ جاک
تو نے خواہاں لئے ہیں ملتِ احرار پر
نقش ہیں اب تک سحر کے درو دیوار پر
ہاں بتائے ہم کو بھی اس روحِ اربابِ نیاز
سطحِ نشا ہے آخر رنگ و خوں کا تیار
دل پہ کوئی کرناش ہو جاتے ہیں آزاد کی راز
چھپتے ہیں کس طرح مصل میں بیداری کا سار
تیری آنکھوں میں سرورِ حشر تہجور ہے
آہ یہ جو ہر چارے دست سے دور ہے
محرم در دوست راز دارِ سبح و شام
خاموشیِ محفلِ غلط ہے جد سے کلام
تیری ہستی آسمان ترک کا ماہِ تمام
تو بہت ہے نفس تیرا مہبت کا پیام
گلشنِ مشرق میں مانند صبا آتی ہے تو
صنم روشن کا پیام جانفزا لاتی ہے تو
قربتِ گل کس قدر جانِ شہر ہے خارِ شہر چو
چاند کی تویں لیا لطف سے تاؤں پہ چو
نشہ صبا میں کیا لذتِ مخواروں سے چو
چہرہ سازی میں مزہ لیا ہے یہ عیارِ شہر چو
روحِ ودل کو ملک کا دھجہ آرائی تری
کلم سے کلم اتنا تو کر جائے مسخالی تری
کوئی دم میں اس کلمات سے نکلتا نہیں
دش کل سے دور انکاروں پہ چلتا نہیں
خارِ زارِ غم کو یہ وں سے چلتا نہیں
جادوئے زباں میں کرنا ہے جھاننا ہے میر
درسِ انبیا دے کہ دل آرزوئے منہ اں نہ ہو
فدا لانا نسل نہ ہوا اندیشہ باطل نہ ہو

ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۵ء

خیال آئے سے پہلے نقصان سے بچنے کا خیال آئے یعنی دفع مضرت کو جواب
منفعت پر ترجیح حاصل ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خوف "امید پر ہر حالت میں ترجیح
رکھتا ہے۔ شاید پورے طور پر آپ یہ مطلب نہیں سمجھے۔ لائے۔ لکھ کو اور زیادہ واضح
کردوں ایک شخص ادا امر کی تعمیل اور لواہی سے سلیقہ اختیار کرتا ہے بالکل نفس
نقدیر بغیر از ترکیہ روح کی خاطر اس طرح حیات کو عبادت الہی کے لئے وقف کر دیتا ہے
ذو دوس کی نازک نام حویں خد کے گلفام غلمان اسوئے چاندی کے قلعہ میرے اور
باقیت کی جھپٹیں اٹھاس اور حریکے پرست خوش ذائقہ شہر میں روح پرور نظارے اوسین
و ظاہر غلے اس لامطمح نظر نہیں ہیں وہ جو کرتا ہے خوشنودی خدا کے لئے کرتا ہے
لیکن خوشنودی باری کی امید سے پہلے اس کو کتاب خداوندی کا بھی خوف لگا ہوا ہے
اداس خوف سے کہ برے کاموں سے خدا ناراض ہوتا ہے عبادت بزرگانہ سے نڈر
کیم نہ میرا عقاب ہے وہ معاشی سے احتراز کرتا ہے اور ہر کام کو باندھ لگاتا ہے جو خدا
کے کتاب کو دعوت نہ دیتا ہو اس کا وہ سر مطلب یہ نکلا کہ خوشنودی سے پہلے کتاب کا ڈر لگا
ہوا ہے یعنی امید سے قبل خوف کا جذبہ پیدا ہوتا ہے پس تحقیق میں اصل سے خوف
ہی ہے امید تو اس کا عکس ہے یہ کامیاب درجہ کی نسبت درجہ بطل نہیں کرتا بلکہ کین
چاہتا ہوں کہ خوف "امید سے مقابلہ پراست اور انفعلیت رکھتا ہے۔ آگے جس خوف
کی مختلف نسبتوں سے بحث کی جائے گی تاکہ تصویر کا ہر رخ آپ کی نگاہوں کے سامنے آجائے
ایک شخص آخرت میں محض روح و جسم کے حظ و کیفیت کے لئے نیک کام کرتا ہے اس
کے ہر سجدہ کی غرض و غایت اور اس کی ہر روانہ جسم کی جہش کا نیت از دوزخ کی گمراہی
اور جنت کی لذتیں ہوتی ہیں اگر کوئی شخص مابعد ذہن کو اس حقیقت سے مطلع کر دے کہ
"تیری عبادت و ریاضت کا صلہ لذت و فرودوں اور کیفیات جنت کی صورت میں دیکھا دے گا تو
ی دوزخ کے شہزادوں اور جہنم کے انگاروں کی حررت و آہنگ کو بھی برداشت کرنا ہوگا"
تو وہ مابعد یک سخت تلمذ آئے گی۔ لہذا یہ جنت کے نعشوں کا خیال اس کے دل سے داغ سے حزن
غلط کی طرح مٹ جائیگا۔ اور شاید جہنم سے بچنے کی تدابیر میں تعدد ہو جو سب میں معلوم ہوا
کہ دفع مضرت "جلب منفعت سے کہیں زیادہ ضروری ہے اور امید کی تیس خوف
کار ہوا ہوتا ہے۔ اور خوف کا جذبہ "امید کے جذبہ سے زیادہ قوی اور رائج ہے۔

کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ افراد کے قلوب خرب
کے خوف سے نہ کاٹ پائے ہوں جب تک بچنے کا خوف نہ ہو گائے کی تہہ بہہ اگر نہیں
ہو سکتی جس قوم کو اپنی تخریب و تذبذب کا خوف (احساس) نہیں ہوتا وہ کسی نہیں تھر سکتی
جب کوئی قوم ترقی کرتی ہے تو سب سے پہلے ان مصائب و مشکلات پر قابو پاتی ہے جو اس
کی تخریب کر رہی ہوں اور کوئی ترقی یافتہ قوم کی ایسے غیر متحسّن فعل کا اقدام نہیں کرتی
جس کا نتیجہ تخریب و تباہی ہو مختصر یہ کہ تخریب کا خوف ایک بہت قوم کا بیدار
بلند کو بلند تر بنا دیتا ہے قوم جماعت سے مرکز افراد و خاص کی حیثیت کا صلہ
کچھ تو یہ حقیقت اور زیادہ نمایاں اور واضح طور پر نظر آئے گی۔ ایک کوشش کا نتیجہ میں
ہیں پلٹا ہے پانی دیتا ہے نعل کی حفاظت کرتا ہے بادی النظر میں سب ہی سمجھتے اور
دیکھتے ہیں کہ کاش تشریک کی تمام غریبیوں و محرومیتوں سے انہیں سے افواج کا
کا جائزہ لینا چاہتے ہیں تاکہ امید کی حقیقت واضح ہو جائے۔ ان چلائے و مقصد یہ ہوتا ہے
کہ زمین نرم و ملائم ہو جائے اور باران اچھے کان طرہ خواہ موقع مل سکے۔ دلتا سے دودھ

کیستیں انہیں بکیر دے یا بچ ڈالنے کے بعد زمین کو نرم نہ بنائے۔ اگر وہ ایسی غلطی کبھی
نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کو اس بات کا خوف "ہوتا ہے کہ زمین کے جنت پر دے والے کو سب
نہ ہونے دینے زمین جوتے کے بعد جیس کا یہ خوف دور ہو گیا تو اس سے آبیاری شروع
کی ممکن تھا نہ بچ آگ آئے بعد پودوں کو پانی نہ دیا جاتا۔ لیکن ایسی فرد گزشت
کبھی نمودار نہیں ہوتی "خوف" سے کہ کہیں لینے نہ چھو جائیں کھیت کو اس وقت
تک پانی دیا جاتا ہے جب تک کہ پیرم دگی کا خوف دور نہ ہو جسے فصل جب پکنے کے قریب
ہوتی ہے اس کی حفاظت ہوگئی نہ گزشت کی بات ہے اور پندوں جانوروں اور انسان کی
دستبرد سے پایا جاتا ہے فصل کے نقصان کا خوف انسان سے کھیت کی حفاظت
کرتا ہے۔ اور کوئی جو نصیب کان خوف کی ان تمام منزلوں سے نہیں گزرتا تو اس کی
آکھیں لہما لہما کیمیتی کا کبھی نظر رہتا ہے ایک بار وہ مدہ نفس اندر نہ رہتا ہے
اس مثال سے دنیا کے دیگر افراد پر بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ "جذبہ خوف" سے وہ کس طرح
متاثر ہوتے ہیں اور ان کی زندگی پر اس جذبہ کا کتنا اثر مرتب ہوتا ہے۔

فکر ترقی نفس اور تہذیب حیات کے لئے حاصل کیا جائے اور فوراً دیکھا جائے
تو حصول علم سے مایک جا رہیں بھی "خوف" کا جذبہ نظر آئے گا۔ اگر ہمیں دلا علمی کا
خوف دل سے دور ہو جائے تو پھر حصول علم کا جذبہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا انسان حیات کو
انسانیت کی راہیں رکھتا ہے اور اس خوف سے کہ کہیں اس کی انسانیت بطل
نہ رہ جائے وہ علم حاصل کرنے کے لئے مضطرب ہوتا ہے اب ایک طالب علم نے اپنی استعداد
کے مطابق کچھ علم حاصل کر لیا اور اب اس کے دل سے جہل کا خوف دور ہو گیا۔ لیکن
میں کہ بعض سطح میں ان کا "خوف" جس کے فقدان کو زیادہ اہمیت نہ دیں مگر حقیقت
مگر حقیقت کی نگاہ میں تو اس طالب علم کا مستقبل تباہ ہو گیا اس کی ترقی رک گئی، اور
انانیت کے جوہر نے اسے بھل کر اب بن دیا۔ الر طالب علم کے دل میں خوف جہل ہوتا
تو وہ حصول علم کی کوشش سے بھی منہ نہ پھیرتا اور علم و فضل کی بلند رہ پاتی رہی پھر
دم لیتا پس معدوم ہوا رہتا نہ ذات انانیت اور خود کا ذہن سے بن رہا اور متمرد افراد
نے دنیا کی گدھولی لیا ہے ان کے قلوب جذبہ خوف کی غلطی کی مایک کو زلزلہ لپٹے ہیں
اور لپٹا جا چکا ہے کہ جذبہ خوف کا زلزلہ کبھی انانیت چھوڑتا ہے عبادت سے پس ہر لپٹا ہے

نڈر ہونے کے خدائی کا دعویٰ رہتی ہے اور خوف کا وہ رابطہ جو بندہ کو خدا سے دھس رہا ہے قطع
ہو گیا۔ خدا سے تھا و جہاں "خوف" ڈالنے کے لئے ہے بندہ اب کے اتنا بے پروا غلام اپنے
مولوں کے ذیہیب جب ڈران والوں کے دھواں و بلیغ پر ہی تو رہے گی۔ تو جو اس سے
جنگلوں میں ڈر کے خوف اور پانی کی بوجوں کو خوف "ہوتا ہے" یا جسے اب ناکہ بندوں کے
دلوں میں "خوف" پیدا ہو رہا ہے فرعون ہی "جذبہ خوف" سے نہ تھا۔ اتوں تباہ ہوا دنیا
کی مولناک موجد کو دیکھ کر "خوف" بندہ اچھا طالب تلامذہ ذات و ذات میں رہتا تھا
کاش یہ جذبہ کچھ دیر قبل پیدا ہو جاتا تو بکر اس کا منہ نہ "اور فرعون" "اسم بن آدم" کی
کی صفت میں شامل ہوتا۔

.....

ایک انسان کی جرم کے ارتکاب صرف خوفِ سر کے سبب جناب کرتا ہے۔ تمام تعزیری قوانین کا مقصد خوف دلانا ہے تاکہ اس دامن قائم رہے اور حدود انسانیت سے تجاوز نہ ہو جس شخص کا اس خوف جس قدر قوی ہوتا ہے اتنا ہی وہ معاصی و جہلیم سے محترز رہتا ہے، جرائم پیشہ اقوام کی "حسِ خوف" مٹ جاتی ہے اور بڑے سے بڑا جرم کرنے میں عار نہیں ہوتا۔ جب جذبہ خوف دل سے بالکل مٹ جاتا ہے یا قلب میں اس جذبہ کے تخلیق کی صلاحیت باقی نہیں رہتی تو دل پیچھے زیادہ سخت ہو جاتا ہے اور پھر کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی انسانیت کی تباہی کی یہ آخری منزل ہے اس کے بعد انسانیت جو نیت و درندگی سے بدل جاتی ہے۔ وہ مجرم جن کو کسی نیکین ترین جرم کی پاداش میں "حکم موت" سنایا جاتا ہے۔ حاکم کو گالیاں سناتے ہیں۔ عدالت کے کمرہ کو سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ بلب بولیں دیر بھگڑیوں کو آپس میں لگاتے ہیں۔ قید خانے کے ہر قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں، حالانکہ "سنائے موت" سنائے جانے سے پہلے ہی مجرم عدالت میں آکر حاکم کو موبو دبا نہ سلام کرتے تھے، پابیسوں سے نرمی کے ساتھ گفتگو کرتے تھے، قید خانہ کے انعام قوانین کی پابندی کو انہوں نے خود پر لازم کر لیا تھا۔ مگر اب چونکہ ان کے دل سے "خوف" جاتا رہا لہذا تمام قوانین و ضوابط کو بالائے طاق رکھ کر لانا قانونیت پر اثر کرتا ہے۔

خوف غضب اور بزدلی کا فرق

خوف اور غضب کے جذبہ میں اتنا بڑا فرق ہے جس پر روشنی ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ خوف اور غضب کے محرکات چونکہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں لہذا خوف و غضب کا اختلاف بھی لا بد و ضروری ہے کیونکہ محرک کا اختلاف متحرک پر اثر انداز ہوتا ہے ان نام نہاد بیات کے باوجود آؤ لگے ہاتھوں اس سلبی برتھوڈی بہت روشنی ڈال دیں۔ از کتاب جرم کے وقت دل میں خوف پیدا ہوتا ہے غضب پیدا نہیں ہوتا۔ جذبہ خوف سے انسان کا قلب ہر وقت لبریز رہتا ہے مگر قوتِ غضبی خواہ وہ کتنی بھی کم ہو سزاوارتہ پیدا ہو جاتی ہے۔ خوفِ عبدیت کی انیازی خصوصیت اور غضب (حقیقی) صفتِ ربانی ہے۔ خوف کا جذبہ اگرچہ بہت قوی جذبہ ہے۔ مگر بعض اوقات قوتِ غضبی جذبہ خوف پر غالب آجاتی ہے بعض حالات کے تحت انسان کی رگِ نیت و غیرت تڑپ اٹھتی ہے جس کے بعد انسان غیر معمولی طور پر غضبناک ہو جاتا ہے ایسی حالت میں انسان سے ایسی حرکات سرزد ہو جاتی ہیں جن کی سزا موت تک ہو سکتی ہے اس صفت میں قوتِ غضب جذبہ خوف پر غالب آگئی۔

خوف اور بزدلی میں بظاہر قدرے اشتراک و ربط پایا جاتا ہے لیکن فی الحقیقت ان میں زمین آسمان کا فرق ہے خوف فطری جذبہ ہے اور بزدلی نفسی جذبہ ہے فطرتِ انسانی کی عمومییت سے اس کا کوئی علاقہ نہیں ہے بزدلی کا جذبہ نفس کے ذریعہ ملکاات اور ذمیم عادات میں شامل ہے ایک شخص شیر کو دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتا ہے اس کی "بزدلی" نہیں کہہ سکتے۔ شیر خوفناک اور بے ادب انسان سے زیادہ طاقتور پس حفاظت جان کا خیال انسان پر خوف طاری کر دیتا ہے اس خوفزدگی کے درج مختلف میں وحشی اقوام کے افراد شیر کو دیکھ کر صرف چوکنے ہو جاتے ہیں گے ہر کاری پر معمولی سی گھبراہٹ ہوگی

اور وہ شخص جس نے اس سے قبل شیر کو نہ دیکھا ہوگا خوف سے کانپنے لگے گا۔ بعض لوگ چونکہ دیکھ کر کانپ اٹھتے ہیں اس لیے بھول جاتی ہے، حواس قفل ہو جاتے ہیں اس کو بزدلی سے تعبیر کیا جائیگا۔ چونکہ ایک ذلیل انسان ہے اس کا ضمیر مجرم ہوتا ہے جس کے سبب وہ خود تذبذب اور شدید گھبراہٹ کی حالت میں ہوتا ہے لہذا ایسے شخص سے ڈرنا فطرتِ انسانی کے خلاف ہے۔ مسلح دلوں کی ٹولی کو دیکھ کر حفاظت جان کے لئے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اگر آدمی ہمتا ہو تو مقابلہ کرنا سخت محنت اور خود کشی کے مرادف ہے لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ ان بد معاشوں کو دیکھ کر ہاتھ پیر پھول جائیں ایسی حالت میں اگر کوئی بدحواس ہو جائے تو اس کو بزدلی کہا جائے گا۔ بعض لوگ شیر سے نہیں ڈرتے۔ جنگلوں میں بے خوف گھومتے پھرتے ہیں ڈاکوؤں کا مقابلہ کرتے ہیں مگر چپکلی کتے یا مینڈک کو دیکھ کر ڈر جاتے ہیں اس حال کو بزدلی نہیں کہا جائے گا کیونکہ کسی خاص واقعہ کے سبب ان چیزوں کی دل میں حاکم بیٹھ گئی ہے اس لیے فطرتِ انسانی کا جوہر شجاعت زائل نہیں ہوا یہاں ایسا شخص جس نے کبھی خطرات کا مقابلہ نہیں کیا جنگلوں میں نہیں گھوما اس نا طبعان کے ساتھ زندگی بسر کی اگر چپکلی یا مینڈک سے ڈرتا ہے تو اس کو بزدلی کہا جائیگا کیونکہ اس کی یہ حرکت جوہر فطری پر اثر انداز ہوتی ہے اور وہ خطرات کا مقابلہ کرنے میں ہمیشہ پوک ثابت ہوگا۔

کسی بادشاہ امیر یا حاکم کو دیکھ کر ڈر جانا بزدلی ہے ایسا کمزور انسان فی نفسہ ضعیف و ذلیل کی قوت کو بڑی حد تک زائل کر چکا ہے اس قسم کا جذبہ فطرتِ انسانی کی ضد ہے ایک انسان کو کسی دوسرے انسان سے ہرگز خوف نہ کرنا چاہئے چاہے وہ تخت طاؤس پر کیوں نہ بیٹھا ہو اور کوہِ ذرا اس کے تاج میں جگمگا رہا ہو کسی انسان سے ڈرنے کے یہ معنی ہیں کہ خوف وہ مقدس جذبہ جو صرف خدا کے لئے مخصوص تھا نسا ہوگا اور انسانیت بڑی حد تک ذلیل ہوگئی یہ ناپاک جذبہ جب قلب میں بار بار پیدا ہوتا ہے تو پھر انسان خود کو نہایت ہی ذلیل اور کمزور سمجھنے لگتا ہے اور اس جذبہ کا رعب و استحکام پریش کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔

بچہ اور صنفِ نازک

بچہ بچہ فطرت صحیحہ کا حامل ہوتا ہے اس کو آپ کی با سطوت بادشاہ کے پاس لیجائیے یا مسلح ڈاکو کے سامنے ہرگز نہیں ڈرے گا ہاں خوفناک درندوں آگ کے شعلوں ریل کی گھر گھر ٹھٹھ سے اس کو خوف معلوم ہوگا اور یہ طبعی چیز ہے۔ مگر انہوں نے گھر کی عورتیں ڈاؤن سے قہقہے سنائے کہ اس کو زبردستی "بزدل" بنادیتی ہیں اگر اس کی صحیح تربیت کی جائے اور گھروالے "خوفِ بزدلی" کے فلسفہ سے واقف ہوں اور اس پر عمل بھی ہوں تو سن رشد کو پہنچنے کے بعد یہ بچہ بہادر ثابت ہوگا اور بزدلانہ حرکات ظہور میں نہ آئیں گی۔

عورت کے جذبات مرد کے مقابلہ میں لطیف تر ہوتے ہیں مگر فطری طور پر وہ بزدل نہیں ہوتی ہاں یہ ضرور ہے کہ جس چیز کو دیکھ کر فطری طور پر مرد کو قدرے گھبرا جانا چاہئے اس کے دیکھنے سے عورت کیکیا جائے گی عورت فطری طور پر حسن و نزاکت کو مرد سے زیادہ پسند کرتی ہے لہذا تمام ایسے مناظر جو حیثیت ناگ اور عشق و محبت کے لئے ہوتے ہیں ان کے نظار سے عورت کو وحشت سی ہوتی ہے اور بعض اوقات یہ وحشت

۱۳۵



(۱)

اے بے قرار کونل!
برسات کی سہانی راتوں کی تیسرگی میں
سوئی ہوئی فضا کی نمستاک دلکشی میں
تو کر رہی ہے دل کے رازوں کی ترجمانی
آواز میں ہے مدھم دریاؤں کی روانی
نغموں میں بہ رہی ہے جذبات کی کہانی

(۲)

اے دل نگار کونل!
آنکھوں میں پھر رہے ہیں گزرے ہوئے زمانے
بچھڑی ہوئی محبت بھولے ہوئے فسانے
موجود آرزوئیں معصوم شاہد مانی
بیدار دلولوں کی جاں بخش کامرانی
خوابوں کی سرزمین کھوئی ہوئی جوانی

(۳)

اے سوگوار کونل!
تو روح عاشقی کی بھنگی ہوئی فنا ہے
دکھے ہوئے دلوں کی مغموم داستان ہے
جیسے کوئی حسینہ سرِ یاد کر رہی ہو
بچھڑے ہوئے پرِ تیم کو یاد کر رہی ہو
رو رو کے زندگانی برباد کر رہی ہو

ذوقی

مسئلہ کا دوسرا رخ

مسئلہ خبط تولید پر امدادی جارحانہ قسم کے مضمون کے رد فاق میں نچلے طبقہ اہل علم نے عدلیہ کے کام میں شائبہ نہ کیا۔ یہ جو بلور سے اُن کی
ساحا جبکہ مضمون کا جواب لٹرنس نہ لیکن ان کے لفظ خیال کی ۔ یہ کہتا خواہر بیٹھیں اور صاحبانِ محکمہ کا بازو نہ سن
ایب ہیں اور آپ نے ایک بود کہ یہ جو کھڑکیں یعنی کھڑکیں ہیں یہ مضمون دراصل ان کا یہ ہے جس میں ضبطِ ناسور
کی ترمیمیں سیاسی اور عقلی دلائل پیش کئے گئے ہیں ان کو مکلف و فک کا اندازہ مگر تاقی مسئلہ ہے اس سے مراد بھی
بہتر ملاحظہ اس مسئلہ سروروشی ڈالی جائے گی۔ آخر یہ ہم مخالف صاحب کا شمار یہ لوگ کرے ہیں اور اوجہ کرتے ہیں نزد
البتہ یہ اس طرح کرم فرمانے میں گئے، (۱۰۵)

نہایت تو امید کے سلسلہ پر ہندوستان میں بھی کچھ حوصلہ سے بہت کچھ غور اور بحث جاری ہے۔ مضامین لکھے گئے۔ کتابیں تصنیف ہو رہی ہیں۔ اخبارات میں بحث مباحثہ کا سلسلہ۔ ادا صوبہ کی کونسلوں میں بھی تجاویز اور قانون پاس کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ محکمہ مقامات میں "انڈیا" اور "نانا انجمنوں میں مباحثے ہوئے۔ کین یہ سب کچھ انگریزی زبان میں نہ ہاں ہاں کی زبان میں جہاں تک مجھے علم ہے اس مسئلہ پر نہ کوئی مضمون لکھا گیا اور نہ کوئی ناپ شائع ہوئی۔ حالانکہ ضرورت زیادہ تر اس بات کی تھی کہ خواص سے نیز گروہام کے طبقہ میں اس مسئلہ کی اشاعت کی جائے اس لئے کہ جس قدر کہ نئی سیاست کی حوام اور مذہب و پیشہ طبقوں میں ہے۔ اس نے مقابلہ میں مقبول اور تعلیم یافتہ طبقہ میں بہت کم ہے۔

مختصہ اس مضمون پر تین لفظ خیال سے نظر ڈالیں بادی ہے۔ اول اقتصادی
دوسرے سیاسی تیسرے مذہبی۔ اقتصادی سے یہی مراد ملے گی کہ بادی ہے "ان فی آبادی"۔
پڑھنے کی رفتار نفوس بالکس اس قدر تیز ہے کہ اگر کوئی مہم مولی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ اور
اموات معمول سے زیادہ نہ پڑے تو کسی ملک کی آبادی پچیس برس کے بعد تین گنا
چاہئے لیکن قدرتی اسباب آبادی کو روکنے میں حاصل ہوتے رہتے ہیں وہ بانی امراض جناب
اور قحط۔ زمین قدرتی اسباب ایسے ہوتے رہتے ہیں جن سے کسی ملک کی آبادی اس رفتار سے
نہیں بڑھنے پانی کہ جس پر اس کی مدت میں دہائی ہو جائے اس میں شک نہیں کہ اگر بعد قحط و
پیش نہ آتی رہیں تو اب ملک نہ اڑاؤں یہ جہہ زمین ہی میں نہ پاتی رہتی۔ جس پر انسان آباد
نہ ہوں۔

آبادی کی اس رفتار کے ساتھ اہم قابل غور یہ جس نسبت سے آبادی بڑھتی ہے اس نسبت سے زمین کی پیداوار جس پر انسان کی زندگی کو دہراؤ ہے اس پر بڑھتی آبادی کا زماؤہا کی نئی تخلیقات کے جوڑاؤ کی ترقی اور پیداوار کو ٹھہرانے میں جتن بھگھنا ہونی ہے۔ ممکن نہیں نظر آتا کہ زمین کی پیداوار اتنی ترقی کر سکے کہ آبادی کی بڑھتی ہوئی نسبت کے ساتھ مقابلہ کر سکے۔ اگرچہ بعض ممالک میں فن زراعت اس حد تک مدھی ہیں کہ انسان کی آبادی خواہ کسی رفتار سے بڑھتی ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ زمین و پیداوار اس سے دینی پھلنی رفتار سے بڑھتی ہو سکے۔ اور یہ خوف بالکل بے بنیاد ہے کہ کبھی دوبار کی آبادی اتنی زیادہ ہو جائے کہ اس کے پیٹ پھرنے کے لئے غذا مسد نہ آسکے۔

قدرتی رکاوٹیں جو بالخصوص نے کسی زمانہ میں خداری تھیں اُن کا السداد انسان نے بہت محو کر لیا ہے۔ وہابی امراض کی روک تھام اور علانیہ ایسے دریافت ہوئے تب۔ بن سے ان کی حضرت اور انسانی ہلاکت بہت کم ہوئی ہے۔ وطن سے جنگ کو روکنے کے لئے لیگ آف نیشنس کا قیام بھی ایک حد تک مفید قرار دیا جاسکتا ہے۔ قحط کا اثر کسی ملک پر اب مہلک نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ذرائع آمدورفت ایسے زود۔ سال ہو گئے ہیں کہ ایشیا، مغرب، جنوبی امریکا، افریقہ کے ساتھ بیرونی جاسکتی ہیں۔ خاص ان قدرتی اسباب ہلاکت کا السداد بہت سچ ہو گیا ہے۔

مالک نے ان اسباب بدلتے بچنے و ذریعہ رہی قرار دیا تاکہ آبادی کو اس فتنے سے نہ ٹرنے دیا جائے جس فتنہ سے دنیا اسے بڑھانا چاہتے اور اس کا ذریعہ اس نے ضبط تولید بتایا تھا۔ اس وقت ضبط تولید کے وسائل جو اب معلوم ہیں ان سے دنیا و فتنہ یعنی ارض و اضافی رکاوٹ یعنی مرد کا عورت سے اجتناب ہی ایک ذریعہ ایسا بتا جا سکتا تھا جس سے اولاد کی پیدائش بند ہو سکتی ہے لیکن اب صمد جو اہست سے اپنے راج معلوم ہو گئے ہیں جن پر عمل کرنے سے اولاد پیدا نہ ہو چنانچہ یورپ میں ان بہت کچھ عمل کیا گیا ہے اور اس میں کامیابی ہوئی تاہم یہ امر بھی ظاہر ہے کہ دنیا کے ہر ملک کی آبادی وجود ان قدرتی اسباب بلالت اور ضبط تولید کے عمل کے یہ بھی بڑھ رہی ہے یورپ کی آبادی جو اپنے ملکوں میں نہیں ماسکتی وہ دوسرے آبادی مالک اور جزائر میں جا کر آباد ہو رہی ہے اور اسی امر بلکہ مغربی افریقہ اور بہت سے جزائر میں جہاں یورپ کی قومیں جا کر آباد ہو گئی ہیں خود ہندوستان کی پڑھتی ہوئی آبادی کے بہت سے لوگ مختلف ملک میں چلے گئے ہیں جنہوں نے افریقہ میں ایشیائی سیٹلنسٹس میں کینیڈا میں مارشلس میں غرض جہاں کچھ ذریعہ معاش کی راہ نکلتی ہے چلے جاتے ہیں بلکہ یہی ہندوستان کی آبادی نے ہمسایہ ممالک کی رو سے اس قسم کی رفتہ رفتہ دس سال کی مدت میں بڑھ گئی ہے اگر یہی رفتار قائم رہی تو یہ سلسلہ قابل غور ہے کہ آج کل دنیا میں لیڈ اور اتنی کافی ہونے کی کہ اس پڑھتی ہوئی آبادی کا یہ بھریا ہو سکے۔

[illegible]

ہے۔ افلاس میں مبتلا ہے۔ یہاں تک کہ قانون نے کی نوبت پہنچ گئی ہے۔ پس ہم نتیجہ نکالنے پہنچو۔ زمین کی پیداوار اور آمدنی اور ہندوستان کی آبادی کی رفتار ترقی میں توازن نہیں رہا۔ اس سے زیادہ ہیں بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

اسی امر کو پیش نظر رکھتے ہوئے ضبط تولید کی آواز بلند ہوئی ہے اور اس کا مطمح نظر صرف یہی ہے کہ ہندوستان کی اقتصادی حالت میں توازن قائم کیا جائے اور ملک کے بڑھتے ہوئے افلاس کا سد باب کیا جائے۔

اب ہم اس مسئلہ پر دوسرے نقطہ خیال سے نظر ڈالتے ہیں۔ ایک گروہ سیاسی طبقہ کا ایسا ہے جو ہر فرقہ اور جماعت کا اصلاحات ملکی میں حصہ ٹھہرانا چاہتا ہے۔ اور چونکہ یہ حصے تناسب آبادی کے مطابق قرار دئے گئے ہیں۔ اس لئے اس خیال کا حامی ہے کہ وہ فرقہ جو اصلاحات ملکی میں زیادہ حصہ لینے کا خواہشمند ہے۔ وہ اپنے فرقہ کی آبادی بڑھانے کی کوشش کرے۔ مثلاً ہندو پولیٹیکل لیڈر پنج ذات کے فرقوں کو اپنی آبادی میں شمار کرانے کی سعی تبلیغ کر رہے ہیں۔ اور جب وہ اپنے حقوق کا تحفظ نہ کر سکتے ہیں۔ تو ان کو یہ کلمہ تسلی دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ تم تو ہماری جماعت اور ہمارے مذہب میں شہید ہو۔ یا ان صوبوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اس بات کو فراموش نہیں کر سکتے کہ اگر ان کی آبادی اس صوبہ میں کم نہ ہوتی تو ان کا حصہ صوبہ کی کونسلوں وغیرہ میں اس قدر کم نہ ہوتا جتنا اب ہے۔ یہی حال ان فرقوں کا ہے جو اقلیت میں ہیں ہر حال خیال کہ اپنے فرقہ کو بڑھانے کی کوشش کرنی چاہئے؟ ہر اقلیت فرقہ کے دل میں جاگزیں ہے اور بحال ضبط تولید کے مسئلہ کے منافی ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی فرقہ یا قوم کی سیاسی قوت محض اس کی کثرت تعداد پر منحصر ہے۔ یا اس کے تہذیب و شائستگی اور علم و ہنر پر ہمارے انکھوں کے سامنے وہ طبقہ جو بیچ ذات کہلاتا ہے موجود ہے۔ ان کی تعداد مردم شماری کے لحاظ سے کروڑوں تک ہے اور اگر ان کو اہل ہنود سے الگ کر لیا جائے تو خود ہنود جو اس وقت آبادی کے لحاظ سے غالب طبقہ سمجھا جاتا ہے۔ اقلیت میں ہو جاتا ہے اس طبقہ کی قوت سیاسی آبادی کے لحاظ سے جو کچھ بھی ہے وہ پوشیدہ نہیں۔ برخلاف اس کے پارسی قوم کس قدر تعداد میں ہندوستان میں موجود ہے۔ لیکن ان کا اثر ان کی وجاہت ان کا تہذیب ان کو ہر جگہ پیش پیش رکھتا ہے۔ پس محض کثرت تعداد کسی فرقہ یا قوم کی زندگی میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی اسی قوم کا دنیا میں عزت و وقار کیا جاتا ہے جو علم و ہنر سے بہرہ ور ہو۔

تیسرا نقطہ خیال مذہبی ہے۔ عیسائی مسلمان۔ ہندو۔ ہر مذہب کا پیشرو ہمیشہ سے ضبط تولید کے اصول اور عمل کا مخالف رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر قانون قدرت کے مطابق ہم مقصد حیات پر نظر ڈالیں تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ہر جنس کا مقصد حیات اس لذت سے نہایتلی ہو یا حیوانی اپنی جنس کی پیدائش اور اس کی ترقی ہے اور یہی مقصد حیات اس شدت سے دنیا میں عمل پیرا ہے کہ اس کا نتیجہ ہم ہر جگہ کشاکش حیات میں دیکھتے ہیں۔ پس اگر مذہبی اصول قانون قدرت کے مطابق ہیں تو مذہب اور قانون قدرت کے مطابق ضبط تولید کا اصول اور عمل کسی طرح جائز نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اسی بنا پر یاد رہے

۲۲۴

مولویوں پندتوں کی مخالفت بالکل بجا اور درست ہے۔

لیکن قابل غور یہ امر ہے کہ زمانہ حال کی کشمکش حیات اور عوام کی اقتصادی حالت کا اقتضا کیا ہے؟ کیا ایک مزدور یا ایک محدود آمدنی والا شخص یہ برداشت کر سکتا ہے کہ ہر سال اس کے گھر میں ایک بچہ پیدا ہوتا رہے؟ کیا ایک غریب شخص کثرت اولاد کا تحمل ہو سکتا ہے؟ دیکھنا یہ ہے کہ بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے بار کو ایک متوسط درجہ کا شخص کس حد تک برداشت کر سکتا ہے؟ کیا یہ بات غیر واجب ہو گی کہ وہ اسی حد تک اولاد پیدا کرے جس حد تک وہ اس بار کو اٹھا سکتا ہے؟ ہر سمجھدار شخص یقیناً یہی کہے گا کہ ایک ذمہ دار انسان کے لئے لازمی ہے کہ وہ اولاد کی پیدائش اسی حد کے اندر محدود رکھے جس حد تک وہ اولاد کی تعلیم و تربیت اور پرورش کے اخراجات کا تحمل ہو سکتا ہے؟ سوائے اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ متوسط اور غریب طبقہ کی عورتیں کثرت تولید کے سبب کمزور و نحیف اور گونا گوں امراض میں مبتلا رہتی ہیں اور ان میں ایسے امراض عام طور پر پائے جاتے ہیں جو ان کی ہلاکت کا سبب ہوتے ہیں۔ دق کا مرض ہندوستان کی عورتوں میں عام ہو گیا ہے اور اس میں زیادہ تر دی عورتیں مبتلا پائی جاتی ہیں جن کی قوت تولید ہر صدمہ سے زیادہ بار پڑتا ہے۔

ہندوستان میں جس قدر اموات عورتوں کی تولید کے وقت ہوتی ہیں وہ کوئی پوشیدہ امر نہیں ہے۔ اس کی زیادہ تر وجہ یہی ہوتی ہے کہ کثرت تولید کے باعث ان کی صحت خراب ان کے اعضا کمزور اور ان کی جسمانی قوت اس درجہ زائل ہو جاتی ہے کہ وہ اس صدمہ کو جو تولید کے وقت ان کے جسم کو پہنچاتا ہے برداشت نہیں کر سکتیں اور قبل از وقت موت کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس جسمانی کمزوری کا ایک بڑا سبب ہندوستان میں کم سنی کی شادی بھی ہے اور کچھ اس پر متواتر کثرت کے ساتھ تولید کی عہدیت ان کو قبل از وقت لب گور پہنچا دینے کا باعث ہوتی ہے۔ اسی سلسلہ اسباب میں یہ بھی سب لوگ جانتے ہیں کہ نوزائیدہ بچوں کی اموات کی ہندوستان میں کس قدر زیادتی ہے۔ کمزور ماؤں سے کمزور بچوں کا پیدا ہونا لازمی ہے اور ایسے نحیف و نزار بچوں کی زندگی چند روزہ نہ ہو تو کیا ہوگی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عورتوں اور بچوں کی اس کثرت سے ہلاکت کا ذمہ دار کسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ بلاشبہ اگر انسان اپنی سمجھ اور عقل سے کام لے تو وہ ان اسباب کو جو اس ہلاکت کا موجب ہیں روکنے کی ذمہ داری محسوس کرے گا۔ اور اس احساس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ ضبط تولید پر عمل پیرا ہو۔

ہمیں بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے یہ دیکھنا ہے کہ مذہب اسلام ضبط تولید کو کہاں تک جائز یا ناجائز قرار دیتا ہے۔ مذہب اسلام کا حمل اس وقت تک جائز ہے ماں پیٹ میں بچہ انسانی صورت اختیار نہ کرے۔ یا دوسرے الفاظ میں اس میں جان پڑ جائے البتہ جب جنین انسانی صورت میں بڑھ جائے اور اس میں جان پڑ جائے تو اسقاط حمل جائز ناجائز بلکہ ایک گنا عظیم ہو جاتا ہے۔ احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں ناجائز قرار دیا ہے اور اس فعل کو برا نہیں سمجھا گیا چنانچہ عمل اسلامی دنیا میں ایچ تھا۔ باوجود

مذہب صاحب آیت سے تو انکار نہیں دیا سکتے کہ اچھوت اقوام ہندو جسم ہی کا ایک ماؤں حصہ ہیں۔ مذہبی اور سماجی تقسیم اور برہمن ازم کی خود مرضانہ کار فرمایا ہونے نے ان کو ان عالموں پہنچایا۔ اب اگر ہندو عوام اپنے ماؤں حصہ جسم کی صحت کی طرف رجوع ہوتی ہے تو اس کو محض سیاسی مصالح پر مبنی خیال کیوں کیا جائے اس کو انسانی خدمت بھی تو کما جاسکتا ہے رہی اس باب میں اس کی سیاسی سوچیں اس سے بحث مقصود نہیں۔ (مستطیل)

کینزوں اور لونڈیوں کے ساتھ اس عمل کے جواز کا بہت زیادہ پتہ چلتا ہے۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف۔ باب المباحثۃ (۱) ہمیں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ ضبط تولید کا اصول مذہباً ناجائز نہیں، اگر کوئی شخص کثرت سے اولاد پیدا کرنے کی ذمہ داری محسوس نہیں کرتا تو ہم ایسے شخص کو اپنا مخاطب نہیں بناتے۔ جیسے پیش نظر تو صرف وہ لوگ ہیں جو اولاد کی زیادتی سے پریشان ہیں ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت سے بہ سبب نادار سی معذوریہا و بے الفیہ کے جو یا ہیں جن سے اولاد کی کثرت پیدا لیس کر رہا جا سکے۔

الہباد اسلام نے بہت سی ایسی ترکیبیں ایجاد کیں اور نسخے دریافت کئے جو ضبط تولید کے کام میں لائے جاتے تھے۔ چنانچہ علی ابن سینا، علی ابن عباس و دیگر منہو اطیباء نے بہت سی ایسی دوا میں اور ترکیبیں بتلائی ہیں جن سے حمل کا قاربانارو کا جاسکتا ہمارے خیال میں ان تمام امور کو پیش نظر رکھ کر جو مختلف اؤپر بیان کئے گئے ہیں برداشت کے باشندوں کے لئے ثمواناً اور مسلمانوں کیلئے بالخصوص یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ضبط تولید کے اصول اور عمل کو عام طور پر رواج دیا جائے مسلمانوں کا روز افزوں فلاس اس امر کا تقاضی ہے کہ ہم اولاد کی کثرت پیدا لیں گے روکنے کے ذرائع اختیار کریں ایک متوسط الحال شخص جس کی آمدنی پچاس اور سو روپہ ماہانہ سے زیادہ نہ ہو زادہ سے زیادہ دو تین بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا بار اٹھا سکتا ہے۔ مزدور پر مشتمل جماعت اس وقت جائے پیش نظر نہیں ہے اس لئے کہ اس طبقہ کے لوگوں کی زندگی میں اس حد اوجواب کرم اس کو والی زندگی سے ذرا بھی بالا نہ نہیں سمجھتے۔ بلاشبہ یہ طبقہ قلیل جمع ہے ان کی زندگی کے مصائب اور تکالیف لاندہ ہی ہیں لیکن اس طبقہ کو بار جو کثرت پیدا لیں وہ برہنہ کن حالات میں نہیں آتے جو ایک متوسط الحال شخص پر گزرتے ہیں اس لئے کہ ایک

ناؤس حقیقت

یہ کعبہ و دین یہ عکس است
 یہ تولدی پندت و صوفی تہنہ
 یہ کعبہ و عکس است
 عالمیت خاندان اہل عالمیت
 (بادۂ مشرق)

مشاہیر مغرب و مشرق کے زیرِ اِقال

(مترجمہ سید محمد علی میرٹھی)

انسان فطرت کی غصہ قوتیں بیدار کر کے سخت خطروں میں پڑ گیا ہے۔ اب اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یا ان قوتوں کو آخری طور پر مغلوب کر کے مسخر کر لے یا خود مغلوب ہو کر برباد ہو جائے۔ (گین)

حد بندیوں سے آزاد۔ وہ خاموش اور ہمیشہ بے چین و مضطرب رہنے والی چہرہ یعنی وقت لڑکتا ہوا جھپٹتا ہوا۔ تیز رفتار۔ خاموش جو سمندر کی ہمہ گیر موج کی طرح ہے جس پر ہم صحت پر کی طرح موجود ہوتے اور پھر غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ وقت ہمیشہ سے نفوی مہنوں میں معجزہ ہے یہ ایسی چیز ہے جو ہمیں گونگا بنا دیتی ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس الفاظ نہیں جو اس کے بارے میں کچھ کہہ سکیں۔ آہ! یہ کائنات! وحشی انسان اس کے متعلق اب تک کیا جان سکا ہے۔ اور اب بھی ہم جان ہی کیا سکتے ہیں؟ یہ ایک طاقت ہے ہزار گونہ طاقتوں کا ایک مہمہ سے یہ وہ طاقت ہے جو ہم سے علاوہ ہے۔ یہ ہم سے بالکل مختلف چیز ہے۔ طاقت۔ طاقت ہر جگہ طاقت! اسے مرکز میں ہم بھی ایک بڑا سر طاقت ہیں۔ سرک پر پکھرے ہوئے پتے جو سڑنے لگتے ہیں ان میں بھی طاقت ہے۔ اگر طاقت نہ ہوتی تو وہ کیسے سڑتے۔

(کارلائل)

تہذیب کا سب سے بڑا ثمرہ یہ ہے کہ وہ عقل کو قطع اور سر سے پاک کر دیتی ہے۔ اور ہر چیز کی حقیقت دیکھنے کا موقع ہم پہنچتی ہے۔ علم میں صحیح طور پر وضاحت و بناوٹ سے بظن کرتا ہے۔ آزاد ملکوں میں اگر کسی شخص کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھنا ضروری ہے تو وہ بچنے تقریریں کرنے والا شخص ہے۔ یعنی وہ شخص جو تعلیم یافتہ بھڑکاوٹی چرب زبان سے سخن کر دیتا اور گمراہی کو خوشنما بنا کر عام کرتا ہے۔ آزادی کے ہر زمانہ میں سب سے بڑا خطرہ یہی گمراہ مقرر سے (مسٹر بالڈون)

زمانے کے انقلابات دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست بنا دیتے ہیں۔ آزادی کے طلبکار انتہا پسند نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ یہ تو ابتدائی چیز ہے۔ غلامی کے پسند کرنے والے البتہ انتہا پسند ہیں کیونکہ غلامی دولت نفس کی انتہا ہے۔ (سعد زاقول)

”انتقام ایک نفاذی فعل ہے سزا کا اختیار صرف خدا کو ہے۔ سوسائٹی کا راستہ انتقام اور سزا کے مین بین ہے۔ سزا اس کے دائرہ اقتدار سے باہر ہے۔ انتقام سوسائٹی کے نمایاں شان نہیں۔ سوسائٹی کو انتقام کے لئے سزا نہیں دینی پڑتی بلکہ سزا مجرموں کی اصلاح کرنی چاہئے۔“

”وہ سزائیں جو مجرموں کو دی جاتی ہیں ان لوگوں کو خوفزدہ کرتی ہیں جن کے خوفناک اذہان میں جرائم پرورش پاتے ہیں۔“ مسٹر ہارنر ”اسے موت۔ بیان کردہ قاتلانہ پیدائشیں ہوتے ہوئے ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہولناک مناظر سے خطرناک اثرات پیدا ہوتے ہیں ان کے احساسات اور حیات قلب مجروح ہوتے ہیں۔ ان کے اخلاق پر بڑا اثر پڑتا ہے۔“ ”میزائل میں بڑے سے بڑے مجرم کو تو تین سو سال تک سزا سنائی کو س چار سے محروم کر دینے کا کوئی حق ماس نہیں جسکو وہ عطا نہیں کر سکتی۔“ (ویکٹر ہیوگو)

دنیا کی عجیب اور نفیس حیالت یہ ہے۔ کہ جب ہم بد بختیوں کا شکار ہوتے ہیں۔ جو ہمارے افعال و اطوار کا نتیجہ ہیں تو اپنی بربادیوں کا مجرم سورج۔ چاند اور ستاروں کو ٹھہراتے ہیں۔ گویا نتائج اور ضرورت نے ہمارے کردار بنایا۔ آسمانی حیر۔ سے بیوقوف بنے۔ اجرام فلکی کے غلبہ نے۔ بد معاش۔ جو را اور خدا ربنا۔ اثرات انجم کی حیرتہ اطاعت کرنے سے شرابی۔ دروغ گو اور دغا کار ہونے لگے۔ حتیٰ کہ ہمارے اندر یعنی برائیاں ہیں وہ سب خدا کی طرف سے مسئلہ کی گئی ہیں۔

(سکسپیر)

قومی تکبر اور خود پسندی کے نظام کا جال جس کو انسان نے اپنے ارد گرد خود بنایا ہے اس سے ہر شخص کو آزاد کرنا سب سے بڑا فرض ہے۔ تنہا کو یہ سمجھنا ہے کہ احساس دینے والے بھول کی مخالفت سے زیادہ مٹی آسمان کی آزادی ہے۔ دنیا پر غیر فانی روت کی طاقت کا مظاہرہ کر کے اگر ہم طاقتور سلخ اور دولت مند شخص کا مقابلہ کریں تو جسم کے دیو کا تعلق گنہامی میں فنا ہو جائے گا۔ مشرق کے ہم بھوکے ننگے بدن صیہوں کو تمام عالم انسانی کی آزادی حاصل کرنا ہے۔

(میکور)

میں مذہب کو ہوا نہیں بناؤں گا اور نہ اس کے مقدس نام کے ساتھ کسی برائی کی وابستگی کو صحیح سمجھ سکتا ہوں۔ میں انجیل قرآن اور زنداوستا کو اتنا ہی الہام خداوندی سمجھتا ہوں جتنا کہ ویدوں کو (مہاتما گاندھی)

تہذیب جدید صرف نام کی تہذیب ہے۔ اس کے ماتحت زندگی کا دامن مقصد مادی فطرت و شان ہے اس تہذیب نے یورپ والوں کو حصول نرکابندہ بنا دیا اور امن و سکون اور روحانی زندگی سے محروم کر دیا ہے۔ مزدوروں اور کمزوروں کو گناہ کے لئے یہ جہنم ہے۔ تمام نسلوں کی طاقت کو اس نے غارت کر دیا ہے۔ یہ شبیطانی تہذیب اپنی ہی آگ میں جل کر فنا ہو جائے گی۔ (اروین روینٹا)

اگر کوئی مفاد یا مقصد نہ ہو تو زندگی ایک نہایت غیر دلچسپ تیرہ ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو علم و فن سے محروم ہیں دنیا رنگوں کی ایک ترتیب یا ایسا ناہوار راستہ ہے جہاں آسانی سے وہ اپنی نا اہلی توڑ سکتے ہیں خواہش اور شوق معلومات ہی انساں کو زندہ رکھتا ہے۔

(اسٹینون)

جب ہمیں اس قدر صلاحیت پیدا ہو جائے گی کہ ہم خدا کے سرخشاں میں جہنم و جہاں محسوس کرنے لگیں تو اس وقت دعویٰ کر سکیں گے کہ ہم اس کی حقیقت سے واقف ہوئے ہیں۔

(سکن)

بلاشبہ خدا نیکی ہے۔ انسان کی نیکی یہ ہے کہ اپنے خبیث نوع سے محبت کرے۔ لیکن خدا کی نیکی اس کا وہ نظام ہے جس سے وہ کائنات کو نسما لے اور تمام اجزا کو باہم جوڑے ہوئے ہے۔ (جاں جاک روسو)

انانیت کی تاریکی

انانیت کی تاریکی جس کو مٹانا ہے وہ انفرادی نہیں بلکہ عوام کی انانیت ہے۔ بشرق ہو یا مغرب یہ محض انسانی دماغ ہے جو مختلف پہلوؤں اور مختلف زاویہ نگاہ سے سچائی تک پہنچنا چاہتا ہے اور اگر یہ بات سچ ہو سکتی ہے کہ مغرب نے غلط راستہ کی طرف رہبری کی تو مشرق کے نقطہ نگاہ کے متعلق بھی کوئی شخص یقین نہیں کر سکتا کہ صحیح ہو گا یا غلط۔ میں چاہئے کہ جو نئے فخر و مباہات کو ترک کر دیں اور دنیا کے کسی گوشہ میں بھی ان کو کوئی چراغ روشن ہو تو یہ سمجھ کر کہ یہ ہمارے ہی مشرک گھر کا چراغ ہے اس پر خوشی و خرمی کا اظہار کریں۔

(ٹیلور)

عدم تشدد

”ہماری جنگ کا مقصد تمام ذنبا تہمت اور دوستی ہے۔ عدم تشدد انسانوں سے روشناس ہو چکا ہے اور یہ قائم رہے گا۔ عدم تشدد امن عالم کا ہر اول ہے۔“
(ماتھاگانڈھی)

ضمیمہ

ضمیمہ لے گئے ہیں :۔ یہ سچ ہے کہ جہاں لوگوں کے جو بالکل بے عقل ہیں ضمیر ہے شخص میں موجود ہے۔ لیکن یہ گزشتہ نوجو بات کا نتیجہ ہوتی ہے اور ان نوجو بات کے مطابق ہی اس میں اختلاف ہوتا ہے۔ گزشتہ زندگیوں میں ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ فلاں طریقہ عمل خوشی اور سرت کی طرف رہبری کرتا ہے اور اس کے علاوہ مصائب آلام کی طرف بھیجتے ہیں پچھلی تمام زندگیوں میں فتنہ مٹاتا تھا۔ یہ لفظی فیصلہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور جب تہمید ہونے لگتی ہے تو تمام اچھا نفع اسی قطع فیصلہ کی جڑی کرتا ہوتا ہے۔ جس طرح ایک شخص کا بڑا بڑا اشخاص کے تجربوں سے مختلف ہوتا ہے اسی طرح ایک شخص کا ضمیر بھی اپنے ہمسایوں کے ضمیر سے اختلاف رکھتا ہے۔ ضمیر کا ارتقا تہذیب علم اور طبیعتی آدمی کے ارتقا تہذیب علم اور طبیعتی آدمی کے ارتقا کے ساتھ ہوتا ہے۔ (اسٹینیسیٹ)

ماحول کا اثر

اواز کے باہمی خود غرضانہ استعمال میں جس قدر کمی ہوتی جائے گی اسی قدر قوموں کا باہمی خود غرضانہ استعمال بھی کم ہوتا جائے گا۔ جوں جوں وہ ذہن ہاں کم ہوتی جائیں گی قوموں کی باہمی دشمنی بھی مٹتی جائے گی۔ کیا اس حقیقت کے سمجھنے کے لئے کسی کھری بصیرت

کی ضرورت ہے کہ مادی حالات : زندگی اور اجتماعی نظام کی تبدیلی کے ساتھ انسان کے خیالات نظر سے تصورات حتیٰ کہ ضمیر و وجدان تک بدل جاتا ہے ؟

خیالات کی تاریخ بجز اس کے اور کیا ثابت کرتی ہے کہ پیداوار مادی پیداوار کیساتھ ہمیشہ بدل جاتی ہے ؟ ہر عہد کے حکمران کے خیالات وہی رہے ہیں جو اس کے حکمران طبقے کے تھے۔
(کارل مارکس)

موجودہ سوسائٹی

ہم سب بھائی ہیں مگر ہم روز صبح کو میرے بھائی اور میں میرے لئے نہایت ذلیل خدمات انجام دیتی ہیں۔ ہم سب بھائی ہیں مگر میں :۔ روز صبح کو چرٹ پتیا ہوں مٹھائی کھاتا ہوں اور آئینہ کے سامنے مٹھتا ہوں اور بہت سے ایسے سامانوں سے اپنا دل خوش کرتا ہوں جن کی تیاری میں میرے بھائی بہنوں کی تندرستی غارت ہوئی ہے۔ میں اس کا استعمال ترک نہیں کرتا بلکہ ان کو حکماً طلب کرتا ہوں۔

ہم سب بھائی ہیں ہل میں کسی بنک با سود اگر کی دوکان پر ملازمت کر کے اپنے دل رازتا ہوں اور ہمیشہ اپنے بھائی اور بہنوں کے لئے ضروریات زندگی کی قیمت بڑھاتا رہتا ہوں۔ ہم سب بھائی ہیں مگر میں اپنے بھائیوں کے خلاف فیصلے لکھنے اور ان کو بلخانوں میں بھیجے اور چوروں اور طوائفوں کو سزا دینے کے لئے نچوڑا جاتا ہوں۔ کوچور اور طوائفوں کو سزا دینے کے لئے نچوڑا جاتا ہوں وچور اور لے لٹے ہیں ہی :۔ کی لئے اسباب سے پیدا کئے ہیں۔ ہم سب بھائی ہیں لیکن میں انہوں نے ٹیکس مول کر کے زندگی بسر کرتا ہوں اور مالداروں کو حبش اور کابل وجود میں رہتا ہوں۔ ہم سب بھائی ہیں مگر میں سڑپ جھوسی تہہ کی بس میں یہ ذاتی اعتقاد نہیں ہے۔ دو دروں کو تلقین :۔ نچوڑا جاتا ہوں اور لوگوں کو چانی دریافت کرنے سے روکتا ہوں۔ میں حینت مادی :۔ سب سے بڑوں واسطے معاملہ میں دھور مٹا ہوں جو ان کی زریست اور موت کا سوال ہے۔ انہو ادبستا ہوں ہم سب بھائی ہیں لیکن میں اپنے بھائی سے جملہ خدمات کی جو میں اس :۔ بہت بے سبب تہمید یا ذکر انجام دیتا ہوں قیمت دیتا ہوں۔ ہم سب بھائی ہیں ہمیں میں بھائی لکھتا ہوں۔ یہ لڑنے :۔ اختیار و نور بار و اور قلعہ بنا :۔ نچوڑا جاتا ہوں۔

ہمارے اعلیٰ طبقہ کی ساری زندگی اجتماع شدت ہے اور جتنا جس انسان میں انسان کا مادہ ہے اتنی ہی زیادہ وہ تکلف :۔ سنا رہا ہے صاف قلب نے آدمی کو کسی حالت میں مادی رستہ نہیں ہو جی سلی :۔ اس سے زندگی کی کوئی گھڑی رستہ :۔ انسانی انوس :۔ انوس نے خالی نہیں :۔

(کاؤٹ انسان)

حاصل ہوتی ہے کہ زندگی کی تمام کھفتیں بھول جاتا ہے..... اگر خود کشی منطوق نہیں ہے تو اپنے لئے کوئی کام پیدا کر لو۔ (روالٹیر)

مغربی طریقہ تعلیم

کوئی بھی ہندوستانی ذہانت اور عقلندی پر شبہ نہیں کر سکتا۔ مگر یہ حیرت ہے کہ مغربی طریقہ تعلیم نے اسے کس طرح اپنا شکار کر لیا ہے اور ہندوستان کی روایتی ذہانت کی ششعل قوت بالکل افسردہ ہو کر رہ گئی ہے۔ (میرس)

دنیا اور فکر و عمل

دنیا نے فکر و عمل کے الگ الگ گوشے بنائے ہیں اور اس قدر اور صلاحیت کے دائرے بنا کر ان میں لکیریں کھینچ دی ہیں تاکہ تقسیم عمل کے حدود قائم ہو جائیں لیکن تقسیم اور حد بندیوں ہمیشہ نہیں حل سکتیں۔ کبھی سبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ طبیعت کا جوش اور فکر کی وسعت ان چھوٹے چھوٹے خانوں کی تنگنائیوں میں قانع نہیں رہ سکتی اور حد بندیوں یا توڑ کر باہر نکل جاتی ہے۔ (ابوالکلام آزاد)

انتخابِ باہمی

”اُسے کاملاً قائم رکھنا۔ ورنہ نماز سے بھی افضل ہے..... تیمیوں کا خیال رکھو ان کے منہ میں خاک نہ ملے۔ وہ تمہاری موجودگی میں خائف نہ ہونے پائیں اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو تمہارے رسولؐ پر پڑوسیوں کے حق میں مہین کرتے رہتے۔ یہاں تک کہ ہم سمجھے شاید انہیں درجن میں شریک کر دیں گے۔... خدا کے تمام بندوں پر شفقت کرو جب بات کرو تو بھی زبان سے بات کرو۔ ایسا ہی خدا نے حکم دیا ہے کہ تکلف اور سادگی پسند ہو گناہ اور زیادتی میں کسی کی مدد نہ کرو۔“ (حضرت علیؓ)

زندگی اور موت

”زندگی کتنی ہی شاندار اور عظیم الشان ہو لیکن تاریخ اپنے فیصلہ کیلئے موت کی منتظر رہتی ہے۔“ (دکٹر ہیوگو)

غیر قومی

”میں صلح چاہتا ہوں لیکن صلح کی بنیاد کیا ہو؟ کیا غلامی؟ ہرگز نہیں غلامی سے پہلے موت۔ سیاد موت بھر کیا ہو؟ اقتصادی امتیازات دینے کو آمادہ ہوں لیکن اس وقت جب طالبس کی سرزمین پر اٹلی کا ایک آدمی بھی باقی نہ رہے اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر اس کے سوا چارہ نہیں رہے جنگ! موت تک جنگ! قیامت تک جنگ!“ (شیخ سنوچی)

آزادی اور قربانی

آزادی کی جنگ دنیا کی تاریخ میں بھی کبھی بغیر قربانی کے کامیاب نہیں ہوئی۔ میں پھر کتابوں جاگ اٹھو! جاگ اٹھو! بہت دن سولے طوق غلامی کا احساس کرو! آزادی کی شاہ راہ پر دلیری اور مضبوطی کیساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ (سی آزاد)

اچھوت

میں دوبارہ پیدا ہونا نہیں چاہتا لیکن اگر دوبارہ جنم لینا ضروری ہے تو میری پناہ ہے کہ خدا مجھ کو اچھوتوں میں پیدا کرے تاکہ ان کی مصیبتوں میں شریک ہو سکوں اور ان کو آزاد کرنے کی کوشش کر سکوں۔ (مہاتما گاندھی)

صفائے قلب

بہت ضروری ہے کہ میں اپنے دل کو صاف کروں۔ اخلاقی ماحول میں جو چھوٹی چھوٹی تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کو سمجھنے اور جمع کرنے کی طاقت میرے اندر ہونی ضروری ہے۔ میری باتوں کو کچھ ظاہر کرتی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ اس میں گہری صداقت اور انکسار و حقیقت موجود ہونا چاہیے۔ (مہاتما گاندھی)

مغرب اُس کی درندگی

”قومی دولت ہو یا آزادی انسان کی اخلاقی عظمت میں بے لاگ یقین رکھنے سے زیادہ کوئی بھی چیز قیمتی نہیں مغرب کو مادی طاقت اور دنیاوی ترقی پر بھینٹے نقص ہے۔ اس لئے قیام امن و تحفیہ اسلحہ کی چیخ و پکار کتنی بھی بلند کیوں نہ ہو مغرب اس کی جنت اور اس کی درندگی اس سے بھی کہیں زیادہ ڈھارس مارتی اور انتہائی اور خطرناک ہے اپنی دم اٹھار اٹھارائی ہے۔ اس کی مثال بھینٹ کی سی ہے جو سیلاب کے دباؤ سے ضرب کھا کر ہوا میں اڑنے کی ترکیبیں سوچتی ہے۔“ (ٹیگور)

تجربہ خیز دنیا

یہ ہر ہی بھری دیووں نے ندی سنکلاخ زمین بد زنت یہ ہمارا یہ دیو۔ با۔ او طبع تن و بویوں والا ممد۔... نیٹ۔ رگ۔ ر مند جو ہمارے سروں پر ہوئیں مانتا ہے ہوا میں جو اس جیلوں سمندر میں ہنسی ہے۔ کالا بال جو دل کے دل جمع کرتا ہے۔ کھی۔ آگ۔ ساتا ہے اور کبھی اگلے اور بارش نازل کرتا ہے یہ سب کیا کارخانہ ہے؟ تاکہ کی بات ہمیں اب تک کوئی نہیں جاسا۔ او۔ کبھی ہوں۔ رجاں سے نکلا۔... گرتے ہوئے یا ہلال کی ایک کو ہم بجلی کہتے ہیں اور۔ س۔ سے۔ میں۔ سے۔ عالماتہ لکچر دیتے ہیں۔ اس کا مسئلہ۔ بجا۔ رگلا۔ میں۔ سے۔ بہ۔ کہ۔ تے۔ ہیں۔ ہل۔ د۔ جس۔ یہ۔ کیا چیز؟ کس چیز سے بنی ہے۔ کہا۔ سے۔ آتی۔ ہے۔ اور۔ کہاں۔ چلی۔ جاتی۔ ہے۔... یہ۔ کیا۔ وجود۔ ہمارے۔ جملہ۔ علوم۔ کے۔ ایک۔ معجزہ۔ ہے۔ جتنا۔ بھی۔ کوئی۔ سون۔ بچا۔ رستہ۔ کا۔... یہ۔ دنیا۔ تجو۔ ب۔ سمجھ۔ میں۔ نہ۔ آنے۔ والی۔ ایک۔ جادو۔ کی۔ چیز۔ اور۔ اس۔ سے۔ بھی۔ زیادہ۔ معلوم۔ ہوگی۔ (کمال لال)

سستی اور عدم

”سستی اور عدم ایک چیز ہے۔... تمام آدمی اچھے ہیں۔ جو ان کے حق پاس کرنے کے لئے کوئی کام نہیں۔... زندگی کی مصیبتیں کم کرنے کے لئے نفس کو ہمیشہ زیادہ سے زیادہ کام میں مشغول رکھنا چاہیے۔ میری ہم عصری زیادہ ہو جاتی ہے محنت کی ضرورت کا اتنا ہی زیادہ یقین ہوتا ہے جو شخص محنت کا ہادی ہو جاتا ہے اسے محنت میں اتنی خوشی

گوسفند بڑی دی ہے۔ آج سسی انسان کی سیرت بگاڑنے کے لئے قدرت اس شخص میں بری عادتیں پیدا کر دیتی ہے۔“

”لوگوں کو نیک زندگی بسر کرنے کی جانب لیجانے کا سرف بہک طریقہ ہے اور وہ یہ کہ خود وہ شخص نیک زندگی بسر کرے اس لئے ان لوگوں کی بد و جہد جو عام لوگوں میں اچھی زندگی قائم کرنے کی راہ روتے ہیں۔ اس بات پر متکل جو فی نہایت کہ اپنی اندرونی تسلی کو کوشش کریں اچیل کے الفاظ ہیں جیسا تمہارا باپ سامان پر مکمل ہر اسی طرح تم بھی مکمل ہو جاؤ۔“ (ٹالسٹائی)

” اکثر ایسا ہوا ہے کہ بعض مخصوص اشخاص میں ایک خاص قدرِ نفس ہوتا ہے۔ . . .
 . نفس خواہ فطر کا ہو یا قسمت کا عطیہ لیکن اس مخصوص واحد نفس کا نشان جب تک قائم
 رہے گا۔ اُس وقت تک پبلک کی نگاہ میں یہ لوگ کثیف ہی نظر آئیں گے۔ یا جب ان کی دوسری
 خوبیاں ایسی پاک و صاف ہی کہوں نہ ہیں جیسے خدا کی رحمت اور احسان وہ اتنی زیادہ ہی
 کہوں نہ ہوں جتنی کسی انسان کے اندر ممکن ہو سکتی ہیں۔ دنیا کی تھوڑی سی مقدارِ اجل و آقا
 کی کل مقدار کو فنا کر دیتی ہے۔ جس مرتبہ کمال کو پہنچا کر نے کے لئے قدرتِ جسم پر

(ایک سانیٹ)

دلوں میں رقص کرتے ہیں فسانے تیرے مرجانہ

ترے جلووں کی رنگینی میں ہے تصویر کا عالم
شبابِ خامہ بہزاد کی تحریر کا عالم

فضاؤں میں مچلتے ہیں ترانے تیرے مرجانہ
 پرندوں کو بھی شرماتے ہیں گانے تیرے مرجانہ

تو سہ سے پاؤں تک نہ پہ تو تونویر کا عالم
شراب و شعر کی ہلکی ہوئی تاثیر کا عالم

بہاروں میں پڑے ہیں آشیانے تیرے مر جانے

خمارِ رنگ و بون کر دیا۔ دل میں تو آئی

جوانی کی بیماریاں ہیں محبت کی نافرمانیاں
شہوؤں سے بھرنے میں ستارے ہیں جس سے تپ

بہشتِ آرزو بن کر دیا یہ دل میں تو آئی

تیری زنگین صحبت میں شرابِ حُسن پیتا ہوں
شرابِ حُسن پیتا ہوں اسی نشے میں جیتا ہوں

خان بہادر خلیلی

ایمانی

ہندوستان میں صنعتِ مسلم سازی کا مستقبل

(شیخ افتخار الرسول باریٹ لائے قلم سے)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کی صنعتِ فلم سازی آج کل ترقی کے راستے پر گامزن ہے لیکن جہاں سے سرمایہ داروں، ڈائریکٹروں اور ایکٹروں میں بعض ایسے عیوب اور بعض ایسی کمزوریاں اب تک بھی موجود ہیں کہ اگر ان کو دور کرنے کی سہ توڑ کوشش نہ کی گئی تو اندیشہ ہے کہ ہماری یہ صنعت بہت جلد فنا ہو کر بجائے گی۔ فلم کی صنعت کا انشائیہ ہرگز نہیں کہ چند ایک اعلیٰ سیدھے فلم تیار کر کے بلیک کے سامنے پیش کر دے جائیں جنہیں دیکھ کر عام لوگ خوش ہو جائیں۔ ہم اس وقت مغربی فلموں کی ہر دلعزیزی کا مقابلہ کرنا ہے۔ اور جس طرح مغربی ممالک کے فلم ہندوستان میں آکر لاکھوں ہندوستانیوں کے دل بے لاد کا سامان بن چکے ہیں۔ اسی طرح ہندوستانی فلموں کو بھی عالمگیر شہرت اور مقبولیت حاصل کرنی چاہیے تاکہ مغربی لوگ مشرقی اوضاع و اطوار کی شائستگی کو سمجھیں۔ ایشیا کے آرٹ کی قدر کرنا سیکھیں اور ہندوستانی سرمایہ دار غیر ملکی ذرائع سے بھی فائدہ حاصل کر سکیں۔

موجودہ حالت میں ہندوستانی مالکان کمپنی نے روپیہ پیدا کرنے کی دھن میں اپنے فرائض حقیقی کو قطعی نظر انداز کر دیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ ایسے فلم تیار کرتے ہیں جو نہ صرف محرابِ اخلاق میں بلکہ وہ جوانانِ ملک کی زندگیوں کے واسطے جو ملک کے واسطے مستقبل کی امانت میں نہایت ہی تباہ کن ہیں۔ ہندوستان میں اس فن کے واسطے بہترین دماغ موجود ہیں لیکن وہ منتشر حالت میں ہیں اور میرے خیال میں ان کو یک جا اکٹھا کرنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔

وقت آ گیا ہے کہ ہندوستان کے سرمایہ دار اور فلم سازان باقوں کا سنجیدگی اور بھندہ دل سے مطالعہ کریں اور محسوس کریں کہ فلم ملک کو مہذب اور تعلیم یافتہ بنانے کا آسان ذریعہ ہے۔ ہم اس صنعت میں اور مالک کے مقابلے میں بہت پیچھے ہیں اور ابھی اصلاح کا وقت ہاتھ سے زیادہ دور نہیں گیا ہے۔

فلم کسی قوم کے مقاصد و خیالات کے اظہار کا لائق ذریعہ ہے۔ ہندوستان کو دنیا میں اپنے فلسفہ، تہذیب و تمدن کے باعث ایک قابلِ فخر درجہ حاصل ہے۔ اگر ہم ان چیزوں کو اپنے مخصوص انداز میں بذریعہ محکم تصاویر اور قوموں میں شائع کریں تو ہم اس کے واسطے وہی عالمگیر عزت اور مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں جن کا یہ حقدار ہے۔

یہ ایک تجارتی مسئلہ نہیں ہے۔ قومی اور ملکی مسئلہ ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ ایک تعلیمی مسئلہ ہے۔ آج جہاں سے پاسِ نسلم کی وساطت ایک ایسی کامیاب وساطت ہے جس کے ذریعہ نہ صرف ہم غیر ملکوں میں اپنی گزشتہ عظمت کے افسانے اپنے روحانی ارتقاء کے تذکرے اپنے ملک کے نامور باشندوں کے کارنامے پیش کر سکتے ہیں بلکہ ہندوستانیوں کے دلوں میں بھی زمانہ ماضی کی یاد تازہ کر سکتے ہیں۔ ان کے دماغوں کو معاصر اقوام کی ترقیوں کے مناظر دکھلا کر بیدار کر سکتے ہیں۔ اور ان کے حواس کو زمانہ مستقبل کے عروج و اقبال کے امکانات سے مائل بہ حرکت کر سکتے ہیں۔

سہ صدی اپنے جلو میں پیغامِ عمل لاتی ہے۔ جو اقوام اس پیغام کو سن کر اسے عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتی ہیں۔ ترقی و تہذیب کی علمبردار بن جاتی ہیں۔ یورپ کی ترقی کا راز صنعت اس میں ہے۔ جس صدی کی ابتداء کے ساتھ حیاتِ اجتماعی کے اصول کا انشراح ہوا۔ امریکہ کے زیادہ تر اور یورپ نے ایک مقبول حد تک اس صنعت کو اپنے نظامِ عمل میں شامل کیا اور اپنی مالی اور معاشی صنعت اور سرگرمی سے اس کو ایسا فروغ دیا کہ آج اس کے سامنے بڑی بڑی زرخیز صنعتیں گر دو ہو رہی ہیں۔ اور فلم کے کاروبار میں کروڑوں نہیں بلکہ اربوں روپیہ لگا ہوا ہے جو حیرت انگیز منافع دے رہا ہے۔ جرمن، فرانس اور انگلستان سہ توڑ کوشش کر رہے ہیں کسی نہ کسی طرح امریکہ کو اس صنعت میں شکست دیں لیکن امریکہ بدستور برسرِ اقتدار ہے اور دنیا کے ہر حصے میں اس کے بنائے ہوئے فلم نہایت ذوق و شوق سے دکھلائے جا رہے ہیں اس تھوڑی سی مدت میں اس صنعت نے جتنی ترقی کی ہے اس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں مل سکتی۔

روس بھی اس دور میں پیچھے نہیں رہا۔ یہ ملک کو باہر ایک مسلم کیلئے فلم آرٹ کا ماہر ہونا اب نہوری سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں یہ مہذب طبقہ کو تمدن سے آشنا کرنے میں اس سے بہتر اور کوئی آلہ کار نہیں ہو سکتا۔

صرف یہ ہی نہیں بلکہ اصل ہی میں ماسکومیں ایک فلمی یونیورسٹی کا افتتاح ہوا ہے جس کی تعلیم پارسل میں پائیہ چکیں گئے تین سو سات سو تاسی اس یونیورسٹی میں ۱۰۰ طلباء تعلیم پا رہے ہیں۔ اس یونیورسٹی کا مقصد صرف ایکڑائی پیدا کرنا نہیں بلکہ وہاں مصوّر کیمہ کے ماہر ڈائریکٹر، ڈراما نویس وغیرہ سب کی مائیں و بلند تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس میں طلباء کی سہ کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے جن کی آمدنی سوا سو روپے برس کے درمیان ہوتی ہے۔ یونیورسٹی کی تعلیم صرف کتابوں پر ہی مبنی نہیں ہوتی بلکہ ہمیں کام کی عملی تعلیم دینے کے بعد تیار دینا جاتا ہے۔ سب سے عمدہ بات وہاں یہ ہے کہ طلباء کی ترقی یہ طریقہ طبعی و کردی لٹی ہے۔ فوجی، راستی، طبعی اور صنعت و حرمت کے متعلق جد گاہہ باتیں ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس تھوڑے عرصہ میں روسی فلموں نے غیر معمولی ترقی حاصل کر لی ہے۔

رہا اب ان کا شمار دنیا کی بہترین فلموں میں ہونے لگا ہے۔ ان روسی فلموں میں نمایاں ترین خصوصیت یہ ہے کہ یہ بدرجہا غایت جذباتی ہوتی ہیں۔ اور خواہ وہ طبعی یا تھریک، ان کا دامن جذبات سے بریز رہا ہوتا ہے۔ ان کے ایکنگ میں قطعاً کما شائبہ تک نہیں ہوتا۔

میرے خیال میں امریکہ اور روس ہی ایسے ملک ہیں جہاں تعلیم کے ذریعے تفریح کے ساتھ ساتھ پروپیگنڈہ سے بھی کام لیا گیا ہے۔ روسی فلموں میں خاص طور پر بالٹو زمر یا اشتراکیت کا سبق دیا جاتا ہے۔ بچوں کے لئے ایسے فلم تیار کئے جاتے ہیں جن سے ان کے دل میں کمیونزم کی محبت جاگزیں ہو اور وہ اشتراکی نظامِ حکومت کو فرض سمجھیں۔ (لینن کی یہ خواہش کامیابی کے ساتھ پچوں پر اپنا اثر کر لی پٹی جا رہی ہے جو روسی فلموں سے ظاہر ہے)

یہ ایک ہندو معترضہ ہے۔ میرا مطلب اس تہذیب سے صرف یورپ اور امریکہ کی ترقی کے وسائل متاثر ہیں جن سے ہمارے فلم ساز ایک سبق سیکھ سکتے ہیں۔

آدھی رات جا چکی تھی، میں اپنی قیام گاہ پر واپس آ رہا تھا، ہاڈنی اپنے پورے عروج پر تھی ٹھنڈی ہوا آپ سے آپ طبیعت کو گدگد رہی تھی۔ دفعتاً راستے میں موٹر پر ایک کھنکھاہٹ مچ اٹھی۔ میں نے فوراً پہچان لیا یہ اُسی لڑکی کا ہاتھ تھا۔ قریب ہی سے کسی نے جھانک کر دیکھا۔ یہ اُسی کا شگفتہ چہرہ تھا۔ مجھے اتفاقات کی ستم ظریفی پر مہربانی آگئی

..... جتنا میں بھاگتا تھا اتنا ہی وہ لڑکی اور اس کا چہرہ خیال اور واقعات دونوں ہم میرا تعاقب کرتے نظر آتے تھے۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے جگہ تبدیل کی۔ اور ستم کھلی کہ اس کو اس کے گھر تک پہنچانے کے دم لوں گا۔ اب وہ اپنے پہلو کا پردہ اٹھائے چہرہ اور ہاتھ کسی اجنبی کے نظارہ کے لئے پیش کئے نہایت آزادانہ بیٹھی تھی شاید پردے سے سخت بیزار تھی۔ سڑک پر سناٹا تھا اور میں تھوڑے فاصلے پر اُس کے پیچھے لیکن باوجود شوش کے کبھی بہت نہ کر سکا کہ پہلو پہ پہلو آکر اُسے پوری طرح دیکھ سکوں۔ راستہ بھر میں نے صرف اُس کا ہاتھ دیکھا۔ دور تک اُس کا موٹر میرے ہی مکان کی سمت چلتا رہا لیکن ایک موٹر پر الگ ہو گیا۔ میرا جذبہ رندانہ بھی اعتدال پہ آچکا تھا اس لئے اپنے گھر کی طرف بڑھا۔ لیکن پھر یکایک بغیر کسی غصے قصد واردہ کے موٹر پھیر کر اُس کے تعاقب پر از سر نو آمادہ ہو گیا۔ سب میں طبعی مذاق کے طوطے کر رہا تھا۔ ایک مومہوم سی دھن کے ماحول اور ہستائے تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرا یہ مذاق تھوڑی ہی دیر میں کافی اہمیت اختیار کر لے گا۔

(۲)

ستمبر واکتبر ۱۹۳۷ء

مجھے دیکھ رہی ہے اور اس کی تیز نظریں دل میں اتر کر تمام راز معلوم کئے لیتی ہیں۔ ہر چاہپ سزا ہو گیا۔ بیکار میرا چہرہ تنہا اٹھتا کبھی شرم کھنے کو جی چاہتا اور سنا عذر خیالات دانہ میں موجزن ہوتے لیکن صرف اپنی کثرت کی وجہ سے موزوں نہ ہو سکتے، مہمان تک کہ میں عاجز آجاتا اور اپنے خیال کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے سارے قصے کو ایک بے پروا قسم میں گم کر دینا چاہتا لیکن نہ کر سکتا جب اس کی سُسکااتی ہوئی آنکھیں پیش نظر ہو جاتیں اُس کی بے اختیار ہنسی یاد آ جاتی جس کے ضبط کرنے کی ناشکو سعی میں وہ اپنا سر کسی بھجولی کے کندھے پر رکھ دیتی تھی اور جس سے بیکار اس کا چہرہ کندن کی طرح دمک اٹھتا تھا جب اس کا وہ پس و پیش جسم میں سنسنی پیدا کر دیتا جس کے ساتھ کھڈ میں اُس نے خود کو میری آغوش کے سپرد کیا تھا تو دل میں ایک میٹھی سی خلش جذبات میں ایک لمبی سی لنگڑی ہوتی اور میں بغیر سُسکے نہ رہ سکتا لیکن پھر نہیں دیتا اور اپنی اس حماقت کو طویل دینا بچوں کا سا کھیل سمجھتا۔ کیونکہ اس سب کا وجود اپنے دل میں اس قدر سنجیدہ خوش اُش اُس کے لئے نہ پاتا تھا کہ کوئی عملی اقدام اُس کے حصول کا کروں۔ اگرچہ اس سال میں نے اپنی تعلیم ختم کر لی تھی لیکن شادی کا ارادہ اُس وقت تک کے لئے ملتوی کئے ہوئے تھا جب تک خود مختار زندگی میں داخل ہو جاؤں، پھر اگر یہ جی ممکن اصول ہو جاتا تو میں اپنی شادی ہرگز ایسی لڑکی سے کرنے کے لئے تیار نہ تھا جسے میں نے صرف پہلی نظر میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہو جس کے عادات و اطوار، خاندان و صفات سے میں قطعاً ناواقف ہوں۔ مجھے یہی علم نہیں تھا کہ وہ کسی کے ساتھ منسوب نہ یا نہیں لیکن یہ ضرور یقین تھا کہ وہ ابھی ازدواجی زندگی میں داخل نہیں ہوئی ہے۔ ایک شادی شدہ عورت اور ایک بن بیاہی لڑکی میں بہت نمایاں فرق ہوتا ہے۔ بہر حال میں دل ہی دل میں اپنے تصورات سے گلو خلاصی حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن نا کامیاب ہوا۔ میں نے ہر چند اُسے بھلا نا چاہا لیکن نہ بھلا سکا۔ ہند ہی دن میں مجھے معلوم ہو گیا کہ ”یہ وہ لفظ نہیں جسے تُرشی اتارتا ہے“ اُس نے میرے تصورات پہ جھنڈا چار کھا تھا۔ میری زندگی تلخ ہوتی جاتی تھی۔ میرے سارے منصوبے اور شادی کے نظریے یکدم طر ہو گئے اور میں نے مجبور ہو کر لکھنؤ میں اپنے چند احباب کے ذریعہ سے اُس کے خاندانی حالات معلوم کئے اور اپنا پیام دوا دیا۔ مجھے انھوں کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میری آواز صدا ہے، کر رہ گئی میرے واعبات بچھردلوں سے مگر اگر پاش پاش ہو گئے اور جو بارگشت پیا ہوئی میں نے انکار سنا، انکار اس لئے کہ میرے والدین رئیسانہ مشیت کے مالک نہیں تھے۔ اگرچہ میں بی اے پاس تھا لیکن ہنوز آسودہ محاسن زندگی میں داخل نہیں ہوا تھا، میرے والدین حیات میں کسی مرکز واحد پر نہیں جمے تھے، اگرچہ میرے والدین ایسے بھی کم حیثیت تھے کہ ایک لڑکی کا بار نہ اٹھا سکیں لیکن یہ خود مجھے بھی منظور نہیں تھا اور شادی کے لئے میں بھی پہلے نوکر ہونے کو ضروری سمجھتا تھا لیکن دایاں تو بیاست کی تلاش تھی اور انتظار ناگوار۔ کہ پیغام رد ہو گیا۔ اور مجھے یقین پڑا کہ کبھی نہ رہونا اگر معاملہ میں صاحب معاملہ کا بھی دخل نہ ہو۔ یقیناً میرے ساتھ نہ پاسد کرتی اگرچہ میری رفاقت و ناولاری ہی کی رفاقت نہ ہوتی۔ اس کا بچہ غیبی یقین تھا۔ یہ میرا اعلان تھا۔ خیر ان باتوں سے کیا ہوتا ہے جو کچھ ہونا ہو گیا یا یوں کہنے کو کچھ نہ ہونا تھا ہو گیا۔ بہر حال ایک بلکہ شاید دو ہزارمان دلوں کو کھلنے شہر ہی میں مجھاد پایا گیا۔

الشيامة ط

پسند کیا تھا مگر اس بے زبان بڑیا کے اشارے کے لئے جبر و استداد کی
دل شکن نگاہوں سے دبا دئے گئے تھکرا دئے گئے۔ ایک عرصہ تک میں اس جوت کو سینے سے
لگائے رہا۔ یہی غم میری ناکام محبت کی نہاد یادگار تھا۔ لیکن امتداد زمانہ زخم کو مندمل کرتا رہا
سوگاری کے دن رفتہ رفتہ پورے ہونے لگے۔ اور آخر میں سوس ٹی کے غلط اصولوں۔ اور
بے راہ روی کو روپٹ کر بیٹھ رہا۔

(۳۳)

بنی لے پاس کرنے کے بعد ایک سال مجھے کسی باعث نوکری کی تلاش میں گزر چکا تھا
آخر میں الہ آباد یونیورسٹی میں این ایل بی کلاس میں داخل ہوا اور دیر میں وکالت پاس کر کے
اپنے وطن میں پلٹا۔ اب سوال یہ تھا کہ وکالت کی جائے اور شاہ آباد ایسے مقام میں تو کامیابی
معلوم لہذا مناسب سمجھا کہ لکھنؤ میں بنیام کروں اور وہیں اپنے پیشے کو انجام دوں لکھنؤ میں میرے
مزین تھے نہ اقارب ہاں ایک دوست تھا افضل جو حال ہی میں الہ آباد سے برہمنی پاس
کر کے آیا تھا اور پبلکیشن شروع کرنے والا تھا۔ اس نے مجھے اصرار کے ساتھ دعوت بھی دی تھی کہ
اسی کے ساتھ آکر پبلکیشن شروع کروں۔

افضل تھا تو صرف بہادری دوست لیکن ایسا دوست کہ بڑوں پر فخریت رہتا تھا وہ
خلوص و ہمدردی، ایشیا و محبت کا پتلا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ خوش قسمت ہے وہ شخص جو اس بنا
میں اس ایک دوست بھی حال کر سکے میں نے اور افضل نے ساتھ بنی لے۔ بڑا رشہ کی تھی اور
ساتھ بنی لے پاس رہا تھا۔ اس دوران میں مجھ سے اس سے اگر بھی بددلی ہوئی تھی تو بہت
جبل اور عارضی، ہاں ایک طویل تہذیب ہوا تھا کہ میں بنی لے پاس کر کے لکھنؤ آیا اور ختم ہو چکا
تھا اور وہ چار شے مرنے کی دلالت داتا ہو گیا تھا۔ یہی تھی۔ اس وقت حال اس کے وکالت
میں تعلیم شروع کرنے کے ایک سال بعد میں نے بھی قانون پڑھنا شروع کیا تھا اور جب پاس
ہوا تو افضل کو ملنے لگا۔ ایک سال ہو چکا تھا کہ اس سال جو اس سے شام میں جھٹکا
رہا کہ پبلکیشن شروع کرے گا۔ ان میں سے ایک اس کی شادی تھی جو میرے پاس ہونے لگا تھا
یہی شخص نام نہ۔ ہونی تھی یہ بھی یہ اتفاق کہ افضل کی شادی لکھنؤ میں ان دنوں ہو چکی تھی
جب میں الہ آباد میں ملنے لگا۔ یہی بہ اتفاق ہے۔ ہاں تھا اور افضل کو زندگی جو۔ صدمہ ہوا کہ اس کا
محبوب ترین دوست ہی اس کی سب سے بڑی سہرت میں شامل ہو گیا۔ سب سے بڑی سہرت میں نے
اس نے ہمارا افضل کو سہرت ہی کی بڑی روز تھی اور یہ خیال ہے کہ اس کو جوان کو ہونا چاہیے
نے شباب کی طوفانی گھڑیاں اسی دن کے لیے ایک طویل اور سکون انتظار میں تبدیل کر دی تھیں
نہ صرف افضل ہی نے پاس کرنے کے بعد ہی شادی کا آرزو مند تھا لیکن محض باپ کے اصرار سے
ولایت تعلیم حاصل کرنے گیا تھا۔ انہوں نے اس میں سمجھا یا بھی تھا کہ جوان لڑکے کو اس سہرت میں
حسن و عشق پر کئے ہیجہ یا مناسب نہیں جہاں کی یہاں اکثر ہندوستان نے آدم زاد پر برتری ط
پہنچ جاتی ہیں اور سائے کی طرح ساتھ ہو۔ بغیر نہیں مانتیں لیکن افضل کے والد کو اس پر ہر دھڑکا
جس کی اس نے لاج بھی رکھی تھی اور واس ہوئے ہی شادی کی نعمت حاصل کر لی تھی۔ اس سب
واقعات کا مجھے علم تھا۔ اور افضل سے مجھ سے طے تھا کہ شادی کے بعد ملا غیمہ جس کے ساتھ وہ
اپنی بیوی کو بے نقاب لایا تھا وہیں ہوں گا اس لیے جب میں نے افضل کو اپنی کامیابی اور
تمہیں شادی کا ساتھ ہی تار دیا تو اس نے اس خلوص و درد کے ساتھ مجھ سے لکھنؤ لائے
اور شادی پر پبلکیشن شروع کرنے کی التجا کی جسے کوئی صاحب دل رد نہیں کر سکتا تھا۔ میں
افضل کا جگری دوست تھا

(۳۴)

لکھنؤ اسٹیشن پر افضل میرے خیمہ مقدم کے لئے موجود تھا میں نے اسی تین سال کے بعد
دیکھا تھا۔ اس دوران میں وہ دل بھی نہ بدلتا تھا۔ اگر بہانہ نکلتا تو ہوتا تھا لیکن وہ اب بھی پہلا سا
افضل تھا نہ تنہا فی وضع و لباس منہ فی تہذیب و تمدن کا دلدادہ افضل اس نے مجھے دیکھتے ہی
”یہ اولڈ باپ“ کے بجائے وہی بیاتے چھیل کھلا اور کرمجوتی سے معاملہ بنا۔ اتنے عرصہ کے بعد
میں بہم دو نواں چھوٹا بھائی پیدا ہوا تھا۔ اس نے ماتحت ایک دوسرے سے بات چیت کر کے دونوں
کی آنکھوں میں سہت کے آنسو جھلک رہے تھے لیکن سواری دیر بعد جب ہم ہوٹل میں۔ وان ہوئے
تو گفتگو کا وہ لاشعرا ہی سلسلہ چھڑ گیا جو کچھ پہنچنے پر نہ اس وقت ختم ہوا جب افضل مجھے تنہا
بھوڑ کر کھڑی دبر کے لئے زاننا خانہ میں گیا۔

میں ”اصل سے ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا میرا پرچا بانی کا سامان رکھا تھا۔
ساتھ ایک نہ آدم آئینہ لگا تھا جس میں میرا پورا عکس رہا تھا۔ اور جس کی اہمیت مجھے اس وقت
ظاہر ہوئی۔ جب میں نے اس میں ایک خاتون کا پیکر خرماں دیکھا۔ میں ”اے اے اے“ ہونے لگا
تے ایک شخص کی آواز آئی اور افضل سے اپنی بیوی کے کمرے میں داخل ہوا میں نے مڑ کر دیکھا
تو میں ایک لمحہ کے لیے بیہوش ہو گیا۔ میرے سامنے وہی لکڑی بنی ہوئی بیٹن کے بیٹن وال
ہیٹھ میں۔ یہاں سے ملنے لکھنؤ کی نمائش میں دیکھا تھا۔ افضل نے خاتون کی الفاظ اکرے اور کیا گواہ
پس دیکھیں دو دو کرنا جاتا تھا جو مجھ میں اور اس کی جوتی میں بدبو جانا مازمی تھا وہ کہہ رہا
تھا ”افضل میں نے تم کو آئینہ کے سامنے عکس دیا ہے۔ یہی تھا ہاتھ تم اور نیا اس نے ایک دوسرے
سے غایبانہ مل کر اس میں وہ خیمہ صبح اور ناخوشگوار بھیج کر محسوس کر رہا تھا۔ میں نے انداز میں
بے وقوف رہا جو جانا لازمی ہے۔ لیکن یہ اس سب باتوں سے بے خبر تھا۔ بڑا اب وہ
خرماں تھی بیٹن آج تین سال پیشہ میں نے دیکھا۔ وہ اب شباب و صحت و رنگ
ہاں۔ یہاں مجھے بھی جیسے ہیچ کرنا تھا۔ سو رہا جو پاس۔ بہ حال جلدی میں نے اسے اوپر قالو
پالنا اور ماتے ہاتھ ملائے کے آگے بٹھا یا جس نے ساتھ ہی میں اور وہ دونوں بیٹن آ
ہو رہے تھے۔ اور میں نے افضل سے کہنا شروع کر دیا ”مجھے تیرا ہمارا بیٹن ہے۔ یہی تھی تو بہت
سے بیٹن۔ یہی ایک نہ باند اور ناکامی تعارف کا ہے۔“ تو اس نے اس کے دل سے عجیب و غریب
کا بیان تھا۔ یہی تھی حاشیہ اسیاں۔ بڑیا کا تھینا تھا اور افضل نے بے اختیار ہنسنے
غصہ کیا تو میں نے یہاں کبھی وہ باتوں میں کاہنہ لیا ہی۔ سب پاس اور اے اے اے اے اے
ندان بہانہ کا جو اس۔ وزہیں نصیب تھا۔

(۳۵)

وہ۔۔۔ بعد میں افضل کا بھائی رہا۔ اور مجھے میں معلوم ہے۔ اس دوران میں بنی لے ایک
خندہ غمت تھی۔ وہ لکھنؤ تھی۔ باپ کے مخلص دوست کی محبت بھی مال ہی نعمت ہے جو باندے
جہنم کو بھڑکی کے لئے نوبت و جنت بنا دیتی ہے۔ یہاں ہے۔ اس پر وہ الام سے
بھری ہوئی دنیا میں اگر کبھی تحقیق سے کی بھلائی مٹی ہے وہ ہے۔ اس کے خلوص میں اس
کے جد میں نے افضل سے خواہش کی۔ وہ مجھے دینی کتابت پر پڑنے سے منع کیا۔ میں نے اسے
تے دیر پبلکیشن شروع کر دی۔ یہ نوبت ہر سہ کے اسے اقامت رہا۔ وہ جو کسی اجازت کے والد اب
تھا لیکن آخر کار میں نے اپنی درخواست منظور کی۔ یہی تھی کہ افضل نے وہی لے جانے
ایک معقول حالت کا بالائی حصہ جو یہ ہوا۔ میں نے سارے سامان لے مارا وہ دیر سے ساتھ تھا
افضل نے اسے دے دیا۔ اپنی جوتی کی صفائی و دستکاری کے لئے وہ توں سے کافی آراستہ

روینہ میں ہلکی سی تبدیلی پیدا کرنا شروع کی۔ اور اپنے برتاؤ میں تھوڑی سی سرد مہری شامل کر لی۔ اور خصوصاً ایسے مواقع رکھ کر جن میں میں اور نریا اکیلے ہوتے تھے۔ اول اول فضل اور اس کی بیوی دونوں میرے اس طرز سلوک پر تعجب ہوئے لیکن میں نے فضل کو تو شک ہی کی منزل جس رکھا۔ ہاں نریا پر جو بالکل نا تجربہ کار اور معصوم فطرت تھی ظاہر کر دینا چاہا کہ مجھ میں اس درجہ انہماک خطرہ سے خالی نہیں۔

ایک دن جب میں کچری سے لوٹا اور نریمانے حسب معمول چائے کی ایک پیالی بنا کر مجھے پیش کی تو میں نے کہا ”نریمان اب تم کپ تک یہ زحمتیں گوارا کر دو گی۔ مجھے میرے حال پر محسوس ہو رہا ہے“ مجھے محسوس ہوا کہ میرے اس جملے سے اسے چوٹی سی لگی۔ بڑھتا ہوا ہاتھ ایک لمحے کے لئے کمانب لیا اور پھر نریمان اس درد و غلوس کے ساتھ جس نے مجھے یہ سنا تھا انکھوں میں آنسو کھیلانے پر مجبور کر دیا۔ مجھ سے کہہ رہی تھی ”کیا آپ مجھ سے کچھ ناراض ہیں؟“ ”نہیں“ میں نے فوراً یقین دلایا ”لیکن میں اس تکلیف کی پیغذمی کر رہا ہوں جس سے مجھے اس وقت دو چار ہونا پڑے گا جب تم میرے ساتھ چارہ پی سکو“ وہ بڑی خصوصیت بولی ”خدا نہ کرے ایسا کیوں ہونے لگا؟“ مجھے اس کی بھولی بانوں پر ہنسی آئی لیکن میں نے طے کر لیا تھا کہ اسے خطرات سے آگاہ کر دوں گا جتنا چاہے اس کی ہوجوگی سے یہ خبریں کر کیسلی بہ نکامیں جمائے ہوئے ہیں نے کتنا شروع کیا۔ ”ریا تم نا تجربہ کار ہو تمہیں ان خطرات کا احساس نہیں جو میں اپنی تمہاری معیت میں محسوس کرتا ہوں“ دیکھو عمارتی سوانحی نے ابھی اتنی زرقنی ہنس کی ہے کہ وہ دودھ و زہر عورت و مرد کو چاہے وہ کہنے ہی باکباز ہوں اور نہ کہ نسب کیوں نہ ہوں اس قدر آزادی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملنے کی اجازت دے ضرور کوئی نہ کوئی ناگوار ریت پیش آئے گی اور پھر سواں پھٹنے کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اس سے پہلے یہ مطلب نہیں کہ تم مجھ سے باطل محض ہو جاؤ۔ اگر تم ایسا کرنا بھی چاہو تو شاید افضل لی زندگی میں ممکن نہیں لیکن یہ نہ دوسرے کہ تم مجھ میں اس قدر گہری دلچسپی نہ لیا کرو جو آج کے بدلے میرے دوسرے دوسروں کے لئے مہالک ثابت ہوئے۔“

نریا خور و ناقل کے ساتھ میری تقریر مستی رہی، پھر قہری ویہ بعد ایک نیم مہم کے ساتھ خدا حافظ ملہ مجھ سے رخصت ہو گئی۔

(۶)

ایک ہفتہ تک رہا میری کوٹھی پر نہ آئی، اگرچہ اس دوران میں انھیں بھی ستر کا رکیوہ سے مجھ سے کلم مل سکا لیکن وہ اس کے ساتھ بھی نہ آئی مجھے معلوم ہوا کہ اس کی بیعت کچھ سالہ گزر اور وہ زیادہ بڑھاوش رہتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس دوران میں میرا بھی کچھ ہی سالم ہو گیا تھا عادت، بری بلا ہوتی ہے، مجھے ثریا کے ساتھ چار بیٹے، اس سے ہنسے بولتے کافی زیادہ رز گیا تھا۔ یکایک یہ سلسلہ قطع ہوجانے سے میں اور وہ دونوں مکتد سے ہو گئے لیکن میں نہ اسے کوئی اہمیت نہ دی اور سمجھا کہ کچھ دنوں میں یہ فضحلال ختم ہوجائے گا چنانچہ ایسا ہوا بھی۔ ثریا کی مٹکین رفع ہو گئی۔ اور، مجھے پھر اسی طرح بشاش بشاش نظر آنے لگی جیسی کبھی پہلے تھی، درحقیقت وہ ابھی اس عمر کی گونہ یونوچی تھی جس کے بعد ایک عورت اپنے دل میں کوئی دیر با خیال یافتہ فلم کر سکتی ہے۔ معلوم ہوا تھا کہ وہ صرف ہنسے ہنسانے کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ خوش مزاجی اور بشاشت کی صلاح یہی ہے۔

نصویر — وہ ہر وقت مسکرا باکرتی، اس کی آنکھیں مسکراتیں، اس کی میٹانی مسکراتی، اور اس کا رواں رواں مسکرا مانا ممکن تھا کہ کوئی اس کے روبرو ہوا دریا پار بج و غم فرہوش کر دے لیکن میری گہیدگی خاطر اتنے دنوں کے بعد بھی گئی اور مجھے محسوس ہونے لگا کہ بندشیں عائد کر کے تو میں نے اپنے حق میں اور کانٹے بٹے ہوئے ہیں۔ اب ثریا مجھ۔ گفتگو میں اس حد تک نہ تکلف نہ بھی متنا

البشائر

کہ پہلے وہ مجھ سے نکاح چاہ کر گھبراتی تھی اور اکیلے توجہ بھی ہوتی کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے جلدی
مجھ پر طرہ پشاد پر کافی اعتماد تھا۔ اور میں اس کی ان گریز پائیوں سے بھٹک اٹھانے کے لئے ابھی
کبھی۔ اُسے چھڑتا جس پر وہ ایک بے اختیار مقدمہ لگا دیتی۔ لیکن اب کہ زیادہ تر اس سے علیحدگی
ہی رہتی تھی میں بڑی طرح تنہائی محسوس کرتا تھا۔ اس سے پیشتر جو کہ وہ اکثر میرے سامنے ہی تھی
تھی مجھے اُس کے خیال کا موقع نہ ملتا تھا۔ لیکن اب پیشتر میں اُس کے خیال میں غرق رہتا۔ اس کی
وجہ باتیں یاد آتیں۔ اُس کا شکر انا ہوا چہرہ پیش نظر رہتا اور سب کے بڑے کڑے کی بلند فطرت اور
اعلیٰ ذہانت و دلیر سکہ جمانے رہتی۔ میں نے ان قصود سے سبکدوشی حاصل کرنا چاہی لیکن نہ کر سکا۔
آخر کار میں افضل کی کوٹھی پر گیا۔ صبح کا وقت تھا۔ افضل جا کی میز پر بیٹھ کر تیار کے منظر تھے۔ مجھے
دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور پہنوں بٹھالیا۔ اتنے میں ذرا بھی اگلی اور میں نے اُس سے بغیر کسی تہدید
کے کہنا شروع کر دیا۔ دیکھو تم نے میرے یہاں آکر مجھے پھیلانا چاہا ہے اور اس سے ایک شریف
آدمی کی زحمات میں اضافہ ہے۔ تم اپنی صفائی میں کئی معتدل سدر میں کر رہی ہو؟ وہ میری اس
دبندہ دلیری پر بے اختیار ہنسنے لگی اور افضل نے گھبرا کر اپنی برائت نکال دی۔ آخر کو تیار نے الزام اپنے
سر لے لیا اور کہا "اعتراض قصور کے بعد اس کے۔" وہ اکبر کہہ سکتی ہوں کہ اب انشاء اللہ تلافی
کی کوشش کروں گی۔"

دوسرے دن تیار جا کر کے وقت میرے یہاں موجود تھی۔ ہم دونوں اپنی گزشتہ باتوں پر
تواخو لگے تھے اور میں نے اُسے یقین دلایا "تیار میں ہمیشہ میں رہوں گا اور تم ہمیشہ تم میرے اوپر
اعتماد کرو۔ اور مجھ سے اتنا نہ ڈرا کرو۔"

وہ ہر طرح سے مطمئن نظر آتی تھی اور یہاں ہی اپنے جی کا بوجھ دکھا دیتے ہوئے محسوس کرتا تھا
اس کے بعد تیار روز تو نہیں لیکن مہینے میں ایک آدھ مہینہ درج رہا۔ میرے ساتھ شریف ہو جایا
کر تھی۔ اور اُس کے اس طرز عمل میں مجھے بھی کسی اندیشے کی گنجائش نہ تھی۔ ایک زمانہ یوں
بھی گزر گیا۔

(۷)

دنیا اس بنگلہ پرست دنیا میں اتنی ہی گنجائش نہیں کہ وہ دل بیکار نہ لکیں۔ مجھے تیار اور
افضل سے اور تیار اور افضل کو مجھ سے نفرت تھی۔ ایک بے لوث بے غرض محبت جہاں تک تیار
کا تعلق تھا میرا صرف جی جاتا تھا کہ میں اُس کے شوہر کے ساتھ خوش و خرم رہ سکوں اور
بس۔ اور یہی وجہ تھی کہ ایک مرتبہ میں نے اتنی خواہش کو بھی ترک کر کے دیکھ لیا تھا۔ اور پھر یہ کیا تھا
کہ اگر سامان نسلی اس حد تک بھی نہ پہنچتی تھیں ایک دن دینی ہوئی چنگاری شعل ہو کر شعل
فتناں نہ ہو جائے لیکن موسیقی اس صورت حال کو کب ٹھٹھٹے دے دے دیکھ سکتی تھی میری اور
تیار کی بابت چرچے ہونے لگے۔ کوئی مجھے برا کہتا تھا کہ افضل کا اتنا غصہ دوست جو کہ اُس کے
ساتھ دغا کر رہا ہوں کوئی تیار کو سارے فساد کا باعث ٹھہراتا اور ان دونوں جھگڑوں میں
زیادہ تعداد اس گروہ کی تھی جو افضل کو قابل الزام بتاتا۔ نہ اس حد تک آزادی برتی جانے
نہ یہ انجام ہوں۔ اس قسم کے جھگڑوں سے فساد ملاحظہ آنے لگی۔ حالانکہ کبھی تک خدا نہ کر دے کسی
انجام سے ہم تینوں اُسی طرح بے خبر تھے جس طرح یہ انتہام دینے والے۔

ہوتے ہوئے بات افضل کے کان تک پہنچی۔ اُس نے ان پر خود غلط افواہوں کو اُسی
بے توجہی اور حقارت سے سنا جس کے لئے ایسے آزاد خیال ہمیشہ پہلے ہی تیار رہتے ہیں وہ ان
باتوں کو اس قابل بھی نہ سمجھتا کہ ایک حقارت آمیز مسکراہٹ سے ان کا خیر مقدم کرتا۔

اکثر انسان کو وہی کرنا پڑتا ہے جو وہ نہ چاہے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اُس کے اُن

نام نہاد دوستوں کا حد و حد جنہیں تیار کے ساتھ زیادہ بے تکلفی حاصل دینی طعن و تشنیع کی صورت
میں ظاہر ہونے لگا۔ اکثر میرے اور اُس کے دونوں کے سامنے کوئی نہ کوئی دلخراش جملہ کیا جاتا
اور صرف افضل کے علم و اخلاق کی بدولت واقعات ناگوار صورت اختیار کرنے لگتے رہ جاتے۔

ان سب باتوں کی اثر کماں تک ہوتا۔ افضل غیور تھا۔ باعزت تھا اور مالی و خاندانی
دونوں حیثیتوں سے ایک معزز پوزیشن کا مالک اس میں شک نہیں کہ وہ ایک حد تک ان ناخوشگوار
نتائج کا ذمہ دار بھی تھا۔ آخر کار اُسے اپنی بدنامی کا فائدہ ہونے لگا۔ اگرچہ اُسے مجھ پر اور اپنی بیوی
دونوں پر کامل اعتماد تھا اور وہ ہمارے تعلقات میں خفیت سے خفیت کا وہ بھی غیر منفہانہ ہی
نہیں بلکہ ایک ہیما دار اور ظالمانہ حرکت نہال کرتا تھا۔ لیکن زمانہ سے موجودہ رویہ میں تبدیلی
کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ ایک مدت تک وہ ایسا کرنا گند بھگتا رہا۔ اخلاق اور خلوص کا گناہ۔ وہ
جانتا تھا کہ ایسا کرنے سے وہ پاک دل مجروح ہو جائیں گے۔ جب وہ عرصہ تک کوئی عملی اقدام
نہ کر سکا اور میں نے اُس کے پس پردیش کی یہ کیفیت دیکھی تو خود اُسے بہت دلائی اور آمادہ کیا کہ وہ
اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے میں نہ آئے سمجھا یا کہ تم تینوں کے مفاد کے لئے ایسا ضروری تھا۔
تیار کو بھی اب کافی سمجھ آچکی تھی۔ اس لئے وہ بھی راضی ہو گئی کہ میرے ساتھ برتاویں وہ کشیدگی
اختیار کرے جو غیرت کے مراد ہے۔

اس میں شک نہیں کہ شرف میں اس تبدیلی سے ہم سب کو کافی تکلیف ہوئی لیکن نوجوان
طبیعتوں کا خاصہ ہے کہ جب وہ خود اپنے اوپر کوئی تکلیف عائد کرتی ہیں تو اُسے طوں نے میں میں
ایک لذت محسوس ہونے لگتی ہے۔ وہ اُسے دُور و زحمت تریانی چلی جاتی ہیں جن کی یہی
لذت آزار اکثر خود کشی کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ اُن سختیوں میں جو ہم نے
اپنے اوپر عائد کر لی تھیں ایک حد تک ہی عذوبہ کا رفاہی میں نے افضل کے مکان سے دور ایک
مکان کرایہ پر لیا۔ اب کئی کئی مہینے گزر جاتے کہ میں افضل سے نہ ملتا۔ تیار تو بالکل پردہ
نشیں ہو گئی تھی۔ افضل کو بھی چونکہ دوستوں میں سے کسی کا اعتماد نہ تھا۔ اس لئے اب وہ باہر نکلنے میں
اُس کی بہت اذیت نہ کرتا۔ میری بہن میں وہ اُسے ہر خطہ سے آزاد خیال کرتا تھا۔ لیکن
اب ایسا نہ تھا۔

دونوں نے ہفتوں اور ہفتوں نے مہینوں کی شکل اختیار کر لی۔ لیکن جاتے رویہ میں کئی
تبدیلی نہ ہوئی۔ بینک ہماری طبیعتیں مکدر سی رہنے لگیں۔ افضل بھی اب ہلکا سا خوش حال
افضل نہیں تھا۔ اس کا باعث یہ تھا کہ تیار کی صحت خراب رہنے لگی تھی۔ اُس کا ایک محل ساقط
ہو گیا تھا جس کے بعد سے وہ کمزور ہوئی چلی گئی اور یہی وہی گریہوں میں مجھے معلوم ہوا کہ افضل
تیار کو لیکر پہاڑ گیا ہے اور ایک ہومل میں ٹھہر گیا ہے۔ اُس کے خطوط سے مجھے آگاہی ہوتی کہ تیار
کی حالت دُور و زحمت میں خراب ہوئی چلی جاتی ہے۔ مجھے چند تشویش تھی اور میں اُس کے لئے زبردستی
کیا کرتا۔ آخر ایک دن مجھے افضل کا ایک خط ملا۔ میں تھا کہ تیار کی حالت بہتر چلی ہے۔ مجھے یہ گونہ
الطیاف سن ہو گیا لیکن دوسرے ہفتہ میں ہومل کے پیش کا تازہ نام آیا۔ لکھا تھا "تیار کی
حالت خیر ہے۔ ستر افضل کے مانع پر فکر و صدمہ سے خیر طبیعت اثر نہ رہا ہے۔ عید از جلد آئے۔"

میں پہاڑ پر پہنچا تو مجھے اپنے دوست کا وہ منظر نظر پڑا جو خدا کی دوست کو نہ دیکھتا ہے۔
ہومل کے دور وازہ پر افضل ملا۔ اُس کے بال بے نشان تھے۔ لباس میل اور بے ترتیب۔ وہ
جھونما لہور سے دوڑ کر مجھ سے پہنچ گیا اور اُس نے لٹا کر دعا کیا "افضل میں تیار ہو رہا۔ تیار
مجھے چھوڑے جاتی ہے۔ چلو چلو اندھیلو اس کی حالت دیکھو۔"

میں اُسے تسلی دیتا ہوا دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اندھ گیا تو مجھے ایک سہری پر تیار

ایک شام کو جبکہ مطلع معمول سے زیادہ صاف تھا۔ ہوا میں ایک لطیف سی خشکی تھی اور دور برفوش پہاڑوں کی چوٹیاں آفتاب کی سنہری شعاعوں سے جگمگا رہی تھیں۔ نریا میرے ہمراہ ٹہل رہی تھی۔ وہ اپنی صحت رفتہ کا بیشتر حصہ حاصل کر چکی تھی اور آج ایک سپید لعل کی ساری میں ملبوس جس میں سے اس کا شام رنگ حسن پھوٹا نکلتا تھا، اپنے اعضاء میں نشہ آنا زنگستگی اپنے حرکات میں نمایاں درد و خشکی لئے ٹہل رہی تھی۔ وہ آنا زنگستگی اور وہ درد و خشکی جس کی داویر سے خیال میں صرف افضل دے سکتا تھا، لیکن وہ وہاں نہیں تھا اور نریا کو اس کی پردا بھی نہیں تھی۔ وہ بھی اس کی طرف سے غافل تھی، ہم دونوں بونہی ٹہلتے ٹہلتے ایک بے خبری کے عالم میں نہ معلوم کتنی دور نکل گئے۔ پھر ایک آبشار کے کنارے اور وہاں بیٹھ کر نریا نے بڑی ہر سوز دھن میں گانا شروع کیا۔ اس کی نرم دھیریں آواز کی ہلکی سوسنی آبشار کے فطری نغمہ میں مل کر روح کو سلائے دیتی تھی۔ قرب دھوار کے ہمارے آواز باز گشت پیدا ہوئی، یہاں تک کہ ساری فضا ترانوں سے بھر گئی، کائنات کا جیتہ جیتہ موسیقی سے لبریز ہو گیا۔ نریا میرے روبرو بیٹھی تھی وہ مجھے آج خدا معلوم کن نظروں سے دیکھ رہی تھی اور میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے بھی وہ کیا معلوم ہو رہی تھی، میرا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا، اور وہ آنکھوں میں آنسو بھرے اپنی روح کی تمام بیتابیاں اپنی آواز میں منتقل کئے گا رہی تھی

”کیا بتائیں عشق ظالم کیا قیامت ڈھانے ہے
یہ سمجھ لو جیسے دل سینے سے نکلا جائے ہے
کس طرف جائیں کہہ دیکھیں کسے آواز دیں
لے ہجوم نامرادی جی بہت گھبرائے ہے“

میرے سارے جسم میں جھلیاں دوڑنے لگیں، میں نے گھبرا کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا، وہ میری اس حرکت پر مسکرائی، ”ہو آہستہ آہستہ نظر میں میرے رخ سے ہٹاتے ہوئے آبشار پر نظر پڑ جا کر وہ شعر گانے لگی جس کا دوسرا مصرع یہ ہے

”جو کہ ہے عشق سنتے ہیں جواں مرجانب“

میں کانپ رہا، دفعتاً اٹھ کھڑا ہوا اور بولا ”نریا! بعد ختم کرو! میں تمہاری اس بیدار دوستی کا رین نہیں، میرے تباہ کردینے کو کافی ہے۔“ اس نے اس پکڑ کر مجھے بٹھالیا اور کہا ”لیجئے آپ کو اپنی تباہی کا ڈر ہے تو میں ختم کئے دیتی ہوں، ذرا بیٹھ لو جاتے کہ اس طرح آپ کے ان مملکت احسانات میں ایک اور جانبناں اضافہ ہو جو مجھے مذت سے ہلاک کر رہے ہیں، اگر نہیں چکتے، میں بغیر کچھ جواب نہ بیٹھ گیا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں خمار آلود ہیں، اس وقت اُن میں کی نشہ موجود تھے، موسیقی کا نشہ، جوانی کا نشہ اور محبت کا نشہ، تب میں نے جان لیا کہ اس کی ساری ہستی اس کا سارا وجود، میری خوشی کے لئے اس فطرت شکنم کی طرح مضطرب و لرزاں ہے جو بھول کی ایک پٹھری کے لئے فضا میں دھڑکا کر تار ہے، میری ایک ہلکی سی جنبش پر وہ اپنا سب کچھ شمار کر دینے کو تیار تھی، فرارانی جذبات سے جھوم بھوم کر وہ میرے ہاتھ کو مڑوڑے ڈالتی تھی، میں نے اس عالم میں اسے کبھی نہیں دیکھا اور یہ وقت میرے لئے بہت سخت تھا، تاہم میں نے اپنے اوپر براہبر کیا اور کہا ”بھیکو تر باہ لڈتیں ہماری برداشت سے باہر ہیں، ان کو ہمیں بختم کر دو۔ ورنہ مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہم ان کو طول دےں تو فطرت ہم سے انتقام لینے پر نہ آمادہ ہو جائے، لیکن وہ اس روز اپنی اور میری دونوں کی ہستی تباہ کر دینے کی قسم کھاتے ہوئے تھی، اُس نے کہا اور اس کے بعد میں شباب و سستی کی وہ کھنک موجود تھی جو ایک ہزار سال دل کو آپ سے باہر کر دینے کے لئے کافی ہے، کیا یہ لذتیں اس قابل نہیں کہ ان کی قیمت کسی شے سے ادا کی جائے، جان سے

نظر پڑی، نہیں نریا نہیں کوئی اور شاید اُس کا سایہ گزشتہ حسین و ندرست نریا کا ایک ہوم سافٹن، مگر ہی ہوئی صحت کا ایک دلخاش مرقع، مٹی ہوئی جوانی کی ایک دردناک تصویر وہ اپنے بہتہ بر نیم بیداری کی حالت میں دراز تھی، اُس کی آنکھوں میں حلقے بڑ گئے تھے، نریا پر سیاہی دوڑ گئی تھی اور وہ صرف پوست و استخوان کا ڈھانچہ تھی، مجھے دیکھتے ہی اُس کے ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ آگئی، ایک نگین دسگو اور مسکراہٹ اور میں باوجود کوشش کے آنسو نہ ضبط کر سکا، لیکن میں نے خود کو سنبھالا اور پاس بیٹھ کر نسلی آمیز باتیں شروع کیں، میں نے طے کر لیا کہ جب تک اُسے صحت نہ ہو جائے گی پہاڑ سے نہ اُتروں گا۔

میں نے نریا کی تیمارداری میں جان لڑا دی، مشہور ڈاکٹروں کے مشورے سے علاج کیا اور اپنی پوری توجہ نریا کی دلچسپی میں صرف کر دی، میں بہروں اُس کے سر پرانے بیٹھا اُس سے خوشگوار باتیں کیا کرتا، اُس سے نئے نئے قصے سنانا، اخبار اور رسائل پڑھنا، تاش کھیلنا، غرض ہر طرح سے اُس کا جی بھلاتا اور صحت کا یقین دلاتا، میں نے محسوس کیا کہ دو اُس سے زیادہ وہ میری توجہ کی محتاج تھی، جب میں ضربات جنس شمار کرنے کے لئے اُس کی نازک کللی ہاتھ میں لئے ہوتا تو محسوس کرتا کہ زندگی کا خون اُس کی آنکھوں میں دوڑ رہا ہے۔ تھوڑے ہی عرصے میں اس کی طبیعت اصلاح پانے لگی۔ ایک مہینہ بعد وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اب وہ قرب قرب محترمہ ہو چکی تھی، حرارت زائل ہو گئی تھی، فوت آنا باقی تھی۔ دوسرے پندرہ روزوں میں، کئی بھی پوری ہو گئی، پہاڑ کی فرحت بخش ہوائے انفاس مسیحا کا کام کیا اور اُس کی حالت پورے طور سے قابل اطمینان ہو گئی، میں اس کی طرف سے بے فکر ہو چکا تھا کہ ایک دن اُس نے ایک دہشتناک خواب بیان کر کے میرے سکون و طمانت کو پیر لوٹ لیا، وہ اپنی مسہری پر لٹی کہہ رہی تھی ”میں نے دیکھا کہ میں ایک رنگین و خشک شام کو ٹہلتے ٹہلتے دور نکل گئی ہوں۔ دور اس کار کا و حیات اس ہنگامہ زار، سنی سے بہت دور مجھے ایک بلاغ نظر پڑا، فحش بار اور کینکشن میری روح پر نیند سی طاری ہونے لگی، میں نے تھوڑی دیر وہاں گھلگشت کی کلیوں کو مسکرا کر

زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ ابھی میں اس باغ سے یوں سے طور پر لطف اندوز بھی نہیں ہو سکا تھا، ابھی کہ میں بیکارک باغ کے باطل کنارہ پر آگئی۔ ایسے کنارہ پر کہ زمین میرے فاموں سے نکلنے لگی، میں نے لالہ پاؤں چمانا چاہا، لیکن نہ سنبھل سکی، دفعتاً میں ایک جولاںک اور مریب غار میں گئی، ہاں غار کی نامحدود گہرائیوں میں جہاں سوائے تاریکی اور موت کے کچھ نہیں تھا، میں ڈھل گیا، تریا کی آنکھوں میں ایک آسمانی جھمکتی ”ہاں تو میں اس میں اور پڑھوں غار میں گر گئی اور اس میں سے مجھے اب بھی نہیں نکال سکتے، میں نے اپنی تنویش اُس پر نہ ظاہر ہونے دی، اور یہ کہ اُس سے تسلی دی کہ اکثر گزشتہ واقعات خواب کی شکل میں پیش نظر ہو چکے ہیں، یہ وہی لکھنؤ والا واقعہ تھا جب تم کھڑے گریں تھیں، ادیب نے نہیں نکالا تھا جس نے پھر خواب میں آکر تمہیں ڈرا دیا۔ وہ قابل سی ہو گئی اور میں نے بھی پھر اس خواب پر کچھ زیادہ دھیان نہیں دیا۔“

(۸)

افضل چوٹریا کی طرف سے مایوس ہو کر قرب قرب اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔ اب اچھا تھا۔ تاہم وہ اُس سے بہت کم بولتا۔ وہ اُس کی صحت کے لئے مجھے زیادہ ضروری سمجھتا تھا۔ روز سہ پہر کو میں اور نریا تنہا ٹہلتے جاتے اور وہ باوجود امار کے کبھی ساتھ نہ ہوتا، نہ معلوم کیوں وہ نریا سے ڈرنے لگا تھا، اور اُس سے علیحدہ رہتا تھا۔ وہ ابھی اس کی طرف سے کچھ مطمئن نہیں تھا۔ اور اس کے اس رویہ پر میری بار بار کی پرمش کا بھی اس کے پاس کچھ جواب نہیں تھا۔

پنگھٹ کی رانی

آئی وہ پنگھٹ کی دیوی وہ پنگھٹ کی رانی دُنیا ہے متوالی جس کی اور فطرت دیوانی
ما تھے پر سیندوری ٹیکا رنگین و نورانی سورج ہے آکاش میں جسکی ضو سے پانی پانی

چم چم چم اسکے بھوپے بولیں دم چھلکے پانی

آئی وہ پنگھٹ کی دیوی وہ پنگھٹ کی رانی

کانوں میں بیلے کے جھکے آنکھیں کے کٹورے گورے رخ پر تل ہیں یاہیں بھاگنے کے دو بھونرے
کول کول اس کی کلائی جیسے کنول کے گٹھل نورِ سحرستی میں اٹھائے جس کا بھیگا آنچل

فطرت کے مینائے کی وہ چلتی پھرتی بوتل

آئی وہ پنگھٹ کی دیوی وہ پنگھٹ کی رانی

رنگ جسکی ہے اک باجہ اور نس نہ زنجیر کرشن مہاری کی منی ہے یا ارجن کا تیر
پنگھٹ مضطر جسکی خاطر، چنچل جمنائیز جس کا رستہ ٹنگ ٹنگ دیکھے سورج سا گہیر

سر سے پاتک شوخی کی وہ اُن نگین تصویر

آئی وہ پنگھٹ کی دیوی وہ پنگھٹ کی رانی

سہ پاک پتیل کی گاگر زہرہ کو شرمائے پابوسی کے شوق میں جس سے پانی چھاکا بجائے
پریم کا ساگر بوندیں بن کر جھوم اُٹا آئے سر سے بر سے اور سینے کے درپن کو چمکائے

اُس درپن کو جس سے جوانی جھانکے اور شرمائے

آئی وہ پنگھٹ کی دیوی وہ پنگھٹ کی رانی

سقراط کی موت

فیڈو (دوسری قسط) ط

زہر کا پیالہ پینے سے پہلے اپنے دوستوں سے سقراط اعظم کی گفتگو

(متہجمہ مہر لال ہونی شیا فتح آبادی ایم پی)

رہا جاتے اور اس وقت تک سزائے موت نہ دی جائے جب تک ڈیلاس سے جہاز واپس نہ آجائے۔ اور جب کبھی مخالفت ہوا تو اس کی وجہ سے جہاز کے پہنچنے میں دیر ہو جاتی ہے تو سزائے موت کو بھی ملتی کرنا پڑتا ہے۔ اپالو کے بحاری نے جہاز کو تائی پہنائے کے بعد مشن روانہ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ سب اس روز ادا کی گئی جب مقدمہ شروع ہونے والا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سقراط کو مقدمہ اور سزا کے درمیان بہت عرصہ تک قید خانے میں بننا پڑا۔

ایک کرٹس۔ لیکن مجھے اس کی موت سے متعلق بتاؤ فیڈو کیا کیا اور کیا کیا لیا؟ اور جہاز آقا کے پاس اس کے دوستوں میں سے کون کون تھا؟ کیا حاکم نے کسی دوست کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی اور کیا وہ موت کے وقت لکھا لکھا؟

فیڈو۔ نہیں اس کے بعض احباب اس کے نزدیک موجود تھے۔ ایک کرٹس۔ اگر تمہیں فرصت ہو تو آراہ کرم تمام واقعات جیسے بیان کرو۔

فیڈو۔ ہاں مجھے فرصت ہے اور میں تمام واقعات سنا دوں گا کیونکہ اس سے زیادہ کسی چیز سے مجھے خوشی نہیں ہوتی کہ میں خود سقراط کا ذکر کروں یا کسی شخص سے اس کا ذکر سنوں۔

ایک کرٹس۔ یقیناً فیڈو تمہارا سامعین بھی تمہاری طرف ہیں یہاں ہر واقعہ کو نقل کرنے کی کوشش کرو۔

فیڈو۔ میں خود اس روز یہ معمولی طور پر متاثر ہوا تھا۔ میں یہ سوچ نہیں کرتا تھا کہ میں اپنے ایک عزیز دوست کی موت سے وقت موجود ہوں مجھے اس پر غم نہیں آیا کیونکہ الطوار و لغت کے حالات وہ خوش نظر آتا تھا ایک کرٹس اس نے نہایت بے غمی سے تسلیم روت کی۔ میں یہ سوچنے پر باز نہ رہا کہ ہنوز فیڈو دوسری دنیا تک اس کے ہم سفر ہوں گے اور اگر دوسری دنیا کسی شخص کے

ایک کرٹس۔ فیڈو! کیا اس روز تم خود سقراط کے پاس موجود تھے جب اس نے زہر کا پیالہ پیا یا یہ کہانی تم نے کسی دوسرے شخص سے سنی

فیڈو۔ میں خود وہاں موجود تھا ایک کرٹس! ایک کرٹس۔ تو تمہارے آقا نے اسے پیشہ کیا کہا اور وہ کس طرح مرا؟ میں بہت خوش ہوں گا۔ اگر تم مجھے ان باتوں سے آگاہ کرو گے۔ کیونکہ ہمارے ملک کا کوئی باشندہ ایسا جھنجھٹا نہیں جاتا اور نہ وہ اس طرف آتے ہیں۔

سب سے پہلے تمام باتیں بالتفصیل معلوم ہوئیں۔ اس سے زیادہ وہیں کچھ نہیں ہو سکا کہ وہ زہر پی کر مر لیا۔

فیڈو۔ تو کیا تم نے مقدمہ کی سماعت سے متعلق بھی کچھ نہیں سنا؟ ایک کرٹس۔ ہاں ہم مقدمہ کی بابت سن چکے ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ فیصد کے بعد بہت دیر تک وہ زندہ رہا۔ آخر ایسا کیونکر ہوا۔

فیڈو۔ ایک حادثہ کی وجہ سے ایک کرٹس۔ مقدمہ سے ایک ذریعہ اس جہاز کا تاج پہنایا گیا جو اہل ایجنٹ نے ڈیلاس روانہ کیا تھا۔

ایک کرٹس۔ اور اس جہاز سے کیا مراد ہے؟

فیڈو۔ اہل ایجنٹ نے معلوم ہوتا ہے کہ اس جہاز میں تھیسیس سات جوانوں اور سات دوشیزہ لڑکیوں کو کرٹی (corte) لے گیا تھا اور ان کو موت سے بچانے کے بعد خود بھی محفوظ ہو گیا تھا۔ تب روایت کے مطابق اہل ایجنٹ نے اپالو (Apollo) یونانی دیوتا کے سامنے قسم کھائی کہ اپنی حفات کے لئے وہ ہر سال ڈیلاس کو ایک پاک مشن روانہ کریں گے اور اس وقت تک کہ ہر سال ایک مشن دیوتا کی خدمت میں روانہ کیا جاتا ہے۔ ان کی حکومت ایک دنوں سے کہ مشن کے روانہ ہونے کے بعد تمام شہر کو پاک و صاف

حق میں مسرت بخش ہو سکتی ہے تو وہ شخص ہی ہو گا۔ اس لئے جذبہ رحم میں بدل
میں قطعی نہ تھا جیسا کہ ایسے مغموم موقع پر تم توقع کرتے ہو۔ نہ میں نے وہ خوشی
محسوس کی جو بدلتے اپنی فلسفیانہ بحثوں میں محسوس کیا کرتے تھے۔ کیونکہ ہماری گفتگو
فلسفیانہ فیضی یہ خیال کر کے کہ اسے جلد ہی مہ جانا ہے میرے دل میں ایک
حبیب احساس پیدا ہوتا تھا جس میں غم و شادی کے دونوں جذبے موجزن ہوتے
ہیں۔ ہم سب جو دہاں موجود تھے ایک ہی کیفیت... سے گزر رہے تھے کبھی بہت تھے
اور کبھی چلاتے تھے۔ اپالوڈس پر یہ کیفیت سید حاوی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم
اُس شخص کو اور اُس کے اطوار کو جانتے ہو۔

ایک کرٹیس اے شک میں جانتا ہوں۔
فیڈو۔ اُس نے خود کو قلاب میں نہیں رکھا اور میں اور دوسرے کبھی بہت پریشان تھے۔
ایک کرٹیس ۱۔ وہاں کون کون تھے فیڈو؟
فیڈو ۱۔ اہل ایٹنز سے اپالوڈس۔ کریو بوس اُس کا باپ کریو۔ ہیروجینیئیر یا جینیئیر اور
انیٹی سٹینیئیر تھے۔ اور پٹیو پینیا کا رہنے والا لیپس
اور فیکسٹرمس۔ دینی دوسرے اہل ایٹنز بھی تھے۔ افلاطون میرے
خیال میں بیمار تھا۔

ایک کرٹیس ۲۔ کیا کوئی اجنبی بھی وہاں تھا؟
فیڈو ۲۔ ہاں اجنبیوں میں تھیبز کا سیماس۔ سیس۔ فیڈوڈس اور میگارس ایوکلیدیز
اور ڈیمین تھے۔

ایک کرٹیس ۳۔ لیکن اریس ٹی پس اور کلیوہ برڈس؟ کیا یہ بھی حاضر تھے؟
فیڈو ۳۔ نہیں یہ حاضر نہیں تھے کیونکہ وہ ایجینا گئے ہوتے تھے۔
ایک کرٹیس ۴۔ کیا وہاں کوئی اور بھی تھا۔

فیڈو ۴۔ نہیں میرے خیال میں ان کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا۔
ایک کرٹیس ۵۔ تو اب ہمیں اپنی گفتگو سناؤ
فیڈو ۵۔ جس شروع ہی سے تمام واقعات سناتے ہیں۔ آغا میں قید خانے کے نزدیک ہی اُس

عدالت میں جہاں مقدمہ کی سماعت مونی تھی۔ ہر روز صبح کے وقت ہم سب جمع ہوا
کرتے تھے۔ اور پھر سقراط کے پاس جاتے تھے۔ قید خانہ کھلنے سے پیشتر ہمارا بہت سا
وقت گفتگو میں صرف ہوتا کیونکہ قید خانہ دہرے کھلتا تھا۔ اُس کے کھلنے پر ہم اندر
سقراط کے پاس جاتے اور اکثر تمام دن اُس کے ساتھ رہتے لیکن اُس روز ہم معمول
سے پہلے اُس سے ملے کیونکہ گزشتہ شام کو ہمیں معلوم ہو گیا تھا کہ ڈیلاس تہ جہاز
آگیا۔ پس ہم نے مقدمہ جگہ پر جلد سے جلد بیٹھنے کا انتظام کر لیا۔ جب ہم قید خانہ
کے دروازہ پر پہنچے تو پورے بے ہمیں ذرا انتظار کرنے کے لئے کہا اور پھر بھی کہا کہ جب
تک وہ خود ہمیں نہ بلائے ہم اندر نہ جاؤں۔ کیونکہ گیارہ اشخاص" اُس نے بتایا
"سقراط کو زنجیروں سے رہا کر رہے ہیں اور اُس کی موت کے متعلق ہدایات دے
رہے ہیں۔" پھر وہ ہی عرصہ میں اُس نے واپس آکر ہمیں اندر بلا لیا۔ اندر جا کر ہم
دیکھا کہ سقراط کو آزاد کیا جا چکا ہے اور Xanthippe جسے تم جانتے ہو اُس
کے بچے کو گود میں لئے اُس کے قریب ہی بیٹھی ہے۔ جب (Xanthippe)
نے ہمیں دیکھا تو وہ عورتوں کی طرح زور سے چلائی "یہ آخری وقت ہے سقراط کہ

۲۴۰

تم اپنے دوستوں سے گفتگو کرو گے یا وہ تم سے کچھ کہیں گے۔ اور سقراط نے کرٹیس کی
طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ ٹیو اس کو مکان پر لیجاؤ پس کرٹیس کے چند ملازمین اُسے لے گئے
اور وہ دہلاؤں پر سر پیٹ رہی تھی۔ لیکن سقراط اپنے بستر پر بیٹھ گیا اور اپنی ٹانگ
کو جمع کر کے اپنے ماتھے سے ملنے لگا اور اسی حالت میں اُس نے کہا کہ وہ چیز بھی لکھی ٹھیک
چیز ہے جسے لوگ مسرت کہتے ہیں۔ اپنے مخالف رنج سے اُس کا تعلق کتنا سیر تک ہے
یہ کبھی ایک ساہوکاری آدمی کے پاس نہیں آتے لیکن اگر کوئی ایک کا تعاقب کرے اور اُس
کو کھیلے تو اُسے دوسرے کو قبول کرنے پر بھی مجبور کیا جاتا ہے گویا کہ یہ دو مختلف چیزیں
ہیں جو آخر کار مشترک ہو جاتی ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں اُس نے کہا کہ اگر ایسٹپ
کو اس بات کا علم ہو جاتا تو وہ ان سے متعلق ایک قصہ (Legend) بناتا جس میں
یہ بتایا جاتا کہ جب یہ آپس میں جھگڑا رہے تھے تو خدا نے ان میں صلح کرانی چاہی اور
جب وہ ایسا نہ کر کے تو اس نے ان دونوں کے سر جوڑ دیئے چنانچہ جب انسان
ایک کو حاصل کر لیتا ہے تو دوسرا خود ہی اس کے پاس چلا آتا ہے۔ میرا حال بھی یہی
ہے۔ زنجیروں سے میری ٹانگوں میں درد شروع ہو گیا تھا مگر اب یہ معلوم ہوتا ہے
کہ مسرت غم کا تعاقب کرتے ہوئے آئی ہے۔

سیس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا میں خوش ہوں سقراط کہ تم نے میری
یاد دہانی کی۔ اکثر لوگ مجھ سے تمہاری نظموں آپالو سے خطاب اور ایسپ کے ان
قصوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں جنہیں تم نظم کا جامہ پہنا رہے ہو اور دو ایلی
روزی گزیرے ہیں کہ ایولیس نے مجھ سے دریافت کیا تھا کہ یہاں آکر تمہارا نظم کمن
چہ معنی دارد جب اس سے پیشتر تم نے ایک مصرع بھی نہیں کہا۔ اس لئے تم مجھے بتاؤ
کہ میں اُسے کیا جواب دوں جب دوبارہ وہ یہ سوال کرے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ
ایسا کرے گا

تو جو حقیقت ہے اُس سے کہ دو سیس اُس نے کہا۔ اُس کو بتا دو کہ میں نے اُس
کا یا اس کی نظموں کا مخالفت بننے کے لئے ایسا نہیں کیا۔ میں جانتا تھا کہ ایسا کرنا
آسان نہیں۔ میں اپنے چند خواہوں کی تعبیر کا محض امتحان لے رہا تھا اور اس صورت
میں کہ وہ مجھے اس قسم کا ترنم پیدا کرنے پر مجبور کریں۔ میں اپنے ضمیر کو "وہ بات
سے آزاد کر رہا تھا پس یہ ہے حقیقت۔ یہی خواب گزشتہ زندگی میں بھی میں نے
مختلف اوقات پر مختلف صورتوں میں دیکھے ہیں لیکن یہ آوازیں بہ وقت سننا رہا
ہوں نہ سقراط شاعری سیکھو اور شعر کو۔" اُس زمانے میں میرا خیال تھا کہ یہ خواب
مجھے اسی چیز کی طرف لے جا رہا ہے جو میری زندگی کا مطمح نظر ہے ٹھیک اُس طرح
جیسے دوڑنے والوں کی نظر میں تہمت خدائی کرتے ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ خواب مجھے اُس
موسیقی کی تخلیق کی تلقین کرتا تھا جو میں شروع ہی سے خلق کر رہا تھا کیونکہ میرے
نقطہ نظر کے مطابق فلسفہ بلند ترین موسیقی ہے اور میری زندگی فلسفہ کی خدمت
ہی میں صرف ہوتی تھی۔ لیکن جب مقدمہ کی سماعت کے بعد دیوتاؤں کی دہشت نے
میری موت کو ملتی کر دیا تو مجھے خیال ہوا کہ یہ خواب مجھ سے ایسا نغمہ پیدا کرنا چاہتا
ہے جو عام طور پر نغمہ کے نام کا مستحق ہے اور اس حالت میں مجھے حکم عدلی نہ کرتے ہوئے
ایسا کرنا ہی واجب ہے۔ میں نے سوچا کہ ضمیر کو مطمئن کرنے کے لئے مجھے مرنے سے پیشتر
خواب کی فراموشی داری میں شعر کہنا چاہیوں۔ پس میں نے سب سے پہلے اس دیوتا پر

نظم کی جس کی دعوت منائی جاتی تھی۔ اور پھر میں نے ایسٹ کے ان قصوں کو نظم کیا جن سے میں واقف تھا اور جن کا نظم کرنا زیادہ مشکل نہ تھا۔ کیونکہ میں غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس شخص کے لئے جو شاعر بننا چاہتا ہے اپنی نظموں میں واقعات نہیں بلکہ قصے استعمال کرنے ضروری ہیں اور میں قصے نہیں گھڑ سکتا تھا

ایوینس سے یہ کہو کہ سیسیس اور میری طرف سے الوداع کو اور اس سے یہ بھی کہہ دو کہ اگر وہ عقلمند ہے تو جتنی جلد ممکن ہو میری راہ پر روانہ ہو جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجھے آج ہی روانہ ہونا ہے کیونکہ ہل ایٹھنز کی یہی خواہش ہے۔

اور سیسیس نے کہا ایوینس کے حق میں یہ کتنی عجیب نصیحت ہے سقراط! میں اس سے اکثر ملا ہوں اور جو کچھ میں نے دیکھا ہے اس سے میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایسا آدمی نہیں ہے کہ اس نصیحت سے ناراض ہو۔

کیا اس نے کہا۔ کیا ایوینس ایک فلسفی نہیں ہے؟

ہاں میں ایسا سمجھتا ہوں۔ سیسیس نے جواب دیا۔

تو ایوینس مر جانا ہی پسند کرے گا۔ اس نے کہا ہر وہ شخص جو اس فن میں زندہ بھی دسترس رکھتا ہے ایسا ہی کرے گا۔ لیکن وہ اپنی ذات پر تشدد نہیں کرے گا کیونکہ کہا جاتا ہے کہ یہ ثواب سے خالص ہے اور یہ کہنے ہوئے اس نے اپنے پیر بستر سے اٹھا کر فرش پر رکھ دئے اور آخر گفتگو تک اسی پوزیشن میں بٹھا رہا۔

نہیں سیسیس اس سے دریافت کیا کہ یہ کہنے سے تمہارا کیا مطلب ہے سقراط کہ ایک شخص کے لئے اپنی ذات پر تشدد کرنا تو عجیب میں داخل ہے لیکن ایک فلسفی ایک ... مرنے والے کی بیروی کرے گا۔

کیا کہا سیسیس؟ کیا تم اور سیسیس فی لولاس کے ساتھ رہے ہو اور تم نے اس کے متعلق ایک لفظ بھی سنا۔

صحیح طور پر کچھ بھی نہیں سنا سقراط۔

میں خود وہ باتیں کہہ رہا ہوں جو میں نے سنی ہیں لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ جو کچھ میں نے سنا ہے وہ تمہیں نہ بتاؤں جبکہ میں اس دنیا سے سفر کرنے والا ہوں تو یقیناً میرے لئے اس سے اور کیا بہتر ہو سکتا ہے کہ میں اپنے سفر کے متعلق گفتگو کروں اور یہ سوچوں کہ ہم اس کی مامیت کے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں۔ سورج غروب ہونے میں جو وقت باقی ہے اس کا اس سے زیادہ صحیح مصروف اور کیا ہوگا؟

تو پھر سقراط وہ اس بات کے ثبوت میں یا دلیل پیش کرتے ہیں خود کسی معیوب ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں نے خود فی دوس کو جب یہ نصیحتیں میں زندہ تھا یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ یہ حرکت زیادہ نہیں اور دوسروں سے بھی میں ایسا سنا ہے لیکن کسی نے صحیح طور پر مجھے کچھ بھی نہیں بتایا

تمہیں بہت نہیں مارنا چاہئے۔ اس نے کہا ممکن ہے کہ کسی نے کسی دن تم کو کچھ معلوم ہو جائے۔ لیکن شاید تم کو یہ سن کر تعجب ہو گا کہ یہ قانون دوسرے قوانین کے برعکس منطقی اور صحیح ہے اور یہ غلط ہے کہ بعض لوگوں کے لئے موت زندہ کی سے بہتر ہوتی ہے۔ اور تم کو اس سے بھی زیادہ حیرت ہوگی جب میں تمہیں بتاؤں گا کہ وہ لوگ جن کے

حق میں موت بہتر ہے اپنے سے کچھ بھی نہیں کر سکتے اور کسی نہ بان کے نگران رہتے ہیں۔ بے شک سیسیس نے مسکراتے ہوئے اپنی ملکی زبان میں تائید کی۔ سقراط

نے کہا یہ بیان بہت عجیب معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے حق میں ایک آدھ ثبوت بھی پیش کیا جاسکتا ہے وہ ثبوت جو پوشیدہ تعلیم (The Esoteric system of)

Pythagoras نے پیش کیا ہے کہ انسان ایک قسم کی قید میں بند ہے اور وہ اس سے آزاد ہو سکتا ہے نہ بھاگ کر نہیں جاسکتا ہے۔ میرے خیال میں نہایت عیسق اور مشکل سے سمجھ میں آنے والا ہے۔ لیکن میں یہ نہروں سمجھتا ہوں سیسیس کہ! دینا ہمارے نگران ہیں اور ہم انسان ان کی ملکیت کا ایک فرد ہیں کیا تم بھی ایسا ہی سمجھتے ہو؟ بے شک سیسیس نے کہا۔

تو اس نے کہا کہ تمہارے اشارے کے بغیر کوئی تمہاری ملکیت میں سے کوئی چیز خود کشی پر آمادہ ہو تو کیا تم اس پر ناراض نہیں ہو گے اور اگر سزا ممکن ہو تو کیا تم اسے سزا نہ دو گے!

یقیناً اس نے جواب دیا۔

بس اس طریق سے یہ کہنا شاید غلط ہے کہ خود کشی کا کسی انسان کو حق نہیں پہنچتا۔ اور اس کو اس ضرورت کا انتظار کرنا چاہئے۔ جو خدا کی طرف سے پیدا کی جانے والی طرح کہ میری فہم ورت۔ ہاں سیسیس نے کہا یہ فطری معلوم ہوتا ہے لیکن ابھی ابھی تم کہہ رہے تھے کہ ایک فلسفی نہ پسند کرے گا یہ یہ غلط ہے؟ سقراط! یہ صحیح ہے جو ہم ابھی کہہ رہے تھے نہ خدا ہمارا نگران ہے اور ہم اس کی ملکیت ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ ایک عقلمند شخص اس خدمت سے جدا رہنے ہی میں مطمئن ہو گا جو بہترین حکمران دیتا اس سے لینا چاہتے ہیں۔ وہ بے شکل اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ آزاد ہونے کے بعد وہ اپنی حفاظت خداؤں سے زیادہ کر سکتا ہے۔ البتہ ایک بیوقوف نفس ایسا خیال کر سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ اپنے آقا سے بھاگ جانا ہی عین دانشمندی ہے وہ یہ نہیں سوچے گا کہ اس ایک ایسے آقا سے نہیں بھاگنا چاہئے جسے مرعہ وہ اس کے نزدیک رہ سکے اسے رہنا چاہئے۔ اس طرح غیر دانشمندانہ طور پر وہ بھاگ سکتا ہے۔ لیکن ایک عقلمند شخص یقیناً ایسے شخص کی عزت کو پسند کرے گا۔ جو اس سے بلند اور بہتر ہے اور اگر یہ صحیح ہے سقراط تو تو تمہارے قول ۲۴۱

لے بالکل برعکس نکلتا ہے عقلمند مرنے سے گھبرائے گا! بیوقوف خوش ہوگا۔

میں سمجھا کہ سقراط سیسیس نے اہل سے خوش ہوا۔ اس نے ہماری جانب دیکھا اور کہا سیسیس ہمیشہ لائل کا امتحان لیتا رہتا ہے وہ کسی کے قول کو ایک ہی تسلیم نہیں کرتا۔

بے شک سقراط سیسیس نے لہا لہن میں اب سمجھتا ہوں۔ جو کچھ سیسیس نے کہا وہ بہت حد تک درست ہے ایک عقلمند شخص کو اپنے سے بہتر آقا کی خدمت کو بھڑکائیوں بھاگ جانا چاہئے۔ سیسیس کی دلیل کا اشارہ ہماری طرف ہے کیونکہ ہم ہمیں چھوڑ دے۔ ان دوتاؤں کو بھی جو ہم سلیم طریقے پر لائے تھے عاقل ہیں۔

تم غصہ کرتے ہو اس نے کہا میں جانتا ہوں تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے اس

ازم کے خلاف اور اپنی تائید میں کچھ کہوں گویا کہ میں ایک قانونی عدالت میں کھڑا ہوں۔

ہمارا یہی مطلب ہے سیاس نے کہا۔

اچھا اُس نے جواب دیا تو میں تمہارے سامنے اپنی تائید اُس سے بھی زیادہ کامیاب طریقے سے کروں گا جس طریقے سے میں نے عدالت کے سامنے کی میں غلطی پر ہوں گا۔ سببیں اور سیاس اُس نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا اگر میں موت سے ڈھبڑوں بستر طبع میں نہیں سمجھتا ہوں کہ میں اُن دوسرے دیناؤں کے ساتھ جو نیک و سخی ہیں اُن مرحومین کے ساتھ جو زندہ انسانوں سے بہتر ہیں جاکر رہنے والا ہوں۔ سببیں نہ معلوم ہونا چاہئے کہ میں اُسید رکھتا ہوں کہ اچھے آدمیوں کے ساتھ جاکر رہوں گا اگرچہ مجھے اس کا یقین نہیں ہے۔ لیکن مجھے اس بات کا یقین ہے اور ان حالات میں ہونا بھی چاہئے کہ میں اچھے دیناؤں کے ساتھ جاکر رہنے والا ہوں۔ اسی سے میں موت سے نہیں گھبراتا۔ مجھے یقین ہے کہ موت کے بعد بھی وجود قائم رہتا ہے جو بد انسانوں کی بہ نسبت نیک انسانوں کے لئے بہت زیادہ مفید ہے۔

تو سقراط سیاس نے کہا کیا تم رخصت ہو کر یہ عقیدہ اپنے ساتھ ہی لے جانا چاہتے ہو یا تم یہ بھی چاہتے ہو کہ ہم اس خیال میں تمہارے شریک ہوں؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس مفاد سے ہم بھی دلچسپی رکھتے ہیں اور اگر تم اس معاملے میں ہم کو مطمئن کر دو گے تو خود تمہاری تائید ہو جائے گی۔

میں کو شش کروں گا اس نے کہا لیکن میرا خیال ہے کہ کرٹریج سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میں سب سے پہلے اُس کی بات پر توجہ دینی چاہئے۔

میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں سقراط کرٹریج نے کہا کہ اُس شخص نے جو ہمیں زہر پگیا ہے وہ ہمارے لئے تو زیادہ مفید کرنے کی اجازت دی جائے۔ وہ کہتا ہے کہ گھٹنگو نہان ہے۔ ہم میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور دہکے کہیں حرارت زہر کے اثر کو داخل نہ کرے۔ شش بہ حرارت پیدا کر لیتا ہے اُس کو دو تین مرتبہ زہر پینا پڑتا ہے۔ ایسا ہی ہونے دو سقراط نے کہا اُس کو شخص اپنے کام کا خیال رکھنا چاہئے اور دوا ضرورت پڑنے پر تین مرتبہ مجھے زہر دینے پر تیار رہنا چاہئے۔

میں جانتا تھا کہ تمہارا جواب یہی ہو گا کرٹریج نے جواب دیا لیکن وہ بہت فہم کرتا تھا۔

اُس کو نظر انداز کر دو اُس نے جواب دیا لیکن اب میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں میرے منصفو! کہ میرے خیال میں وہ شخص جس نے حقیقی طور پر اپنی زندگی فلسفہ کی خدمت میں صرف کی ہے موت کے وقت بھی خوش رہنے کا کیوں حقدار ہے اور وہ مرجانے کے بعد دوسری دنیا میں بہتہ بن فائدے کی امید کیوں رکھتا ہے میں یہ سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں سیاس اور سببیں کہ ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے۔

تایہ دنیا نہیں جانتی کہ فلسفی ہمیشہ حیات و موات کی تحقیق میں مصروف رہتے ہیں۔ اور انہیں سوچ سے تو بہت جتن بگڑاؤں میں رہ کر وہ شخص جو تمام عمر موت کا خواہشمند رہا ہے موت آنے پر بے نشان ہو جائے بلکہ ایک موصوفہ نامہ دہ اسی کی تحقیق اور آرزو میں گم رہا ہے۔

سیاس نے ہنس کر کہا یقیناً سقراط تم مجھے ہنسے پر مجبور کرتے ہو حالانکہ اس وقت ایسی حالت میں نہیں ہوں کہ ہنس سکوں۔ اگر تم یہ باتیں عوام سے بیان کرتے تو میرا خیال ہے کہ وہ مان لیتے کہ فلسفیوں کے متعلق تمہارا نظریہ بالکل درست ہے اور میرے ہرطن تم سے متفق ہونگے کہ فلسفی مرجانا چاہتے ہیں اور وہ یہ بھی بخوبی جانتے ہیں کہ فلسفیوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا ہی عین دانشمندی ہے۔

اور وہ حق بجانب ہوں گے سیاس مجھ اُس دعویٰ کے کہ وہ اس بات کو جانتے ہیں کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ ایک سماجی فلسفی کس طریقے سے مرجانا چاہتا ہے یا وہ کس قسم کی موت کا مستحق ہے یا وہ کس صورت سے مستحق ہے۔ ہمیں عوام کو نظر انداز کر کے خود اس معاملے پر غور کرنا چاہئے۔ کیا ہم سمجھتے ہیں کہ موت کوئی حقیقت ہے؟

بلکہ سیاس نے جواب دیا۔

اور کیا ہم کو اس بات پر یقین نہیں کہ موت جسم سے روح کے جدا ہو جانے کا نام ہے؟ کیا موت سے مراد یہ نہیں کہ جسم خود بخود وجود میں آتا ہے بغیر کسی روح کی مدد کے اور روح جسم سے جدا ہو کر بھی زندہ رہتی ہے؟ موت اس کے علاوہ اور کس چیز کو کہتے ہیں؟ تم ٹھیک کہتے ہو اس نے کہا۔

اب غور کر دیر سے اچھے دوست کہ کیا ہم اُس دوسرے مکتبہ پر بھی متفق البرائے ہیں جو میرے خیال میں ہم کو یہ مسئلہ حل کرنے میں بڑی مدد دے گا کیا تم مجھے ہو کہ ایک فلسفی زمانے کے عیش و نشاط کو بڑی اہمیت دے گا مثلاً خور و نوش کو۔

یقیناً نہیں سقراط سیاس نے کہا۔

یا جنسی خواہشات کو؟

بے شک نہیں۔

اور کیا تمہارے خیال میں وہ جسم باقی جسمانی مسرتوں کو بہت بلند سمجھتا ہے کہ وہ خواہش کرے گا کہ نفیس ملبوس چٹل اور زیورات ... حاصل کرے یا وہ ان کی نفرت کرے جیسا کہ اُس کو اگلے استعمال کرنے پر مجبور نہ کر دیا جائے؟

میرے خیال میں ایک حقیقی فلسفی ان سے نفرت کرے گا اُس نے جواب دیا غصہ اُس نے کہا کیا تم مجھے ہو کہ وہ جسمانی ضرورتوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ وہ حتی الوسع مادیات سے دور رہتا ہو اور جس سے نزدیک تر ہونے کی کوشش کرتا ہے؟

میں ایسا ہی سمجھتا ہوں۔

تو اس معاملہ میں پہلے یہ ظاہر ہے کہ فلسفی اپنی روح کو جسم سے بے تعلق کر لیتا ہے اور حتی الامکان دوسرے انسانوں سے بھی بے تعلق

اور کیا دنیا نہیں سمجھتی سیاس کہ اگر انسان مادی لذتوں سے دلچسپی نہیں رکھتا ہو اور اُن سے اپنا حصہ طلب نہیں کرتا ہے تو اسے زندہ نہیں رہنا چاہئے کیا وہ یہ نہیں مانتی کہ وہ جان چیزوں سے بے نیاز ہے ایک مردہ شخص سے بہتر نہیں؟

تم ٹھیک کہتے ہو۔

لیکن عقل کو صحیح طور پر حاصل کرنے کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ اگر عقل

کی تلاش میں جسم کو درست بنایا جائے کہ تو کیا وہ سدا رہا نہ ہوگا۔ مثلاً کیا بینائی اور جسم کے ذریعہ کوئی حقیقی سچائی انسان تک پہنچتی ہے؟ کیا شاعر ہمیشہ سے ہیں کہ کسی چیز کو صحیح طور پر دیکھتے ہیں نہ صحیح طور پر سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر جسم کی جتنی طاقتیں درست اور صاف نہیں ہیں تو پھر دوسری کیونکر ایسی ہو سکتی ہیں کیونکہ وہ ان کے مقابلہ میں نامکمل ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہے؟

ہاں میں ایسا ہی سمجھتا ہوں اُس نے کہا۔
تو پھر روح حقیقت کو کب پاتی ہے؟ اُس نے پوچھا ہم دیکھتے ہیں کہ جب کبھی وہ جسم کے ساتھ حقیقت کی تلاش کرتی ہے تو بہت سے گمراہ کر دیتا ہے۔
بے شک

کیا یہ عقل ہی کے ذریعہ نہیں ہے کہ اُس کی حقیقت کا اظہار ہوتا ہے۔
جواب ہے۔

اد عقل صرف اُسی وقت کام کرتی ہے جب تمام جتنی طاقتیں سماعت منبائی رنج و خوشی وغیرہ روح کو پریشان نہیں کرتی جب وہ جسم کو طلاق دیکر جتنی الامکان خود کو اُس کے ساتھ بہرہ بخشہ سے آزاد کر لیتی ہے اور مدد خود پر بہرہ و سہ کرتے ہوئے خود کو تلاش کرتی ہے؟
ایسا ہی ہے۔

اور اس حالت میں جب فنی فی روح جسم سے بہت زیادہ نفرت کرتی ہے

اُس سے دور بھاگتی ہے اور تنہا رہنا چاہتی ہے کیوں وہ ایسا نہیں چاہتی؟

یعنی وہ ایسا ہی چاہتی ہے۔
اور سیاسیاس تم دو سرے کتنے کے متعلق کیا کہتے ہو؟ کیا ہم سمجھتے ہیں کہ کوئی ایسی چیز بھی ہے جسے کامل انصاف کہا جاتا ہے یا نہیں؟
بے شک ہم ہی سمجھتے ہیں۔

اور کامل حسن اور کامل غلی؟

ہاں یوں۔

کیا تم نے ان میں سے کسی کو کبھی اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟
بالکل نہیں اُس نے جواب دیا۔

کیا تم نے کبھی اپنی کسی جسمانی حس سے ان کا اندازہ پایا ہے؟
میں اُن تمام مطلق (Absolute) چیزوں کا ذکر کر رہا ہوں جو وسعت صحت اور طاقت سے متعلق ہیں۔ کیا جسم کے ذریعے چیزوں کی حقیقت معلوم کی جاسکتی ہے؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ وہ غصہ ہو اپنی عقل کے ذریعہ زیر نظر چیزوں کی اہمیت اور اہمیت کو سمجھنے کی محتاط کوشش کرتا ہے اُن کی حقیقت سے بہت نزدیک آجاتا ہے؟
بے شک۔

تین اشائے

ادھر مذہب دھڑنساں کی فطرت کا تقاضہ ہے وہ دامن مہ کنعائے یہ دست زلیخا ہے

کھلونا تو نہایت شوخ و رنگیں تہذیب کا معرفت میں بھی ہوں لیکن کھلونا پھر کھلونا ہے

مشیت کھیلنا زیبا نہیں میری بصیرت

اٹھالے ان کھلونوں کو یہ دنیا ہے یہ عقیقی ہے

جوش

کرسن گوپال ہے!

مکرا کے گاؤ پھر گا کے مکراؤ پھر

اے گوپال جھوم کر بانسری بجاؤ پھر

بانسری کے کیفیت سے دل کو گندھڑاؤ پھر
پریم اور پریت کی ریت کو جگاؤ پھر
نزدوں کی گود سے نکھتیں برس پڑیں
بانسری کی لے سے پھر پھنیں برس پڑیں
نغم و کوب و قمر حیدراہ ہیں تو کیا
آسمان و لامکاں سدا راہ ہیں تو کیا
خود ہی تم کنوں جو خود ہی مکراؤ پھر
بڑے گل کے رُپ میں سبکے پاس ڈھیر

بانسری بجاؤ پھر دو جہاں پہ چھاؤ پھر

اے گوپال جھوم کر بانسری بجاؤ پھر

موج کا ستارہ بانسری کے زمزمے
ساحل جہین ہو اور زندگی کے زمزمے
مست گنگوہوں پر یاسمن کی جھاڑیاں
طرح عاشق نہیں برج کی پستیاں
کبھی کے رنگ ڈوب جائے زندگی
عاشق کے رنگ میں ڈوب جائے زندگی
روح با نقاب کا ہر نقاب پہونگ دو
موت و زندگی ہی کیا سب محاب پہونگ دو

جس طرح بھی ہو کے ایک بار آؤ پھر

اے گوپال جھوم کر بانسری بجاؤ پھر

اے دانتاب کو حکم انصرام دو
پھر شب حیات کو اذان صبح و شام دو
روح منغل کو پھر عشرت دو
عشق کی شراب کا نند و تیر جام دو
گل نفا نمودش ہے عزت کلام دو
حریت کا درس دو جنگ کا پیام دو
ایشیا غلام ہے اس غلام کی سنو
ہندو بنے کو ہے ڈوبنے کو تمام لو

ساحل مراد تک بندیوں کو لاؤ پھر

اے گوپال جھوم کر بانسری بجاؤ پھر

ساغر نظامی

بند راکے گھاٹ ہیں پھر تھارے منتظر
موج آب منتظر ہیں سائے منتظر
درو سے بھری ہوئی ہیں فضا میں منتظر
مندروں کے سائے میں ہیں گھٹائیں منتظر
گوپیوں کی خاک میں سوز انتظار رہے
ہر کنول کے جام میں خون سد بہا رہے
کونلوں کی کوک میں گیت کا مزار ہے
موج بہا راک ڈکھ بھری بیکار ہے

برق دم پہ بادہ زندگی بساؤ پھر

اے گوپال جھوم کر بانسری بجاؤ پھر

بانسری کی تان سے سچ و شام مست ہوں
رض و چین مست ہوں بے نظام مست ہوں
دجید ہیں عقل و دین بخودی ہو تیس میں
بانسری کی تان پر زندگی ہو رقص میں
بانسری کے کیفیت سے اک جہاں ہوں میں
اک جہاں کا کہ کب لاکھوں مورقص میں

ہاں اٹھاؤ بانسری بانسری اٹھاؤ پھر

اے گوپال جھوم کر بانسری بجاؤ پھر

تند کی کٹی میں تم بے مثل بہتا ہے
بے مثل بہتا ہے کیا اہل آفتاب تھے
حسن کی تہاب تھے عشق کا شبا تھے
اپنی خود نظیر تھے اپنا خود جواب تھے
سہرہ جال تھے راز ہر جلال تھے
حسن کا سال تھے عشق کا مال تھے
اپنے رخ سے پردہ ظاہر ہی اٹھاؤ پھر
اک جہاں کو حسن کا حیرتی بناؤ پھر

برج کی فضاؤں کو نشیں چاؤ پھر

اے گوپال جھوم کر بانسری بجاؤ پھر

نظرت یقین میں اب سوز تشنگی نہیں
چشم شوق ہر طرف تم کو دیکھتی نہیں
آنکھ ہے نہ جو سٹے جلوہ ہے نہ طور ہے
کو باطنی ہے ایک اور دور دور ہے
موت غمزدہ سی ہے ندگی نزار ہے
حسن ہے برہنہ سر عشق سو گوار ہے
صبح و شام گونج اٹھے اور رات گونج اٹھے
کائنات گونج اٹھے اور حیات گونج اٹھے

بغیر ڈرائیور کی ٹرین

(سید عنایت علی رضوی بی بی کے علیگ)

اور بعض اسٹیشنوں پر بجلی سے چلنے والی بارکش ٹرینیں اور قبیلہ اٹھانے والی سنینیں لگی ہوئی ہیں۔

اور ہر ذرے سے قبیلے ان سلائی پھیلنے والے راستوں اور قبیلے اٹھانے والی سنینوں کے ذریعہ اسٹیشن پلیٹ فارم پر آتے ہیں جہاں کہ یہ قبیلوں پر سنینوں کے ذریعہ لائے جاتے ہیں یہ قبیلے اٹھانے والی سنینوں کے ذریعہ وہاں آتے جاتے ہیں جہاں قبیلے اٹھانے والی سنینیں لگی رہتی ہیں جو ان کو اوپر ذرے میں بھیجتی ہیں۔

پیڈنگٹن (Padington station) اسٹیشن پر ایسی سنینیں اور کھادی گئی ہیں جو ڈاکخانہ کے دفتر سے گریٹ ویسٹرن ریلوے (G.W.R.) کے پلیٹ فارم پر ان قبیلوں کو بھیجتی ہیں۔ اس اسٹیشن پر اور پور پول اسٹیشن کے ریلوے اسٹیشن پر ڈاک پر ڈاک پر تلاش امور سوال ہوتی ہے یہاں سے سلائی راستے چلتے ہیں جو یوسٹ انس ریلوے کے پلیٹ فارم پر پہنچتے ہیں۔

اس ریلوے کی ٹرینیں جو سے دو ذرے چمچنے والے ٹکٹوں کے بجلی کے ٹرینوں کے ذریعے ہلاتی جاتی ہیں اور اسٹیج روکی جاتی ہیں۔ یہ گاڑیاں منڈیشیل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہیں اور کچھ ایسا انتظام کیا گیا ہے کہ ان کے درمیان میں اسٹیشن کے قریب جاتی ہیں۔ راستہ کی سطح میں چڑھاؤ دیدیا ہے جس سے لازمی طور پر اس کی رفتار خود بخود کم ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اسٹیشن کے قریب پہنچ کر یہ خود بخود ایک جاتی ہے اور یہ منٹ انتظار کے بعد اسٹیشن کی رفتار سے چل کر اسٹیشن پلیٹ فارم پر پہنچ جاتی ہے۔ اگر یہ ٹکٹ نے والی گاڑی مونی ہے تو یہ اس پلیٹ فارم پر پہنچتی ہے جہاں راستہ آگے کو بند ہوتا ہے اور اس میں خود بخود روک لگ جاتی ہے اور نہ گاڑی دوسرے راستہ سے چلی جاتی ہے اور یہاں سے یہ راستہ کچھ فاصلہ تک بھر سلائی ہوتا ہے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو زندگی کے ہر شعبہ میں سہولتیں پیدا کرنے کے لئے بڑی بڑی کوششیں اور ایجادیں کرتے ہیں اور دولت کو بانی کی طرح بنا دیتے ہیں۔ نتیجہ ہوتا ہے کہ دولت آسانی اور عشرت سب کی جا ہوتی ہیں۔ یہ لوگ جہاں لوگ (خطوط اور بارسلوں) کا حال ہے۔ اگر لذت انسان کے لئے ہو سکتی ہے تب سب نے میا کی ہیں۔ سب کا بیان لیا جا۔ تو نام ایسا ہی ہے بیان سے جہاں ہے۔

لندن کی سڑکوں کے نیچے ہر گھنٹہ چالیس گاڑیاں (ٹرینیں) بغیر ڈرائیور اور گاڑی کے ادھر سے ادھر گھر گھر اتی رہتی ہیں یہ محکمہ ڈاکخانہ (لندن) کی ٹیوب ریلوے کے نام سے منسوب ہے اور سطح زمین سے اسٹی فٹ نیچے ساڑھے چھ میل لابی سڑنگ میں چلتی رہتی ہیں۔ اور روزانہ تیس ہزار (۳۰,۰۰۰) ڈاک کے قبیلے بھیجتی ہیں۔ یہ ریلوے اپنی قسم کی دنیا میں انوکھی ہے۔ اور محکمہ ڈاک کی متواتر ضرورت کی بنا پر کہ ڈاک کے بجائے اور بھیجنے میں پہلے جلدی کی جائے۔ یہ تعمیر کی گئی ہے لیکن مزید برآں اس کے وجود نے لندن کی سڑکوں پر گاڑیوں کے جوم اور شور میں ایک نوٹ کمی پیدا کر دی ہے اور ڈاکخانوں میں ڈاک کا توازن قائم کرنے میں بڑی مدد کی ہے

صفحہ ہذا کے مطبوعہ نقشوں میں اس ریلوے کا طول اس کا راستہ اس کے اسٹیشن نیز ڈاک بھیجنے والی گاڑیوں کی سڑکیں جن کا اس سے ملان ہوتا ہے بتائی گئی ہیں۔ اس ریلوے کا اعلیٰ مقصد خطوں کی ڈاک کو جلد سے پہنچانا ہے۔ بمقابلہ سڑکوں کے اس ریلوے کے ذریعہ ڈاک بھیجنے میں جو وقت کی بچت ہوتی ہے وہ ایک حد تک سڑکوں کی حالت پر منحصر ہے۔ عام طور پر ایک سڑک سے دوسرے سڑک جانے میں ٹھارہ منٹ لگتے ہیں۔ البتہ کمزور کی حالت میں یا بڑے دن (کرسمس) سے قبل جب آمد و رفت گاڑیوں کی زوروں پر ہوتی ہے بہ بچت اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔

اسٹیشنوں کے علاوہ سب جگہ اس ریلوے کی گاڑیاں صرف ایک ہی سڑنگ سے چلتی ہیں جو نو فٹ کے قطر میں ہے اور جس میں نو فٹ چوڑے ریل کے دو راستے ہیں۔ ہر راستہ پر تین آہنی ریلیں ہوتی ہیں جن پر ہر کو ٹرین گزرتی ہے۔ اسٹیشن کے قریب سڑنگ کی وٹھائیں سات فٹ قطر کی ہیں اور ان میں ریل کا صرف ایک ہی راستہ ہوتا ہے۔

اسٹیشن کا پلیٹ فارم مسافروں کی زیر (Passenger underground & Railway) یوسٹ کے پلیٹ فارموں کی طرح نہیں ہیں۔ اسٹیشن کی ہر ایک سڑنگ میں ایک پلیٹ فارم اور دو ریل کے راستے ہوتے ہیں۔ ایک راستہ گاڑی کو ٹھہرنے کے لئے اور دوسرا ایسی گاڑیوں کے لئے جو سیدھی بغیر ریل کے چلی جائیں۔ پلیٹ فارم نو فٹ فٹ (ویسٹرن ڈسٹرکٹ انس) سے لیکر ۳۱۳ تین سو تیرہ فٹ (دماؤنٹ پلیٹ فارم اسٹیشن) تک کی لمبائی پر ہیں۔ ٹرینیں بجلی کے ذریعہ چلتی ہیں۔ اور بجلی گھر سے ان کی رفتار وغیرہ کی نگرانی کی جاتی ہے۔ ایک ٹرین میں ایک یا دو سو ٹائٹل ڈنٹ لانا مال کا ڈنٹ ہوتا ہے جس میں چار قبیلے ہوتے ہیں اور ہر قبیلے میں پندرہ خطوں کے اور چھ ڈاک کے قبیلے آسکتے ہیں جہاں تک ممکن ہو سکتا ہے ان قبیلوں کے اٹھانے رکھنے میں انسان کا بہت کم ہاتھ لگتا ہے کیونکہ یہ اسٹیشن پر وزن اٹھانے کی سنینیں اور قبیلوں کے بھسلنے کے سلائی راستے

آزادی

مترین تیرے ایم پاک سے طغیائے آزادی
تخیل ہے ترا مشاطہ منشاے آزادی
کیا تو نے مقدر اپنے پاکیزہ ارادے سے
امین جلوہ کو پھر بخشہ ہی اک نعمتِ عالی
شرف دیکر کیا مبعوث اک انسانِ عظیم کو
پیام حریت جس نے بنایا سارے عالم کو
دیا انسانیت کو درس اس نے سرفرازی کا
وہ نعمہ جو ہوا دریاؤں طائف کی چوٹی سے
رہے گی تا ابد جاری ازل کی کار فرمائی
منو تیرے نو محض سے سیمائے آزادی
تصور ہے ترا نگِ رخ زیبائے آزادی
پئے صبح ازل اک جلوہ عنایتِ آزادی
بنایا رونقِ ہستی و ہرم آرائے آزادی
مترتب جس نے آخر کئے اجزائے آزادی
بنا المام یکسر وہ نوا پیرائے آزادی
منظم جس نے کردی اک نئی دنیاے آزادی
ابھی تک روح میں ہو کیفیتِ انوارے آزادی
کمالِ شورشِ امر و نہ فر دے آزادی

ہے قائم حق و استحکام پر پُربنیا د انسان کی
کبھی باطل نہ ہوگی فطرتِ آزاد انسان کی

وہ آزادی جو انسانوں کی عظمت کو بڑھاتی ہے
وہ آزادی جو انسانوں کا یک پیدائشی حق ہے
وہ آزادی کہ سب جو عزتِ اقوام کی صف میں
وہ آزادی غلامی جس کے آگے تھکر تھراتی ہے
وہ آزادی جو استبداد کے قلعوں کو ڈھاتی ہے
وہ آزادی جو بامِ کامیابی پر چڑھاتی ہے

وہ آزادی جو ہر ذرے کو خود بخود بخشی ہے قدرت
وہ آزادی کہ جسکے نور سے ہیں دجھال و شر
وہ آزادی پیسہ جس کو لائے آسمانوں سے
وہ آزادی حکومت جسکی ہے فطرت کی دستیا
وہ آزادی قومی ترجکے بازو ہیں مصیبتیا
وہ آزادی حفاظت جس سے ناموس قومی کی
وہ آزادی پرندوں کو ہوا میں چڑھاتی ہے
وہ آزادی جو ہر ذرہ میں اک مثل جلاتی ہے
وہ آزادی جو ہر انسان کو پیسہ ربیلتی ہے
ستاروں کی طرح جو بحر و بر پہ بگمگاتی ہے
وہ آزادی جو دامندوں کو شانوں پر اٹھاتی ہے
وہ آزادی جو ظلم و جور کی بنیاد دھاتی ہے

وہ آزادی الہی خستہ کاموں کو بھی مل جائے وہ آزادی الہی ہم غلاموں کو بھی مل جائے

سریں پر ہو ہمارے سایہ دامن آزادی
شہادت ہے ہیں غم ہمارے خون کے قطرے
وہ دن آئے وہ وقت آئے وہ لمحے جلد آئیں
الہی موسم گل تی کچھ ایسا انقلاب آئے
ہر اک موج حسن بنجائے اک سیلاب حریت
زیر آسمان تک حریت کا بول بالا ہو
ہر ذرہ کو سجدہ گاہ آزادی بنادیں ہم
سادات اخوت ہو محبت کی حکومت ہو
ہماری جان آزادی ہو ہم ہوں طاب آزادی
کہ ہم سے ہے جہاں میں نقی دلمان آزادی
کہ سینچا جائے تازہ خون سے بستان آزادی
یکایک باغ میں ہو ایک دن اعلان آزادی
نہ اپنے روکنے سے بھی کسے طوفان آزادی
ہم سے ہاتھ میں ہو نقشہ اسکان آزادی
جس میں حق ہو اور نسل و فانی آزادی
ہمارا پرچم عظمت ہو اور میدان آزادی

غریب بادیاں زر خیر خطوں سے بدل جائیں
غلامی کی بلا میں "ایشیا" سے نکل جائیں

کتاب موصولہ پر نظر

یہ عجیب و غریب تہذیب بھی نہایت دلچسپ ہے کہ گو اب پنجاب بہتر متغزلین اور نظم نگار شاعر اکابر رہے لیکن جن لوگوں کو قدرنا شہرت اور ترقی کے نام پر ہونا چاہیے تھا وہ گو ایک خاص سطح پر ضرور اپنی انفرادی حیثیت کے ساتھ مشہور ہیں لیکن ان کو زیادہ مشہور ہوجانے والوں کے مقابلہ میں شہرت حاصل نہیں ہو سکی اور نہ پنجاب ہی نے ان کو وہ مرتبہ بخشی جس کے حقیقی طور پر وہ مستحق تھے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ وہ بلند سوسائٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اپنے احوال کی سطح سے اتر کر کوئی سعی اپنی نفاذ زندگی کے تعلق نہیں کر سکتے دوسرے ان کے اشغال میں مبتلا ہیں یعنی انہوں نے کبھی اپنے لئے وہ ذرائع اختیار نہیں کئے جو دوسروں نے بہ آسانی اپنی ماحولی مجبوریوں اور حیثیاتی پریشانیوں کی وجہ سے اختیار کئے اور اس قسم کی جدوجہد کو جاری رکھا جس کو یہ لوگ جاری رکھنا تو درکنار شروع بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یعنی جو راہیں اپنی حیثیت کے مطابق اوقات گزاری حیثیات کے تعلق ان حضرات نے تجویز کی تھیں ان کو بچتے کیا اور پھر ان لوگوں پر سفر کرتے ہوئے ان لوگوں سے علیحدہ بالکل مختلف فضا میں گم ہو گئے جو ہر تن شاعری کے استیج پر اپنی بانسری بجا رہے تھے۔

یہ عجیب و غریب تہذیب بھی نہایت دلچسپ ہے کہ گو اب پنجاب بہتر متغزلین اور نظم نگار شاعر اکابر رہے لیکن جن لوگوں کو قدرنا شہرت اور ترقی کے نام پر ہونا چاہیے تھا وہ گو ایک خاص سطح پر ضرور اپنی انفرادی حیثیت کے ساتھ مشہور ہیں لیکن ان کو زیادہ مشہور ہوجانے والوں کے مقابلہ میں شہرت حاصل نہیں ہو سکی اور نہ پنجاب ہی نے ان کو وہ مرتبہ بخشی جس کے حقیقی طور پر وہ مستحق تھے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ وہ بلند سوسائٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اپنے احوال کی سطح سے اتر کر کوئی سعی اپنی نفاذ زندگی کے تعلق نہیں کر سکتے دوسرے ان کے اشغال میں مبتلا ہیں یعنی انہوں نے کبھی اپنے لئے وہ ذرائع اختیار نہیں کئے جو دوسروں نے بہ آسانی اپنی ماحولی مجبوریوں اور حیثیاتی پریشانیوں کی وجہ سے اختیار کئے اور اس قسم کی جدوجہد کو جاری رکھا جس کو یہ لوگ جاری رکھنا تو درکنار شروع بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یعنی جو راہیں اپنی حیثیت کے مطابق اوقات گزاری حیثیات کے تعلق ان حضرات نے تجویز کی تھیں ان کو بچتے کیا اور پھر ان لوگوں پر سفر کرتے ہوئے ان لوگوں سے علیحدہ بالکل مختلف فضا میں گم ہو گئے جو ہر تن شاعری کے استیج پر اپنی بانسری بجا رہے تھے۔

یہی مراد پنجاب میں مدبر علی بی اے آکر صبا کی حامد علی خاں لطیفی اور مرید منظور دلی وغیرہ سے ہے۔

جہاں تک آئندہ اقبال، مظہر اور مولانا ظفر علی خاں کی ذات کا تعلق ہے ان دونوں کو اس مقابلہ میں شریک کرنا قصود نہیں لیکن بڑی طویل پہاں تک اس موضوع تفریل کا تعلق ہے جس کو شاعری پر اصل اصول خیال کیا جاتا ہے۔ یہ کہہ سکتا ہوں کہ مذکورہ نوجوانوں میں بعض میں ان دونوں انسدادوں سے نسبتاً زیادہ پانی جاتی ہے موازنہ کا صرف یہی جزو ان دو شخصیتوں سے تعلق رکھتا ہے۔ باقی سے بحث نہیں۔

شہرت اور اس سے پریشاندہ منافق و فواد درہل اس بے ضمیری کا نتیجہ ہوا کرتے ہیں جو ایک خاص مرتبہ ہو جانے والی جماعت میں افراد کو شہرت کے حصول کے لئے اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ بعض ایسے حرکات بھی کرنے پڑتے ہیں جن کو اگر علانیہ اختیار کیا جائے تو وہ تمام شیرازہ کچھ جائے جو انسانی افضلیتوں کے نام سے آدمی ہوام کے سامنے مجتمع کرتا ہے اگر یہ نہیں تو اس کے گنجلے یا "ارزل" ہونے میں شک باقی نہیں رہتا۔

لیکن وہ پانڈا رشتہ جو شاعر کی روحانی عروج و ارتقا کے اثرات سے پیدا ہو۔ دوائی ہوتی ہے اور قطعی ابدی۔ میرا فیصلہ ہے کہ شاعر کا ارتقا کبھی پروپیگنڈے سے نہیں ہو سکتا اس کا ارتقا خود اس کی دماغی اور روحانی ریاضت سے تعلق رکھتا ہے۔ شاعر کا کام یہ ہے کہ وہ دلوں کو تازہ کرے اور دل دسوزی کے بعد ہی متاثر ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ جو تزیین و زین اور انجلا قلب نہیں کر سکتا۔ اس سے کہہ دو کہ وہ اپنی موت کا یقین کرے۔ سوسائٹی میں آج یا مستقل طور پر شاعر کا درجہ کیا ہے؟ یہ ایک سوال ہے جو مجھے اس وقت

اب جو سوسائٹی کے طاعت کی تکمیل کرتے ہوئے وہ اس میں مقیم ہونا چاہیے باقی مرود میرا ذاتی تجربہ ہے کہ وہ لوگ جو شاعرانہ پوزیشن میں ہوتے ہوئے بھی بڑی بڑی بارگاہ میں اپنی غیرت اور خودداری کا ثبوت دیتے ہیں جبری اور آزاد واقعے میں ان سے سوامائی خوش نہیں ہوتی بلکہ وہ خیال کرتی ہے کہ یہ اپنی حیثیت سے بڑا جبر ہے اور اسے بٹھکے ہوئے "ارباب نشاط" چھٹی تہذیب و اطاعت۔۔۔۔۔ کا ثبوت دے رہے ہیں۔

سوسائٹی کا اطلاق جو حکومت پر بھی ہوتا ہے لیکن یہ سوسائٹی ہم کو کچھ متعین کر سکتے ہیں رہی حکومت تو اس کو بھی شعراء سے کوئی خوف نہیں اور گو وہ شائے کثیر خستہ با مران اور مٹی سن کی قوم سے ہے۔ مگر وہ اردو شعراء کو کوئی درجہ نہیں دیتی اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اسے یقین ہے کہ اس غلام سائے اور ٹوڈی طبقے سے کوئی نقشان نہیں پہنچ سکتا، کیا وجہ ہے کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا جائے پھر وہ تیور و آبر کی طرہ شرقی دار الفنون سے نہیں آئی ہے نہ اس کی زبان فارسی و اردو ہے نہ اس کا گھر ایشیا وہ ایک تجارتی قوم ہے اگر شاعر یا مچھلے کپڑے اور مغربی مصنوعات کا یہ وہی گندہ اپنی شاعری میں کرتے اور اس سے تحریک بایکٹا "کو دیا جاسکتا تو یقیناً شعراء کو کوئی جھوٹا مٹا منصب با حکومت سے عطا ہو سکتا تھا۔

اس بحث کا یہ گوشہ بھی نہایت دردناک ہے کہ میرے علم میں شعراء کا ایسا طبقہ بھی ہے جس نے بعض ذمہ دار حکام کی تحریک پر وطن فروشی کا "مقدس" زین ادا کیا اور جو یہ کام نہیں کرتے ہیں وہ بھی میرے علم میں ہیں جن کی گردنیں حکام اور امراء کے سامنے گھورتے پر پیدا ہونے والے درختوں کی طرح ہلکی رہتی ہیں اور وہ اس غفلت کو فتح ذلیل کرتے ہیں۔ سوسائٹی کے متعلق اظہار کرنے کے بعد مجھے کوئی بال اس حقیقت کے احترام میں نہیں

کہ ردو شعر نے اپنی پوزیشن کو خود س قابل نہیں بنایا کہ لوگ شاعرانہ عظمت کا اہل خیال
کرتے بلکہ ہمیشہ گریا اور شائبہ گردیا کہ ہم ڈھوں میرا تیوں اور گویوں سے زیادہ اذل ہیں۔
- حج سے چالیس برس پہلے ہندوستان کی مسلم سوسائٹی کا مارے صوبے میں یہ حال تھا کہ
ازدواجی تعلقات کے سلسلہ میں جن محاسن کا مابین سے - البتہ رہتا تھا ان میں سے ایک خوبصورتی
نثار مونا بھی تھا۔ چہر ایک دور آیا کہ وہ اذابد اخلاق خیال کئے جانے لگے جو شعر کہتے تھے اور گوانرات
نہ نہیں مٹے میں لیکن کوئی شک نہیں کہ فضا بہت بدل چکی ہے تاہم سوسائٹی میں بلند سے
بندہ شاعر محض شاعر بننے کی حیثیت سے ازدواجی تعلق کا اہل خیال نہیں کیا جاتا۔

بہارِ جاویدان

سندھ، خان صاحبہ فیضی اور میرہ منظور ولی وارثی

تین سو پوالیس صفحات کی یہ مجلد و حیرت منگوم تصنیف پنجاب کا ڈیم نے شائع کی ہے جس کا کتب خانہ اس میں لاہور کے ترقی یافتہ کتب خانوں سے مضامین کے بارے میں کوئی شک نہیں کہ ہم کی کتاب پنجاب کا ڈیم ہاں بازار اس سے بیک وقت چھل جوستی ہے۔

تقریب بہارِ دواں

مار جادواں کی تعریف جو ان سال و جوان فکر و دہ اور ۴۴ سے ۶۰ یزدوست حضرت
نعمت شیرانی سے تحریر کی ہے جو اپنے بس اور اعلیٰ تاریخ اور ادبیت کے حوالے
نہایت داد کے قابل ہے۔ لیکن نین سو چوبیس صفحات میں ۲۴ صفحات کی یہ تعریف
کتاب سے زیادہ نقد و نظر کی اہمیت رکھتی ہے۔ اور میں کی تعریف مار جادواں پر
میر کی نہاد خیال کرتا ہوں۔ اس انتقاد سے ہرگز متصو د یہ نہیں ہے کہ اپنے دوست
کی تعریف کی جب کہ ان حقائق کو بیان کر دینا نہ جو ان کے قلم سے رہ گئے ہیں
و یا جن سے ان کی ایک صوی خلاف ہے۔
ان صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ ۔

رد میں خیر ل شادی کا غلامتہ سے مغربی دیات کے اثر کا مصیبت

بچے سے تعلیم کے لئے نہ مانا گئی حقیقت اب بحث و محاکمہ کی محتاج نہیں۔

اردو میں "نچرل شاعری" کا آغاز کرنے والا محفل ہستی تھیہ اکبر آبادی کی ہستی ہے اس نے نہ صرف آغاز کیا بلکہ ایک اسکول کی تخلیق کی اور اس کو اس درجہ پر پہنچا دیا جس کو "گمبیل" کا درجہ کہتے ہیں۔ اس نے صرف نظیری ہیچے "بکوارڈ" کی حقیقی "نچرل شاعری" کا "خدا" کہا جاسکتا ہے یعنی تاج محل کی آغوش میں ٹٹے ہوئے مزار کے اندر سونے والا یہ صوفی اپنے وجود کے بعد اب تک پیدا ہونے والے ان شعراء کا جو رنگ جدید اختیار کرتے اور ان میں نئے نئے رنگ بھرنے جائینگے تنہا مسیوے کوئی تاریخ باوجود کوشش اس کے تقدم ورافالقیث کے ارفع ترین درجہ سے کر کر موثر ہر نیا تعلیت کا مرتبہ دینے کی گنجائی نہیں کر سکتی۔

لیکن وہ کیا اسباب وجود ہوئے جن کی بنا پر نظم کو نطاندہ نہ کیا جاتا رہا —؟
اس کی سب سے پہلی وجہ اس زمانہ کے شاعرانہ ذوق کی غیہ سم آئنگی فنی اداریہ کہ اردو
میں اعلیٰ درجہ تناظر بقے سے نظم کو پیش نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ مونی کہ غزل کے مقابلے
میں نظم کی نظم کی تقلید نہیں ہو سکی۔ لیکن جہاں تک شاعری کا ملبہ تعلق ہے وہ
نگر بڑی زبان کے رجحانات اور موثرات سے قبل موصوفی غزل اور ہجہ صورت تکمیل میں
نمود باجگ تھا۔ دعویٰ تبسم کے قابل ہیں کہ نثری ادب کی زوہج سے پہلے اردو
زبان میں ”نظم“ تکمیل کی صورت میں موجود نہ تھی۔ عذر سے پہلے نظم پیدا ہو چکا تھا۔
”گئے جیل کرختہ سانسب نے تر فرمایاے بس کو بڑھ کر یہ تہ جوتی ت کہ۔“

”خائب اصلاح کے بنی مرنے کی حیثیت سے ہر توبہ نرا دم توڑ کا کلام ایک مخصوص توجہ کا غلبہ لگا ہے کیونکہ وہ ہماری جدید تہذیبی کا سب سے پہلا نمونہ و نقشہ اول کی حیثیت رکھتا ہے۔“

یہ تحریر کرنے کے بعد وہ آزاد کی تاحیہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں: "میں نے اس کے منظر نامے کی تشکیل کو مدنظر رکھتے ہوئے میں اس فیصلہ پر آمادہ ہونا چاہیے کہ اردو میں نچرل سٹائی باجید یہ تاحیہ کا سبب بننا و آزاد نے ضرور رکھا۔ مگر سمرتی جی جہ ان کے دست و پاؤں میں نہیں یہ محنت رت نے ایک اور سی بلبر کس کے متعلق لکھا تھا جو جمعیت شاعروں کا اور روح شاعری کا زرداں"

ساق

[illegible]

حالی دونوں نظیر اکبر آبادی کے متعلق اور اگر سچ پوچھئے تو اردو میں نظم نگاری کا بنیادی باخیاں پیدا ہونے کی وجہ نظیر احمد حسن نظیر ہے۔ مولانا حالی مولانا آزاد اور مولوی اسماعیل یہ تینوں بنیاں اپنی اپنی جگہ اردو ادب میں نہایت بلند درجہ رکھتی ہیں۔ اگر ان کے متعلق اختراعیہ کہتے کہ مولانا آزاد اور مولانا حالی نے اسلوب نہیں بلکہ خیال کا انقلاب کیا تو یہ دعویٰ تسلیم کے قابل تھا مگر یہ ہرگز نہیں کہ مولانا حالی نظم جدید کے خالق ہیں۔ بانی اور حقیقی بانی وہی ہے جس کے نام کو اختر شیرانی نہایت قاصبت سے ادبیت کی شہاب بھرتے اور دماغوں کو مست کرتے ہوئے چپکے سے بی گئے مگر حبیب کریم بی جا سے لگی نمایاں ہو گئی۔ یہ تاریخی حقیقت کبھی غلط نہیں ہو سکتی کہ نظیر اکبر آبادی جدید شاعری کا بانی اول اور اپنے رنگ کا بادشاہ تھا۔ آزاد وحالی اور اسماعیل تینوں محترم ہستیاں نظیر کا انھماکے میں جب کسی نور کا پرتو کسی شے پر پڑتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس شے کے ذاتی جوہر بھی گل اٹھتے ہیں۔ چنانچہ نظیر کا پرتو جب آزاد وحالی اور اسماعیل پر پڑا تو ان کی خلائی کے جوہر بھی گل کر رہے اور شاعری کو خلائی رنگ دینے کی جو کامیاب کوشش مولانا حالی و آزاد نے کی اس سے ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ یہ بجائے خود بحث طلب موضوع ہے کہ شاعری کو خلائی بنا دینا فن کے لحاظ سے خطابت کا درجہ دیکھتا ہے یا شاعری کا۔

مولانا حالی کے قیام لاہور کا تذکرہ کرتے ہوئے ہمارے دوست کہتے ہیں کہ:-
"کلام حالی کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ ان عنوانی شاعروں میں بحر خیالات حالی نے کیسے کیسے آباد ہوئی اگلے میں۔ حب وطن۔ برکھارت۔ نشاط امید۔ یہ اردو کی جدید شاعری کے وہ نوظلوع ستارے تھے جو غروب کی تاریکی سے آج تک آشنا نہیں ہوئے۔"

کیونکہ اختر سے محبت ہے اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ امتداد کے معیار صحیح سے گزر کر جذباتی زمین جاؤں اس لئے بہت بچ بچ اور گھٹ گھٹ کر لکھ رہا ہوں لیکن مجھ کو حیرت ہے کہ کلام پر وہ اس ہادی اور اس رہبر کو فراموش کرنے جاتے ہیں جس نے جدید شاعری کی ہدایت دی اور جس کے مجموعہ کلام نے جو انتہائی فرسودگی کا دور ہے انتہائی کے ساتھ ضخیم صورت میں چھپا ہوا اردو کی لائبریری میں پڑا تھا۔ ان عظیم منزلوں کی طرف رہبری کی جس پر آج ہم گامزن ہیں۔

میں سخت تعجب کرتا ہوں کہ حالی کی برکھارت کا ذکر کرتے ہوئے وہ نظیر اکبر آبادی کی شامکار رسالت کو بھولے جاتے ہیں اور بھلائے دیتے ہیں۔ کیا اختر اس باب میں بحث کر سکتے ہیں کہ برسات پر جیسی نظم نظیر نے کہی اس وقت تک اردو میں کسی نے کہی ہے۔ نظیر حقیقی طور پر مصور فطرت تھا اور اس کے زمانے سے اس وقت تک شعر اویں سے وہ حق کسی کو نہیں دیا جاسکتا جس کا حقد نظیر اور صرف نظیر ہے۔ جو اختر صاحب نے اردو کی "نیچرل شاعری" کا اولین دور فرض کیا ہے وہ خیالات کے انقلاب اور تہذیبی لحاظ سے پہلا دور فرض کیا جاسکتا ہے لیکن پہلا دور وہی ہے۔ نظیر اور اس کی کل شاعری سے تعلق رکھتا ہے۔

اپنے خیال میں نظیر کے مزار کے ذرات باقی بھی ہوں اور اگر اختراعی

آگے بڑھتے ہیں اور پورے ایک صفحہ پر حالی و آزاد کے زمانے میں ہندوستانیوں کی مغرب زدگی ادب اور ادب ایشیائی شاعری سے اقتباب پر منحصر نہ فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک عام بد مذہبی اردو شاعری کی طرف سے ملک میں پھیلی ہوئی فحش کوئی شک نہیں مگر ہم ان کو بتانا چاہتے ہیں کہ یہی اوقات بھی تھے کہ شبلی کشیش اور انگریزی شعرا کا مطالعہ نہایت خاموش انداز میں مشرقی شعرا اور خصوصاً اردو شعرا کو محسوس طور پر عرفان کرنے کی دعوت دے رہا تھا اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ غالب کو حیات جاوید ملال ہوئی اور ہر وہ شے جو انہیں نہیں دکھتی تھی انہیں اڑ گئی اور با وزن اشعار اپنے مرکزوں پر قائم ہو گئیں

اس کے بعد وہ اکبر و خیال و نادر کا کردی سرد جہاں آبادی شبلی مولوی اسماعیل میر تقی عثمان کا کردی میر نیرنگ مولوی ظفر علی خاں طالب بنارس کا بیان کرتے ہوئے اس مقام تک آتے ہیں جہاں انہوں نے تیسرا دور قائم کیا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں انہوں نے طالب بنارس کا ذکر کرتے ہوئے نظیر اکبر آبادی کا ذکر سندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے کہ:-

طالب بنارس جی جاد سخن کے بیٹے دیا تھے۔ گو ان کے کلام پر کبھی کبھی نظیر آکر پڑا
کی آزادانہ بولی شولی کا شبہ ہو جاتا ہے۔

یعنی عامیاد "بازاری بولی بھولی۔ یہ جی کیا کم اسان نظیر کی دور جدید اختر نے کیا کہ اس کو جدید شاعری کے متعلق کا ذکر کرتے ہوئے یاد فرمایا اور نہ وہ تو اس مقام پر بھی یاد کرنے کے قابل نہ تھا۔

تیسرے دور میں ان کو صرف ایک قابل ذکر شاعر بقدر تمام مہمل ہو سکا اور اس کا نام چوشش ہے۔

حضرت جوش ملیح آبادی میر سے بے تحلف دوست گہرے مخلص ہم قوم، ہمنہال ہم مزارع، ہم ذوق اور ہم عصر ہیں۔ اور یہ سعادت مجھ ہی کو حاصل ہوئی تھی کہ میں نے اپنے دوست اختر کو محرم چوشش سے متعارف کرایا اس لئے اختہ ہوں یا جوشش فحش انہماں خیال اور امتداد دہی کے سلسلے میں کوئی بات ذاتیات پر موثر نہیں ہوتی چاہئے۔

اس شکایت کے اور کہ انہوں نے حق بعد از رسید کے اصول سے آنکھ بند کر لی میں اس اہتمام کو ایسے مانتے ہوں۔ عمت چکا دینا چاہتا ہوں کہ وہ بعض مسلم القیوت استادوں کو عمداً نظر انداز کر گئے اور جوشش صاحب کے متعلق انہوں نے جو کچھ تحریر فرمایا وہ مجھے معاف فرمائیں اس کے افشاء صاف بتا رہے ہیں کہ تحلف سے کام لیا جا رہا ہے بجائے اس کے کہ:-

"تشریح مناظر کے ساتھ ساتھ تصریح جذبات میں بھی اپنے پیشرو شاعروں کی بہ نسبت کامیابی ت زیادہ قریب ہیں۔

یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ جوشش اپنی شمر نہ خصوصیات جوشش فی الفاظ لکھنی فطرت بخاری اور مذاقی پرشمن ہیں اقبال سے زیادہ کامیاب شاعر ہے۔

تحلف کی کیا ضرورت ہے جری ادب بدعتی پرست اور آزاد ہونو بجانی نہیں دنیا صفحہ مالم سے حق کے پیچھے ہٹنا نام مٹا۔ بنا چاہے تو مشاویئے و دیگر حق کے مرکز سے نہ ہونو

سب سے بڑی عبادت حق پرستی ہے۔ حالی کے ساتھ اکبر اور اکبر الہ آبادی کے ساتھ
سراقبال کو بٹایا ہے لیکن واقعہ یہ کہ اکبر الہ آبادی سے ایک دور قلم جوتا ہے۔ جو منج
سے۔ جو شش اور ان لوگوں پر جن کو دویدہ و لیری کے ساتھ نظر انداز کر گئے۔

پزیشن اُن کی نگاہ میں اقبال کے متبعین کی ہے یا بجائے خود وہ کوئی درجہ جدید شاعری میں رکھتے ہیں؟ ان کے علاوہ بھی بعض شعراء میں جن کی انفرادیت سے بحث کی جاسکتی ہے گریں جزئیات میں الجھ کر وہ جانا پسند نہیں کرتا۔ یہاں یہ واضح کر دینے کی ضرورت ہے کہ اردو کے حالیہ منتقزلین کا اس بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسا کہ خود اختر کی تقریب سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

قوم اور اُس کی تعریف | قوم افراد کے مجموعہ کا نام ہے نہ صرف افراد بلکہ جدید تصور کے لحاظ سے قوم نام ہے ان تمام فرقوں کے مجموعہ کا جو کسی ملک میں بسے ہوں۔ ایران میں مسلمان بھی ہیں ہن میں شیعہ بھی ہیں سنی بھی اور ان کے علاوہ زرتشتی عقائد رکھنے والے پارسی بھی لیکن لفظ قوم کا اطلاق ان تمام فرقوں پر ہوگا جو "ایرانی" ہیں اور حبیب ہم "ایرانی قوم کی" منفرد حیثیت سے بحث کرینگے تو ایران کا ایک ایک فرد بغیر مذہب و ملت ایک "قوم" تصور کیا جائے گا۔

قومی شاعری اور اس کی تشریف
 ان کی شاعریوں پر دب چو لہریں جو اس
 حقیقت کے۔ نت ناسدہ گی نور کے فرس
 ادنیس رہا وہ قومی سلسلہ قومی ایڈ قومی ادب اور قومی مورخ نہیں ہے۔

فردِ پرستِ شاعری | موجودہ دور میں فرقہ پرستانہ شاعری وطنی امن کے لئے تہمت ہے موقع اور غلط چیز ہے اور شاعر کے بند ورجہ پر مشتمل

موتے موتے ”بوپ“ اور ”نفیٰ اعظم“ بن جانا انتہائی درجہ کی ہستی ہے۔ ہمارے قریب آثار بلند درجہ کے خالص شاعر ہیں اس لئے وہ جتنے ہیں کہ شاعرِ مذاہب سے بلند و نتجا ہے اور یہ ساری کائنات اس کے ایک نغمہ ”ہو میں“ رقص کرتی ہے۔ اس کو فرقوں اور افرار کے جھپٹے سے کیا غرض اس کو مذاہب اور کفر و ایمان کی اعتباری و متصور حد بند یوں سے کیا تعلق ؟ وہ تو ایک آزاد فرشتہ ہے کبھی یہاں کبھی وہاں سوسنات میں بھی اس کے لئے وہی جلوہ ہے جو جامع مسجدِ دہلی میں ”ناقص“ سے جو آواز نکلتی ہے وہ اسے اذان معلوم ہوتی ہے اور اذان میں جس کی شناہوتی ہے وہ جوں میں مسکاتا ہوا نظر آتا ہے۔

مجھ کو بنایا جاوے کہ ان دونوں پیغمبروں کو کس درجہ کا مجرم خیال کیا جائے گا جب تمام قوم میں ان کے بغاوت و دہرہ برہی بنائے محاسنت و الودیس کے۔ جس کے نتائج مذہب و آدم اور عالم ثابت ہو سکتے ہیں۔

اقبال اور اس کی خصوصیات | میرے نزدیک کسی شاعر کو پرکھنے کے لئے یہ سکوٹی
فنی معیار شاعرانہ پر معلوم کرنا پڑتا ہے۔ یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ خیال و بیان پر کس درجہ قادر ہے۔
کس کس قسم کے رنگ و فو قلم اس کے سٹیلڈیا میں موجود ہیں۔ اور پھر اس کے نقش
دیکھتے ہوئیں کہ وہ فن کے کس کس کھانے کا وارث رکھتا ہے۔ ؟

کے بعد مذہب کا کوئی درجہ سامنے نہیں آتی نہ ہے جب کہ اجماع کی انتہی ہوئی موج سے بڑھ
 بھی ہوتا ہے اس وقت اقبال کس نگاہ سے دیکھا جائے گا؟ یقیناً اس کا ہر وہ شعر جس میں آج
 مذہب کی پٹھاری سنگتی محسوس ہوتی ہے ذوق کی شاعری کی طرح ہے روح دکھائی دے گا
 تو کیا اقبال اتنا کم عمر ہے؟ — ۹۹

میرا ایمان ہے کہ اس کو اس کا پین سلاک پیغام نہیں بلکہ اس کی شاعری زندہ رکھے گی اس کو
 اس قسم کے مصراعے زندہ رکھیں گے۔

نفسہ روزگار کہ غصہ غریب شد

باوجود اس ملائمت کے جو اس کو شاعر کے درجہ سے کرتی ہے وہ کمال بلند اور جامع شاعر ہے اور الفاظ
 کی ایک خاص قسم کی کم رنگ تراش کی کمی کے اس میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو شاعر میں ہونی
 چاہئیں اور میرے علم میں ہے کہ اس کا سینہ عشق کے شہ و فکر در شہ و دور سے لبریز ہے اور وہ
 روحانی طور پر لٹائیں ہے مانتق ہے مگر کبر کو گھس نے یہ حیثیت مفکر ہندوستانی مسلمان کا علاج
 بھی خیال کیا ہے جو اس کے سختے ظاہر ہوتا ہے اس لئے وہ خود ۔۔۔ (یہ حیثیت طیب
 سنبھل نہیں کر ہوش متلا نہ قدم اٹھاتا ہے۔

اس کی طرح اس کے ہم عصر اہم علم مجتہدین کو بھی صرف ان کی خالص شاعری زندہ رکھنی
 قیادت آج یہ کمنا بہت مشکل ہے کہ کون مجتہد ہے اور کون متبع اور شاعری تیزی سے ارتقا
 کی منزلیں طے کر رہی ہے اور تمام افراد ایک دوسرے سے متاثر ہو رہے ہیں یہ نہیں موجود
 ناخوں سے متاثر ہو رہے ہیں اگر ان میں مزدور کی نمائندگی کرتا ہوں درکل یہ نوزید کو بہت
 متنبہ ہو کر کام کرنا چاہئے دوں بیک زمانہ متاثر ہوئے اور اظہار کیا ہوا کیف و دم کا سوال
 تو یہ اپنی قوت متاثرہ اور اپنا اپنا ذوق ہے جتنا جو محسوس کرے۔

مجھے معاف فرما جائے تو میں عرض کروں کہ آپ کا مجتہد شاعر خود آزاد و روحانی درجہ یہ
 فارسی شاعری کی "مخلوق" ہے، دل اول اس کے کلام میں ولایت کی جنگا۔ یہ جدید فارسی
 شاعری کے مجرہ ہی سے مستعار لی گئی نہ یہ بلکہ بعض مین اور زبان ہیں۔

لیکن بہر حال اس سے بحث نہیں ہے کہ کون کیا ہے بلکہ انداز کے قابل بات یہ ہے
 کہ عدل قائم نہیں رہا۔ اعتقاد کے معنی یہ نہیں تھے۔ کہ ایک کی آبادی کے لئے دوسروں کے گھر
 اجازت سے جائیں ایک کی زندگی کے لئے دوسروں کا گلا گھونٹ دیا جائے لشکر کی گناہیں بھی
 بہت کچھ ہیں لیکن ممنوع کافیاں ہو گئی اور اہل موضوع یعنی ہمارے جادواں پر اندر
 خیال باقی ہے ہر چند کہ جو کچھ میں نے عرض کیا وہ جہاں تقریب پر روشنی ڈال رہا ہے وہاں
 اس کی شاخیں بہار جادواں پر بھی پڑ رہی ہیں۔

بہارِ جادواں

خان صاحب غزلی، امرتسری اور میر منظور محمود ولی کی مشترکہ تصنیف ہے
 پہلا حصہ صفحہ ۲۵ سے ۲۸ تک صاحب کی نظموں اور غزلوں پر مشتمل ہے صفحہ ۲۵ سے ۲۸
 تک نظمیں ہیں اور صفحہ ۲۸ سے ۳۲ تک غزلیں دوسرا حصہ ۲۲ سے شروع ہو کر صفحہ ۳۲ پر
 ختم ہوتا ہے۔ اور یہ ولی صاحب و امینی کی نظموں اور غزلوں پر مشتمل ہے۔

صاحب اور ولی کی شاعری کے متعلق جو کچھ اختر صاحب نے تحریر فرمایا اس سے ہم جا بجا متحدین امرتسر
 متجدد انور شاہ

کے لئے مندرجہ ذیل فقرے کہ :-

وہ امرتسر کہ سحر بخ بہا شاگنہ، دوم

کی روشنی میں حقیقتاً ایک بلند و موسیقی ایک مصحح و شباب در یک ہشت رنگ و بو کی
 حیثیت رکھتا ہے جس کے ہر ذرہ میں احساس و وجدان پرست اور وہ نغمہ از دلوس کے
 لئے ہزاروں رنگیناں! ریح طراز زبان بقیہ میں

یہ تسلیم ہوئے ت میں زار ز موج گل بہت دوسرے زنتار

اختری ادبیت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس کے بعد مآرود ولی کے خلق ذاتی کے سلسلے میں جو کچھ غریب
 گیا وہ روشن حقیقت ہے اور ان کے اہل دل جو نیچے متعلق بھی ہو کچھ اختر نے لکھا ہے: ہمیں بھی ملے گی
 کا فخر حال ہوا ہے پھر ان کی شاعری کے مستحق اور اس کے محاسن کے بارے میں جو کچھ ارشد
 فرمایا اس سے انکار کرنا معصیت ہے۔ لیکن میں نے شروع سے آخر تک ہمارے دوسرے
 معاملہ کیا تو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ذکر اقبال کے تتبع کی حیثیت سے ان حضرات کو اختر صاحب
 جو کرڈیٹ دینا چاہتے ہیں وہ زیادہ ہم نہیں اور میری رائے یہ ہے کہ یہ حیثیت تتبع
 انہیں وہ اس قدر ملنے نہیں جس قدر کہ وہ دوسری حیثیت سے دیتے ہیں۔

میر فیصلہ یہ ہے کہ دونوں تحریر اسلامی نظم نگاری کے لئے پیدا نہیں ہوئے بلکہ نظم نگاری
 اور خالص شاعری کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن پنجاب کے ادباء میں ایک یہ بات
 جہر کر رہی ہے کہ حقیقی شاعری وہ ہے جس میں نہ ہیبت اور اسلامیت ہو اس لئے ان حضرات
 کی سبھی سبھی معلوم ہوتی ہے یعنی یہ سب کے لئے کوئی ان کی شاعری کی تعریف یہ
 یا قومی شاعری میں مخصوص خیال کئے ہیں۔ چنانچہ تقریب نگار نے بھی قومی شاعری پر
 اظہار خیال کرتے ہوئے کافی حد لے لی لیکن جذبات نگاری کا باب چند سطور پر ختم ہو گیا
 ہے اسی طرح منظر یہ شاعری کو بھی قومی شاعری کے متعلق میں کوئی زیادہ اہمیت نہیں دینی
 گئی۔ اس کے بعد اختر نے ان کی غزل پر بہت ہی کم روشنی ڈالی ہے حالانکہ میری رائے یہ ہے
 کہ یہ حیثیت متغزل ہے دونوں ایک درجہ رکھتے ہیں اور ان کی غزل میں کافی غنویت و غیرہ
 پائی جاتی ہے تشنہ دل کے معیار پر ان کی غزل بہت بڑی حد تک درست اترتی ہے اگر
 تشنہ دل میں کوئی انداز ادب پیدا نہیں ہوئی تاہم جو رنگ عام ہے اس میں ثبات و مدت

کافی سے زیادہ موجود ہے۔ یعنی کسی شاعر کو معلوم کرنے کا جو معیار ہو سکتا ہے اس ۲۵

معیار پر گراں کو پر لکھا جائے تو یہ صحیح اترتے ہیں ان کا احساس اپنی جگہ بصادق
 سہی لیکن ان کی سلامی نظموں میں وہ دھارت نہیں پائی جاتی جو قبل کے متبع کا لازمی نتیجہ
 ہونا چاہئے۔ اسی خیال کی بنا پر میر دوسری ہے کہ ہندوستان میں ایک شخص ہی اس
 میں اقبال کا شیع نہیں ہو گا، اقبال کی یہ انفرادیت کی درفشی اس کی نظری خصوصیت ہے جو
 اس کے بندہ مدہبی کا جبکہ ہے جو اس کے قلب روح میں آگ لگائے ہوئے ہے اور وہ اس کے
 کرنے میں اپنی ترکیبات و زبان کی یک نیت و ثبات کے ساتھ اس درجہ شائق و متادہ
 ہے کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ میں ولی اور صاحب کی شاعری کو اس نفعہ سے
 سے نوڈ بکھا ہی نہیں کہ اقبال کے متبع ہیں وہ اس درجہ کامیاب ہیں میں ان کے
 اصلی لباس میں دیکھ کر دوسروں کو ان کی خصوصیات شاعرانہ سے غریب متعارف
 کرنا چاہت ہوں۔

”خودی کو ترک کر دے، بے خود کن و بر“

”خودی کو ترک کر دے، بے خود کون دسکاں ہو جا“

بہت ہی خوب کہاات اور مصرع اولیٰ میں لفظ "سعاد" نے جہان والہ دی ہے۔ لیکن اس قسم کی نظموں کو نظر انداز کر دینے کے بعد دوسری نظموں میں صابر و دلّی اپنی اصل صورتوں میں نظر آنے ہیں۔ صوفیہ کے بعض بہترین نظم ہے جس میں اسلوب - مبالغہ انگیزی اور تاثیر پائی جاتی ہے۔ صوفیہ کے فلسفہ عشق کے عنوان کے تحت دوسرا شعر اپنی بلندی و لذت اور گیرائی کا خود شہکار ہے۔

صاحب کی کہلید نہیں رہا حسرت گناہ..... کی نگین بیادیں، لآلہ سحر، موگرتان، پیام حق، اللہ اس، ایکوادی
حسرت گناہ، جہاد شاعر مجسم، حکیم کس عوار، جہاد شاعر، ظاہر کرنے، پیام میں رہو گئے ہیں..... کی نگین بیادیں

منظوم میں اسلوب "تغزل" اور شعریت پر یہ اتھم پائی جاتی ہے خالص شاعری آ، اور اس کی دنیا نفسی کیفیت ہے۔ اور اس کا پس منظر کشمیر ہے۔ کشمیر کے خالص شاعری کی سنگت میں اس نے عذیباً طاعلاً حسن واکر اور امیر نشا ط باغ کے متعلق ایک خوبصورت کہ سہ
بچہ خاکین جو بچہ د نشا ط و جان نرنگا، دو بچہ عا د نشا ط و فرزند عین کا شاد نشا ط، ماں کا کشمیر امیر بچہ عا د نشا ط
اس کو کشمیر میں یاد آئے نہیں، وگرنہ بچے نہیں مجھے مڑ پائے نہیں۔ اچھا بعد کا بند بھی بہت خوبصورت کہ سہ

دلو کی سیڑیوں کے ساتھ میں ٹھیکر ۴، ۵ دماغ پر ہے تے تاب کا اثر ۶ کشیمز دیاں میں کہ پر یان میں ۷ ۸ ۹ ۱۰ ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹ ۱۱۰ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱

ریت کے بالوں بچے کھینے نہیں شاد اہمیت۔ ہے ہلکے سناں گویا جیچہ کتابت اہمیت۔ ہے گلستان میں کسانہ کھینکے گی کی فریادیں نہ دینا
 ہے التمس۔ بچے صوفی حنا توں انکس کے تسلیت کھٹکا او میں غلام کی قومیت کی ایک ہی ظفر کی گر تیرہ تنہا کی جس میں بہت انجی سس

فيلهم من الواجب فيكم ان تفتخروا بآثار مشرت و در آن مشرت از آيات مشرت گردانستى نقطه نگاه سے ديكهايت نورانيں جوداينكه كاسبعين
سمنات اخلاص سوسن حرم رفونده بود احوال كه در آن مشرت ديوان كه گويي كوتاه است و گويي بلند و گويي مشرت

[illegible]

جنوں انگیزیاں میں میری دینے تمنائیں دل خوشی کہنی جاتا ہے علت ناز و محرابیں

زبان خاموشی سے وسعت و مہول بلاتی ہے .. مجھے احساس کی رنگیں جوانی یاد آتی ہے

دورانِ عشت میں عشت و شتر کی تیر و تند شرب اس طرح بہائی گئی ہے کہ

تیرے بازوؤں کی دھمکی اس کی جی ہیکر جھکے، عشق کے لہجے کے رنگین ہونٹوں پر

جوانی کے مزے ہیں : زندگی کی کھوئی جاتی ہے

تو تین اور لذت ایسی ہے نہیں جسکی تو یوں آسانی سے کر دیکھتے۔ اسی جہت کا آخری بند کر کے

نہ اہم حسن بنے سے فزوں تر نشہ کامی و انگلوں کی شہنشاہی، تاثر کی غلامی ہے

منشی برآریہ منشا بڑھتی جاتی ہے

تمہارے لئے اس شہابی توفیق ہے اگر میں فی جنس نہیں کروں گی میں شک نہیں کہ انسان بے انفعال و دبیجی حادی تہہ مگر

صباہر کی غزل | غزلوں کے بعد صباہر کی غزل پر بھی اس نے فہارِ خیال نگاہیں پڑے۔ کہ بیشبِ غزل گورہ ایک کیسا شبِ عرب۔

مسنے میں: وہ بچہ اپنا لہندہ علم سے باز آئیں تو بھارت میں کیا
 صواب ہے میرے گرم فخر! آخر اس دن کو مجھ میں کیا

قیامت میں محبت کی نغائیں۔ جیسے اُسی نہیں ہے آسمان سے۔ بنیادی نوع کی خوشی جانتے ہیں، خدا کی قسم ہم ہی جانتے ہیں
شکست افغان بیاں ملامت۔ نعمت اس تقابلِ خوبرویاں کیا کہوں۔ بیڑہ دل کو ہر اک تیر مڑہ مغا اب ہے

تصاویر نذر انشیں کی اشکباری دیکھتے ملتے زنجیر آہن حلقہ گر داب ہے
 دامن میں جس کے گلے تلخ شجر باد آئی وراثت کب کشمکش باز و بر یاد آئی۔ دھونڈھنا بھرتا یوں ترے دلوں پر کرم

بھولے ہی گرا انباری سر راوی۔ آج بھٹ کے غاروں میں پڑنے ہیں گہم۔ بھر دشت تری کا کل تر باد آئی
 ہزاراں ہند صاف ہے جسوں : اسانق مشق کی منت کش تقریریں۔ ہر حال مفصل، انداز خلل کے مصنف گزنی

گنجی نش اور وقت کھینچ رہے، قہار اور ولی بھانجے ان کو طبع سارو میں جس میں جو سہ ادب پر غرور مذکور کی طرح کھینچنے کی ہوری اہلیت کھینچ کر نکال رہا، جو ملت، مذہب اور اعزاز کے لئے سہ سہا، اور مال کا کھینچنا نقصان دہ اور بہت کامیاب ہے۔

میں منظور ولی اور ان کی نظم | میں منظور ولی نے یہ کہ ان نوجوانوں میں جس میں جو نام و نمونہ کے جذبے سے محظوظ ہو کر شگری

کی زندگی بسر کرے یہی اس کا کام وقت اور ہے نہ مطلقاً وہی صورت ہی میں گزارنا ہے۔ سناؤ گی اور معذوری کے لڑوئے کی مٹی بدلتی جا رہی ہے۔

نہایت دلچسپی سے اس بات پر غور کرتا ہے۔ جہاں کا ذرہ ذرہ جنگ کی نیند سوتا ہے۔ محبت میرے خوابیدہ قتل کو جگاتی ہے۔

خدا جانے! پھر اس وقت کس کی یاد آتی ہے؟ دوسرے دل کو بہاری یاد رہ رہ کر ستاتی ہے۔ ان کی کامیاب ترین نکل میں خوشی

بیجاہم عمل، پرہیز گاریت، لالہ رخ کی یاد، ناگک، ایسات، ایکٹ گائی، سندھندی ہے۔ بیجاہم عمل میں واقعے

ہندوستانی کو نور ازلہ میں خط کیا ہے اور جب کیا ہے اگر آپ بھی ہنگامہ مشکوک نہ رہے گا تو غلامی کی نصیبت کا دیر و ناربہ کا نو حقیقت و حلالہ کا آخری ہندوئی کے ولی خدایات کا آئینہ دار ہے کہ کہیں فکر کا رانجانی نماز و سٹھان نہ کہ کافر و مسین کا امتحا

دیر در ہمیں بلو کریں لوگ بے نری۔ لالہ رخ و لی کی اختر لہ فائے نظم ہے امیں جو روح ہے وہی دلی کی شاعرانہ انفرادیت ہے۔ نظم چنے چسپ، شیرینی، جذبات اور کیفیت کے لحاظ از اردو زبان میں ایک مخصوص رنگ اور خاصہ دم کھتی ہے۔

آخری بند لاجواب ہے اور توہین و ستائش کا پیش پایا نہیں۔ نہ جواب دہ اسے قدس کے گناہ کو گناہ قرار دے جس کو وحشی کی زبان سے نالہ و فغان کے یہاں

وہس ناوی کی مسودہ نامی مسودہ ناوانی بنی یہی ہے جس میں لارڈ سرکلن جلائی تھی۔ بچے کہنے دیا تھا کہ وہ اس مسودہ نامی کے بعد اس پر ۱۰ فیصد اضافہ کرے گا۔

بہارِ سہیلی اچھی لڑکھو، زنتہ اور بارغی کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے، سندھ خدی کا آخری شوق منظم کو بہت پسند کرو، تاجپور اکلیا وحید پور

چونکہ ایک طرف تو اس کی عمر کم ہے اور دوسری طرف وہ بڑھاپے کا دور رس ہے۔

دول کی غزل | جو لوگ روح و دل کے ساتھ جاوےں، اس طرح سنگ نہیں کہنے ان سے کہہ دو کہ شہزادی کو بھی نہ رنگ دے

وہ دھڑکنے لگا۔ لڑائی کے پہلے ہی اس نے کہا کہ میری کٹی ہوئی شمشیر ابھی تک اس کے پاس ہے۔ وہ اس کے پاس سے اٹھ کر دوڑا۔

اے ولی! کچھ کس مست و سحر کو مہر و بے خبر انا گریاں مجھے کیا یاد نہیں! ترستے ہیں ایدل زندگی کا راز پہنچان

جین جنہوں کی ایک مثال روکپتے :- بچا یا بھوکھ لو یا خوراک جیسے روکے ہوئے غرض کہ جس طرح روکے ہوئے سبجے میں مٹاؤ - الفاظ و بیانیہ مٹاؤ یا کیفیت بڑا کر کہ

ہر پتے کے ان کار وہ بدل کر دکھایا۔ - نیا نفا کے واسطے حاضر ہے یہ گھاؤ لیکن انہیں گلے سے لگایا نہیں ابھی۔
 سچو مڑا شاہیں دی جانتے ہیں کہ آگ کھول ہی آگ کھول میں کیا ہو رہا ہے۔ - یہ اور اسی قسم کے بڑے تعداد و اشعار و قی

کے حضور غل میں ہائے جانے ہیں، بھی جانتا ہے کہ ناظرین کی مضافت میں کئے سب نقل کر دوں لیکن اس ہے!

تمہیں کہو!

۱ فلک پر بادلوں کا اک ہجوم جاٹھا ہے
جہن جہن میں جلوہ گرے دس نوبار ہے

۲ تمہیں کہو کہ میرے دل کو کس طرح قرار ہو؟
جی ہوئی ہیں چارست غمغین شباب کی

۳ تمہیں کہو کہ میرے دل کو کس طرح قرار ہو؟
ہوئے ہیں فیضیاب سب ہی جاندار بچے زبان

۴ تمہیں کہو کہ میرے دل کو کس طرح قرار ہو؟
نشاۃ ہیں غلوں کی داستان عشقی

۵ تمہیں کہو کہ میرے دل کو کس طرح قرار ہو؟
نہاں ہے جو خطا ہوئی تھی وہ خطابی یاد ہے؟

تمہیں کہو کہ میرے دل کو کس طرح قرار ہو؟

۶ نظر فرود جاں فزا سماں ہے کہ ہمار کا
بڑھا ہوا ہے وصل ہر ایک ذکب خار کا

۷ تمہیں کہو کہ میرے دل کو کس طرح قرار ہو؟
تمہارا ایک ایک لفظ حاصل کلام ہے

۸ تمہیں کہو کہ میرے دل کو کس طرح قرار ہو؟
سکون سے نا اُمید اور حشر کو شہ ہے ہی

۹ تمہیں کہو کہ میرے دل کو کس طرح قرار ہو؟
منظر جنوں مجھے دکھا رہی ہے رات دن

۱۰ تمہیں کہو کہ میرے دل کو کس طرح قرار ہو؟
نہ تم نہ کوئی نامہ و پیام اور سلام ہے

تمہیں کہو کہ میرے دل کو کس طرح قرار ہو؟

فضا میں گونجتا ہے غمغم غمغم جو سب کا
میں آبلہ پا جنگلوں کا اوند لالہ زار کا

۷ تمہیں کہو کہ میرے دل کو کس طرح قرار ہو؟
میری شاعری عشق حریف آواز نام ہے

۸ تمہیں کہو کہ میرے دل کو کس طرح قرار ہو؟
نصو رات میں جنوں بدوش ہے ہی

۹ تمہیں کہو کہ میرے دل کو کس طرح قرار ہو؟
دیکھ کے سنبھلے پھرتا رہی ہے رات دن

۱۰ تمہیں کہو کہ میرے دل کو کس طرح قرار ہو؟
نہ تم نہ کوئی نامہ و پیام اور سلام ہے

تمہیں کہو کہ میرے دل کو کس طرح قرار ہو؟

(ضیاء فتح آبادی ایم۔ اے)

سویا ڈاؤ

(ایک شاہکار اخلاقی ڈرامہ)

(جملہ حقوق بنام ادبی مرکز محفوظ)

ڈرامہ نگار

سید طالب علی ایم۔ اے الہ آبادی

مغربی دہ ہندوستانی سماج کا آئینہ

۲۵۷

جس میں ہندوستان کی موجودہ ”ترقی یافتہ“ سماج کے ماحول کو نہایت
خوبی اور کمال کے ساتھ دکھایا گیا ہے اس کے ساتھ ہی جذبات کی اس
کشکش کو نہایت کامیابی کے ساتھ تنگ اور سلیس الفاظ میں بیان
کیا گیا ہے جس کا بیان کرنا اکثر ممکن نہیں ہوتا واقعات کی بیچ و بیچ
کڑیاں جید دلچسپی پیدا کرتی ہیں اور ہندوستانی سوسائٹی کی زندگی کی تصویر
آنکھوں میں پھر کر رہ جاتی ہے۔ سب سے بڑی خصوصیت اس ڈرامہ کا ایک حد
تک قیاسی اور فطری ہونا ہے۔

افراد

نینا

رام

موہن

گجرج

سوہن

محلق قوع

”بیبی“

رام نگر

سویا داہ

(ایک شاہکار اخلاقی ڈرامہ)

اثر خاتمہ: سید طالب علی طالب ایم۔ اے۔ الہ آبادی

سید طالب علی خٹا ایم لے الہ آبادی مجھے اد میں ان کو اُس وقت جانتے ہیں جب ہم دونوں کو عرفان و شعور کی غیر مصحوم ادعائی زندگی نے تباہ نہیں کیا تھا اُس وقت سے تائیں دم ذہنی و علمی ترقی کے بلند و اعلیٰ مدارج طے کرنا ان کے علمی شغف اور ذہانت کی دلیل ہے اور ان کے دوستوں کے لئے فخر و مسرت کا باعث ہے۔ میں نے بہت دن کے بعد ان کا ڈراما سوتا ڈا ہ دیکھا جو ایک بیسٹ و مکمل ڈرامہ ہے اور جس کی دلچسپی کا اندازہ اس حقیقت سے کیا جاسکتا ہے کہ میں نے اس کو اس وقت تک چھوڑا نہیں جب تک کہ گل نہیں پڑھ لیا۔

ہر چند کہ فن کے لحاظ سے اس میں تکمیل کی بہت گنجائش ہے تاہم یہ اپنے کلچر کی وحدانیت، زبان کی سلاست اور جذباتی کشاکش کے لحاظ سے بہت بلند ہے۔ آخری مناظر پر اُسے زنی ممکن ہے لیکن گجراج کا جو سنجیدہ اور مضبوط کیرکٹر طالب نے شروع سے دکھایا ہے وہ ہونے والے اعتراض کو اٹھا دیتا ہے اور پورے ڈرامے میں توازن قائم کر دیتا ہے۔ اس ڈرامے کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا غیر فطری ادبیت سے معرئی ہونا ہے جب یہ حقیقت ہے کہ ہم بات کرتے وقت صحیح زبان بولنے پر قادر نہیں ہوتے اور ہونہیں ہو سکتے تو ڈرامہ میں مین و آسمان کے قلابے ملانا کیا معنی رکھتا ہے۔ خطاب کا صحیح استعمال یہ نہیں ہے کہ آغا حشر کی طرح غیر فطری تقریریں کیرکٹر سے کرائی جائیں بلکہ یہ ہے کہ ایک لفظ ایک صفحہ کی نمائندگی کرے۔ سوتا ڈا ہ میں جابجا ایسے مقامات آتے ہیں اور کوئی شک نہیں کہ ہندوستانی ڈرامہ نگاری کی دنیا میں یہ ایک صحیح قدم ہے جہاں تک آغا حشر مرحوم کا تعلق ہے انہوں نے ڈرامہ کو بہت بڑی حد تک بدلا، لیکن فطرت نگاری صرف ان کے آخری چند ڈراموں میں پائی جاتی ہے اور ایک خرابی یہ ہے کہ شاعری اور خصوصاً استعاراتی رنگت گہرا ہو گیا ہے اتنا گہرا کہ اُس رنگ کی بہار مٹ گئی ہے۔

شاعر کی روزانہ زندگی میں بھی اتنی شاعری نہیں ہوتی جس قدر اُردو ڈرامہ نگار اپنے ڈراموں میں شروع سے آخر تک دکھاتے ہیں واقعات کے صدق و تنوع اور اس تنوع کے اظہار کے سلسلہ میں الفاظ کا بے ساختہ استعمال ڈرامہ نگار کا کمال ہے نہ کہ فحاشی اور یہ کمال نتابض فطرت ہوئے بغیر حاصل ہونا ممکن نہیں۔ اس سلسلے میں طالب صاحب کو مبارکباد دینا گویا یہ کہنا ہے کہ ہیں ان سے اس شاہکار کی توقع نہ تھی۔

شک نہ کر میری خشک آنکھوں پر

یوں بھی آنسو بہائے جاتے ہیں

ساعر نظامی

سوٹیا ڈاھ

(ایک شاہکار اخلاقی ڈرامہ)

آئینہ خانہ

’ فیما بن سچ رہی ہے۔ آئینہ سامنے ہے لنگھا ہاتھ میں ہے کسم ایک سادی

سی ساری اور چہ پہنے ہوئے آتی ہے،
فیما۔ (کسم کا عکس آئینے میں دیکھ کر مسکراتی ہے) کسم آج میں تمہارے ساتھ نہ چل سکوں گی۔

کسم۔ میرے ساتھ نہ چل سکوں گی؟ کیوں، کیا بات ہے، آج تو تاج میں چلے
فیما۔ مجھے یاد ہے (ہنس کر) بتا ہی دوں، موہن سے ملنے جا رہی ہوں
کسم۔ (چہرے پر زردی سی چھا گئی) تم نے تو کہا تھا کہ بس اب ختم ہے

فیما۔ ہاں ہاں۔ میں نے سچ کہا تھا۔ مگر مجھ پر یہ ہے (ٹہل ٹہل کر) بے اُن کے میں
نہیں رہ سکتی، خدا جانتے پرسوں سے کیسے جی رہی ہوں، ذرا سوچو تو پورے
تین دن ہو چکے آنکھیں تر رہی ہیں، سنبھلے کہ کل شام کو تاج ہوٹل میں تھے
اور آدمی رات تک میرے تین کے ساتھ نہ پڑے رہے۔ بس میں ہو چکی، رات بھر جاگتی
رہی۔

(ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر) کاش میں مر گئی ہوتی

کسم۔ (بے رخی سے) اگر گجران صاحب کو خبر ہو گئی تو؟
فیما۔ (رنگا ہن چار کر کے) ہو نہیں سکتی۔ کیسے ہو گی۔ وہ کل صبح آئیں گے، تمہارے
سوا اور کوئی جانتا بھی نہیں۔ میں تڑپ رہی ہوں موہن کے لئے بیتاب ہوں
تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہی نہیں تم کیا جاؤ (دل پر ہاتھ رکھ کر) یہ تو چین
لینے ہی نہیں دیتا۔

(کسم منہ پھیر کر ذرا سا مسکراتی ہے۔ کیا اُس نے کبھی کسی سے

محبت نہیں کی! مگر زبان سے کچھ نہیں کہتی۔)

فیما۔ میں وعدہ کرتی ہوں ابھی ابھی آ جاؤں گی۔ سیدیا جا رہی ہوں، وہاں بالکل

سنا مار رہا ہے اس وقت کوئی نہیں ہوتا۔ کسم تم نہیں جانتیں کہ میں کتنا جاہلی
ہوں، میں اس کے پسینے پر اپنا لہو ہائے کو تیار ہوں۔

کسم۔ اگر صاحب کو خبر ہو گئی تو جانتی ہو کیا ہو گا، پتی جی ہاتھ سے جاتا رہے گا اور
ساری عشرت خاک میں مل جائے گی۔

فیما۔ (بوٹ سے گر دھاڑ کر) مجھے اتنی ہی پرواہ نہیں

کسم۔ (ایک قدم پیچھے ہٹ کر) میں تمہاری جگہ ہوتی تو موہن کے ساتھ کھلے بندوں
گھومنی یہ نہیں کہ سب کو دھوکے میں رکھوں۔

فیما۔ تم ایسا کرتیں؟ ضرور کرتیں مگر نہ میں تمہاری طرح مضبوط ہوں نہ بہادر۔ میں
تو ڈرتی ہوں۔

کسم۔ ڈر۔ کس بات کا ڈر۔ تم ان کو جاہلی ہو وہ تم کو!

فیما۔ (ان سنسن۔ عانت اور محبت ساتھ ساتھ نہیں رہ سکتیں۔ موہن کے پاس ایک
جھنجھی کوڑی بھی نہیں۔ اگر میں قیمتی کپڑوں سے بنی سچی نہ رہوں تو ان کو نفرت سی

ہو جائے گی اور وہ بھی اپنے آرام کی چیزیں محبت کی قدر بالنگاہ پر آسانی سے
نہیں چڑھا سکتے۔ ہم دونوں مجبور ہیں۔

کسم۔ اگر موہن اسی میں خوش ہیں کہ صاحب کی آڑ میں تم سے محبت کی پیٹنگین ہیں
تو وہ الفت کیسی نفرت کے قابل ہے۔

فیما۔ (رگڑا کر) خبردار ان کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکلے۔ میں نہیں سن
سکتی۔ وہ اس بھری پوری دنیا میں سب سے اچھے ہیں (نرم ہو کر) پیاری

کسم۔ معاف کر دو، بے اختیار ہوں، دھمی ہوں۔

کسم۔ (کبھی ہوں بنوں میں کیا کیا کچھ کچھ نہ بچے خدا کرے کوئی
مسکرائے گی کو شش کرتی ہے) تم ٹھیک کہتی ہو۔ مجھے اپنی نہیں تمہاری فکر

ہے۔ تم ابھی سمجھتی ہو کہ یہ طرح محفوظ ہو۔ اب تک یہ معاملہ کئی دفعہ مکمل چکا ہوتا
مگر خیریت ہو گئی، ایک دن صاحب کو یہ راز معلوم ہو کر رہے گا، اس وقت شکرانہ

سے چھوٹا ہوا تیرا پس آئے گا نہ افسوس سے کوئی نتیجہ نکلے گا، تمہیں بتاؤ،
میں کب تک تمہیں بچا سکتی ہوں۔
فیضان۔ (ہاتھ ملتی ہوئی) بس آج کے بعد پھر تمہیں کوئی شکایت نہو گی۔ میں اپنی
عزت کی قسم کھاتی ہوں کہ یہ آخری بالکل آخری موقع ہے۔ میں تمہیں سے
صاف صاف کہہ دوں گی، میں عہد کرتی ہوں ان سے کہہ دوں گی کہ اب
ہم چوری چھپے کسی۔ کسی نہ ملیں گے۔
کسم۔ یہ تو پہلے ہی کہہ چکی ہو۔

فینا۔ (ایک ہاتھ تکیے پر رکھ کر قریب ہو جاتی ہے) ثبوت؟
 موہن۔ (ایک ہاتھ سے لٹاکر بوسہ لیتا ہے) یہ ہے ثبوت!
 (اسٹرینگ بگڑتا ہے گاڑی ادھر ادھر بھونکنے لگتی ہے مگر سبض
 جاتی ہے۔)

فینا۔ مجھے معلوم نہیں۔ میں اپنے حواس میں نہ تھی۔ موٹر الٹ گئی۔ میں نے موہن کو کھینچ کر نکالنا چاہا مگر بوجھ بہت تھا۔
 کسم۔ اور تم چہرہ سرخ ہو گیا؟ ان کو بونہی چوڑ کر جلی آئیں۔ کیا انوکھا پریم ہے فینا۔ میں کہہ کر کیا سکتی تھی۔ تم نے خود ہی کہا تھا کہ صاحب کو معلوم نہ ہو۔ اگر میں رگ جاتی تو ان کو خبر ہو جاتی۔ چلو کسی کو وہاں بھیجیں۔
 کسم۔ یہ حادثہ کس جگہ ہوا۔ وہ کہاں ہیں؟
 فینا۔ تالاب کے قریب۔ ان بھارتیوں کے پیچھے۔
 کسم۔ وہ تو بہت سنائے کی جگہ ہے۔ ممکن ہے گھنٹوں اس طرف سے کوئی نہ آگزرے۔

فینا۔ (ہاتھ مل کر) گاڈیں کیا کروں؟
 کسم۔ میں جاتی ہوں۔ تم جاؤ، اپنے آپ کو سنبھالو، چور دروازے سے جانا۔
 فینا آندھ کٹی کی طرف جاتی ہے اور کسم بھارتیوں سے ہوتی ہوئی تالاب کی طرف جاتی ہے اندھیرا سا آواز دیتی ہے۔ موہن صاحب موہن صاحب۔ موٹر ایک طرف الٹ گئی تھی اور موہن بچے دبے ہوئے۔
 کسم۔ موہن صاحب
 موہن۔ (آنکھیں کھول کر) کسم بائی۔ آپ یہاں تک کیسے پہنچ گئیں؟
 کسم۔ فینا نے پتہ بتا دیا تھا۔
 موہن۔ فینا۔ وہ ڈر گئیں۔ صاحب بڑے ظالم ہیں۔
 کسم۔ اگر میں موٹر کو ذرا اٹھا دوں تو آپ نکل آئیں گے۔ سارا بوجھ آپ کے دلہنے ہاتھ پر ہے۔

موہن۔ (دھشت زدہ ہونے کے ساتھ) بڑی ٹیس ہو رہی ہے۔ مگر فینا تو ابھی ہیں۔
 کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟
 کسم۔ وہ ابھی ہیں کہیں چوٹ نہیں آئی۔
 موہن۔ میں خوش ہوں۔ بڑی خبریت ہوئی۔ اگر آپ اک ذرا سی مدد کیجئے تو۔
 (کسم نے پورا زور لگایا پسینے میں ڈوب گئی مگر موٹر ٹس سے سنائی)
 موہن۔ دیکھئے بائیں طرف والے جیک کو ذرا سا دبا دیجئے تو کام چل جائیگا۔
 (کسم نے جیک دبا یا تو برائے نام موٹر کا بوجھ کم ہوا موہن نے درد کو ضبط کرنے کے لئے اس زور سے ہونٹ کاٹے کہ خون نکل آیا۔ ان میں ڈابھی نہیں ہل سکتا۔)

کسم نے بغلوں میں ہاتھ دے کر کھینچا۔
 موہن۔ پوری طاقت سے کھینچئے اگر کوئی چیز ہڈوں تو خیال نہ کیجئے گا۔
 کسم۔ میں کھینچتی ہوں کوئی تکلیف پہونچے تو معاف کیجئے گا۔
 (کسم نے موہن کو باہر کھینچ لیا۔ کان خاموشی ہو گئی)
 موہن۔ بس یہ ہاتھ جھول گیا ہے اور کچھ نہیں ذرا سا سہارا دیجئے تو میں اٹھ کھڑا ہوں۔

کسم۔ میرے کھینچنے سے تکلیف تو نہیں ہوئی
 موہن۔ خطا تو میری ہی تھی۔ ہاں ہاتھ تو دیجئے۔ میں ذرا ڈرتی ہوں مگر۔

کسم نے سہارا دیا۔ موہن بڑی شکل سے اٹھا تو مگر تیرا لڑ گیا
 موہن۔ یہ ہاتھ غالباً ٹوٹ گیا ہے۔ جھکوان کا شکر ہے۔ بلا ٹل گئی۔ ممکن تھا کہ ہم دونوں زخمی ہو گئے ہوتے۔

کسم۔ موہن صاحب۔ مجھے مدد دلانے کے لئے یہاں سے جانا پڑے گا۔ ممکن ہے سڑک پر کوئی آئے جلنے والا مل جائے

(موہن بول نہ سکے صرخت سر ملادیا)

کسم کچھ دور گئی تھی کہ موہن نے کہہ ڈرا آواز سے پکارا۔ کسم بائی

کسم نے واپس آ کر پوچھا۔ فرمائیے؟

موہن۔ فینا تو ابھی ہیں۔ کسی کو خبر تو نہ ہو گی۔

کسم۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ کسی کو خبر نہ ہو گی

موہن (تسلی کی آہ کھینچ کر) اگر فینا بدنام ہو گئی تو میں منہ دکھانے کے قابل نہ ہوں ساری خطا میری ہی تھی۔ وہ بڑی بھولی ہے۔ اسے خبر ہی نہیں کہ دنیا کیسے بڑی ہے اور دنیا والے کتنے بڑے ہیں۔ مگر جب آپ وعدہ کرتی ہیں۔
 کسم۔ کسی کو خبر نہ ہو گی۔

(موہن کا سر شانے پر ڈھک گیا اور کسم دوڑ کر سڑک پر آئی۔ وہ ہانپ رہی تھی اور دھشت دیکھ رہی تھی کہ ایک سیاہ سی چیز تیزی سے آئی ہوئی دکھائی دی کسم نے بچ سڑک پر کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھایا موٹر رک گئی)

موٹر والے نے بگڑا کر کہنا شروع کیا۔ کیا بات ہے کیوں رگ

(مگر خود ہی رگ گیا) فینا کے بتی گھر آج صاحب موٹر میں تھے

کسم کے ہوش اٹ گئے سنبھل کر کہنے لگی بھارتیوں کے ادھر

تالاب کے کنارے ایک حادثہ ہو گیا ہے موٹر الٹ گئی۔ وہ

زخمی ہو گئے۔ جلدی چلئے بہت جلدی۔

گجراج صاحب (دروازہ کھول کر باہر کو دپٹے) حادثہ! ساہر۔ کیوں کر؟

کسم۔ موہن صاحب پر۔ موٹر الٹ گئی۔ وہ دب گئے تھے۔ جلدی چلئے۔

گجراج صاحب نے نوکر کے کہا موہن صاحب دو میرے ساتھ آؤ۔ تینوں چلے

گجراج (چانک) تم کو کیسے ملے کیا وہ اکیلا تھے؟

کسم۔ (گھبرا کر) نہیں۔

گجراج۔ اکیلے نہ تھے؟ ان کے ساتھ کون تھا؟

کسم۔ (کانپ کر) میں تھی۔ ہم دونوں بہت دیر سے ساتھ تھے۔ بیک آف آ گئی

غالباً بیک خراب تھے۔ موٹر باندھ لے کر الٹ گئی۔

گجراج۔ آپ کے چوٹ نہیں آئی۔

کسم۔ میں اچھل کر گھاس پر جا رہی۔ نام کو بھی چوٹ نہیں آئی۔ آئیے ادھر سے چلئے

پگڈنڈی پر ایک ساتھ دو نہیں چل سکتے تھے۔ کسم راس نہ دکھانے کے

بہانے دوڑتی ہوئی موہن کے پاس پہونچی اور دوڑا تو ہو کر کہنے لگی۔ میں نے کہہ دیا

ہے کہ آپ کے ساتھ میں تھی کوئی اور نہ تھا۔ آپ سمجھ گئے۔ گجراج صاحب بہت

ہیں۔ آپ سمجھ گئے کہ نہیں؟

موہن۔ ہاں سمجھ گیا!

کسم اٹھی ہی تھی کہ گجران صاحب بھی آگئے

گجران نے موٹر کو سرسری طور پر دیکھا اور کوئی چیز جیب میں رکھ لی پھر کہنے لگے۔ خوب یہ تم نے کیا کیا۔ زیادہ زخمی تو نہیں ہوئے؟
 موہن بچے خبر نہیں۔ صرف دہانہ ہاتھ ٹوٹا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ حرکت کرنے میں جھلک ہوتی ہے
 گجران اگر تم سڑک تک چل سکو تو میری موٹر موجود ہے۔ وہ بہت بڑی ہے۔ یہاں تک نہیں آسکتی۔

موہن کے پیرے پر رُخ دینی سی چھانی ہوتی تھی شو فرادر گجران نے سہارا دیکر کسی طرح موٹر تک پہنچا یا اور پھلی سیٹ پر بٹھا دیا۔
 گجران چلے سیدھے ڈاکٹر کے پاس چلیں کسم بانی۔ تم پہلو میں بیٹھا جاؤ زخمی ہاتھ کو سہارا دینے رہو۔ گدے لگا دو
 ہسپتال۔

موٹر بہت دھیرے دھیرے چلی موہن بھی طور پر مضبوط کرنا رہا
 مگر بار بار چہرہ بگڑتا تھا اور ہلکی لڑاؤ منہ سے نکل جاتی تھی
 ہسپتال کے سامنے پہنچ گئے۔ لوگ آئے موہن کو اسٹریچر پر اٹھائے گئے۔

کسم۔ میں دوڑی ہوئی آند کٹی جاتی ہوں۔ فیذا میرے لئے پریشان ہوں گی۔
 گجران۔ (طنز سے) جیسا جی چاہے۔ میں بھی انتظام کروں تو آتا ہوں
 کسم۔ کیا آپ کے خیال میں چوٹ بہت سخت ہے۔
 گجران۔ میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔

فیذا۔ دوا سے ہی پر تھی کسم کو دیکھتے ہی ڈر پڑی۔
 کیوں پیاری وہ کہاں ہیں۔ کیا ہوا، تمہیں اتنی دیر کیوں لگی؟ میں کانپ رہی تھی۔
 کسم۔ کانپنے کی کوئی بات نہیں۔ گجران صاحب آگئے تھے۔ وہی ہسپتال لیگے ہیں۔

فیذا۔ گجران! تم نے ان سے کیا کہا؟
 کسم۔ مجھے جھوٹا جھوٹا بولنا پڑا میں نے کہا کہ میں موہن کے ساتھ تھی۔
 اور میں اچھل کر گھاس پر گر گئی تھی اور مجھے چوٹ نہیں آئی۔
 فیذا۔ (ذرا سی خاموشی کے بعد) اگر گجران کو کبھی بھی یہ راز معلوم ہو گیا تو وہ بگھے مار ڈالے گا۔

کسم۔ (خفا ہو کر) اگر تم اپنی بیوقوفی سے خود ہی نہ کہہ دو گی تو صاحب کو یہ راز کبھی نہ معلوم ہو گا بس اب سنبھل جاؤ۔ صاحب آتے ہی ہوں گے کپڑے بدلواں سوار۔

فیذا۔ اچھا۔ اچھا۔ مگر میں بہت ڈری ہوئی ہوں۔
 کسم۔ تم تیار ہو جاؤ تو ہم دونوں سڑک تک چل کر صاحب کا استقبال کریں۔
 سڑک۔

فیذا جھٹ پٹ بن سنور کر آگئی اور دونوں سکرائی ہوئی سڑک تک آئیں
 گجران صاحب آئے مگر کچھ ہوئے انہوں نے بوسہ تک نہیں لیا۔

فیذا۔ کیسی مصیبت آگئی۔ کسم ابی اور موہن۔ کیا ان کو زیادہ جھوٹ تو نہیں آئی۔
 آپ نے کیا انتظام کیا؟

گجران۔ دہانہ ہاتھ جھل گیا ہے۔ میں ابھی ابھی ہسپتال میں داخل کر کے آ رہا ہوں
 (کسم سے) وہ کہہ رہے تھے کہ تم نے جان بچائی موٹر کے پیچھے سے نکالا۔
 کسم۔ جو کچھ موہن صاحب نے کہا وہی میں نے کیا۔ شکریہ نیا دہ خرابی نہیں آنے پائی۔
 گجران۔ اب اور کیا ہوتا۔

فیذا تنگ۔ دوم
 (میںوں آدنی آند کٹی میں آئے ڈرائنگ روم میں پہنچ کر گجران نے کہا۔ خیریت۔ ہوئی کہ تم کسم بانی کے ساتھ نہ تھیں ورنہ جلے کیا ہوتا)
 کسم۔ کیوں۔ مطلب کیا ہے؟
 گجران۔ (دھنکڑا) کچھ نہیں۔ یہی کہ تم ڈر کر کو دے کی کوشش کرتے کسم بانی۔ میں تو سمجھتا تھا کہ تم کو موہن سے نفرت ہے۔ تم تو ہمیشہ ان سے بچی رہتی تھیں یہ آج کیا ہوا؟
 کسم۔ (شرم سے کٹا گئی) نفرت۔ نہیں تو ڈھکیب مشکراہٹ سے (وہ مجھے سیر کیلئے بہت کم پوچھتے ہیں۔ مگر انہوں نے کہا میں چلی گئی۔)

کھانے کا کمرہ
 (شام کے کھانے کی گھنٹی بجی۔ تینوں جا کر بیٹھ گئے۔ بالکل خاموشی ہی، ہر ایک اپنے اپنے خیال میں کھو ہوا، فیذا کی نگاہوں میں بار بار شام کا عادیہ پھر رہا تھا، گجران کا واہمہ بھی کبھی موہن کو فیذا کے پہلو میں دیکھنا کبھی کسم کو۔ کسم بھی چپ تھی اور بار بار کانپ اٹھتی تھی۔)

کھانا ختم ہوتے ہی دونوں جانا چاہتی تھیں کہ صاحب نے کہا۔
 ذرا ہسپتال میں فون دیکر موہن کی خیریت پوچھنی چاہیے۔
 کسم۔ (ذرا سی خاموشی کے بعد) مجھے خبر معلوم ہے میں جاتی ہوں۔ چلی گئی
 صاحب۔ فیذا ادھر آؤ۔

فیذا ناز و انداز سے اٹھاتی ہوئی مگر۔ ٹک رک کے بدن پرانی رہی۔ جھٹ جھک کے قدم اٹھاتی آئی۔
 صاحب (طنز سے ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے) تم مجھے وقت سے پہلے دیکھ کر اسی خوش نہیں ہوئیں۔

فیذا۔ اور تم۔ تم نے تو آج بوسہ بھی نہیں لیا
 صاحب۔ بو۔ نہیں لیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم میرے بوسہ کی تمنائیں تمہیں لاوازیں سختی تھی مگر دل چین تھا۔)

فیذا پہلے تو اپنا ہاتھ ملتی رہی پھر بڑی مشکل سے جھک کر ایک بوسہ لے لیا اور ناز سے کہنے لگی، اب میرا شکریہ ادا کر دو۔ گجران نے بیچ کر لیٹاں۔ (بوسہ لیکن کاش تم مجھے سے محبت کرتی ہوئیں۔ اکہ ذرا سی سہی (آواز گلو گلو گیر ہو کر) پھر اس بڑی طرح شادیا کہ فیذا کے بول سے آہ نکل گئی۔

اتنے میں کسم آگئی۔ "نرس نے بتایا کہ ہاتھ جھول گیا ہے مگر پریشانی کی بات نہیں ہے"

کسم نے دیکھا کہ اگر فینا کچھ دیر اور اندر رہی تو بہوش ہو جائے گی۔ کہا: فینا سٹا باہر کھڑی ہوئی انتظار کر رہی ہے۔ فینا باہر کی طرف چلی کسم بھی مڑی ہی تھی کہ صاحب نے کہا:۔

کسم: تم ابھی نہ جاؤ مجھے دو دو باتیں کرنی ہیں۔ بیٹھ جاؤ۔

صاحب نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اور حرا ہر ٹہل کر غوڑی دیر کے بعد۔ نم جاتی ہو کہ میری نگاہ میں تمہاری کتنی عزت اور کتنی قدر ہے؟

کسم: (خاموش رہی)

صاحب: مگر میں جیسی ہوں، آدمی نہیں۔ میری سنگت بہت مشکل ہے، میرا کوئی دوست نہیں، کوئی ہمدرد نہیں۔ مگر جانے کیوں میں ہمیشہ تنہا ہوتا رہا ہوں۔ رہا (اور قریب آکر) میں نے ہمیشہ تمہارا اعتبار کیا اور تم پر بھر دوسہ کرتا رہا!!

کسم اب بھی خاموش رہی۔

کیا یہ سچ ہے کہ جب موٹر والا حادثہ پیش آیا تو تم توہن کے ساتھ تھیں۔

کسم: سچ سچ بتاؤ۔ تم سیم صاحب کی سپرینٹنڈنٹ تھیں۔

کسم: (گھبرا کر) نہیں نہیں۔ میں ہی تھی۔ آپ خود موہن صاحب سے پوچھ لیجئے۔

صاحب: اس معاملہ میں موہن صاحب کا بیان میرے لئے کچھ ایسا تسلی بخش نہ ہوگا۔

کسم: مگر میرا بیان؟

صاحب: آج سے پہلے مجھے تمہارے کسی لفظ پر کبھی کوئی شبہ نہیں ہوا

کسم: شکریہ (دکری سے اٹھ کر) اب اجازت ہے میں جاؤں؟

صاحب: ایک منٹ اور (جیب سے کچھ نکال کر) اگر تمہارا بیان سچا ہے۔ تو عجیب آواز سے، اگر موہن کے پاس تمہارے سوا اور کوئی نہ تھا تو پھر ان کی سوئچ میں اس کا ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟

کسم: (دوسرے ہیر تک کانپ گئی) یہ میرا بیگ ہے۔ فینا نے کل ہی مجھے دیدیا تھا

صاحب: (نفرت خیز لہجے میں) یہ تو فینا کو بہت محبوب تھا۔ میں حیران ہوں کہ۔

کسم: مگر آج صاحب۔ اب خاموش نہیں رہ سکتی۔ آپ بلا وجہ اُدھیر بن میں ہیں۔

بال کی کھال نکال رہے ہیں تو سن لیجئے۔

(صاحب کی آنکھوں میں ایک ہلکا سا ہنس تھا)

کسم: میری سنگتی موہن صاحب کے ساتھ ہو چکی ہے۔

مگر آج صاحب گھر آکر پیچھے ہٹ گئے

تمہاری سنگتی۔ موہن کے ساتھ!

کسم: آپ کو کوئی خاص خوشی نہیں ہوئی۔ فینا عرصہ سے جانتی تھیں اور خوش تھیں

صاحب: فینا جانتی تھیں؟

کسم: ہاں۔ میں نے ہی بتایا تھا۔ (غوڑی سی خاموشی) کم سے کم مجھے مبارکباد تو دیجئے۔

کسم: میں خود اپنی مختار ہوں۔ چلی جاتی ہے۔

ہال

(فینا پہلو والے بڑے کمرے میں انتظار کر رہی تھی)

فینا: صاحب نے کیا کہا۔ وہ آج بہت مشکوک سے تھے۔ کیا باتیں ہو رہی تھیں

کسم: زیادہ میں ہی بولتی رہی۔ وہ مشکوک تھے (بیگ کو اونچی کر کے) یہ موٹر میں ملا تھا۔ بیگ پر نگاہ پڑنے ہی فینا ٹرپ اٹھی تب تو وہ سمجھ گئے ہنگے ضرور سمجھ گئے ہوں گے۔

کسم: مجھے کہنا پڑا کہ تم نے یہ بیگ مجھ کو دیدیا تھا۔

فینا: ان کو ہر گز یقین نہ آئے گا وہ جانتے ہیں کہ یہ بیگ مجھے بہت محبوب تھا۔

کسم: (منہ پھیر لیا) دوسرا جھوٹ بھی بولنا پڑا۔ مجبور تھی۔ کہنا پڑا کہ ہم دونوں کی سنگتی ہو گئی ہے۔

فینا: کسم!

کسم: بچنے کی اور کوئی صورت تھی ہی نہیں۔ اس وقت صرف یہی ایک شکل دکھائی دی

فینا: صاحب کو یقین آگیا۔

کسم: صاحب نے مجھے مبارکباد دی۔

فینا: (کسم کی گرفت سے الگ ہو کر) اور اب کیا ہونے والا ہے

کسم: میں نہیں جانتی مگر موہن صاحب کو خبر دینی ہوگی۔ غالباً وہ خفا نہ ہوں گے۔

سمجھ جائیں گے۔ میں نے صاحب سے کہہ دیا ہے کہ تم اس راز سے واقف ہو۔

فینا: (ایثار دمال اس طرح مرد رہی تھی گویا پھاڑ ڈالے گی) موہن کو سخت تکلیف ہوگی۔

کسم: (چہرہ سرخ ہو گیا) مجھ سے زیادہ نہیں۔ اور پھر قصور میرا نہیں انہیں کا

بت۔ انہیں کو تمنا ہے جھگڑنا پڑے گا۔

فینا: اور ان سے کچھ کا کون؟

کسم: میں لکھ بیچوں گی۔

فینا: کاش محبت ملاقات ہو جاتی۔

کسم: ناممکن ہے۔ ذرا میری حالت دیکھو۔ اگر صاحب کو میرے جھوٹ بولنے کی خبر ہو گئی تو قیامت ہو جائے گی۔ صاحب نے کہا تھا کہ میرا اعتبار کرتے ہیں

فینا: تم حور ہو کسم۔ مگر دیکھو ہنسو نہیں مجھے سو تیار ڈاؤں کی جاتی ہے۔ لوگ سمجھیں گے کہ موہن کو تم سے محبت ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ تم کو ذرا بھی نہیں چاہتے

کسم: جب تم جانتی ہو تو پریشانی بیکار ہے۔ مگر دیکھو اب میرے صبر کا پیمانہ بھی چھلکنے ہی والا ہے۔ میں اپنی موت اور بچائی کئی دفعہ قربان کر چکی ہوں

اگر اس قسم کی پھر کوئی بات ہوتی تو۔۔۔

فینا: اگر مگر کبھی ایسی بات ہوتی تو میں موہن کے ساتھ نکل جاؤں گی۔ پیارے موہن

کسم: ذرا ہوش ہو! فینا۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ ورنہ ساری باتیں حل جائیں گی۔

فینا: تم نہیں جانتیں۔ محبت بڑی بلا ہے۔

کسم: پھر کہتی ہوں سنبھل جاؤ۔

فینا۔ اچھا تم خط لکھ دو میں کسی ہاتھ ابھی اسپتال بھیجے دینی ہوں۔
کسم۔ تم فوراً اپنے کمرے میں جاؤ۔ صاحب کو خیال ہو گا کہ ہم لوگ کہاں ہیں کیا کر رہے ہیں۔

کسم کا کمرہ

صاحب کا کہیں پتہ نہ تھا کسم بانی اپنے کمرے میں گئی اور لکھنے بیٹھی۔ بڑی شکل سے لکھا
”موہن صاحب“

آپ جانتے ہیں کہ گجراج صاحب بڑے شکی ہیں۔ وہ بال کی کھال نکالنے لگے تو میں مجبور ہو گئی پریشانی میں اور کچھ نہ سوچی کہہ دیا کہ میری منگنی آپ کے ساتھ ہو چکی ہے۔ یہ کہنے ہوئے میرا ہاتھ کانپ رہا ہے۔ جھوٹ اور سفید جھوٹ۔ مگر آپ سمجھ جائیں گے اور معاف کر دیں گے۔ میں کل صبح کسی وقت آؤں گی۔

”کسم“

کسم نے دو دفعہ اپنا خط پڑھا۔ جاؤب سے خفک کیا الفانیہ پر پتہ نکلا اور فینا کے پاس آئی۔ وہ اپنے کمرے میں حیران پریشان تھیں رہی تھیں

فینا کا کمرہ

کسم۔ میں نے خط لکھ لیا ہے۔ یہ لو۔ ابھی بند نہیں کیا۔ میں سمجھی کہ شاید تم بھی بھیجنا چاہو۔
فینا۔ ضرور۔ لاؤ دیکھوں خط پڑھکر۔ موہن کو نفرت سی ہو جائے گی۔ میں ابھی سمجھتی ہوں۔ اسی کے ساتھ اپنا خط بھی رکھ دوں گی۔

ڈرائنگ روم

صبح کے آٹھ بجے۔ ناشتہ کا کمرہ
صاحب۔ فینا رات کو بہت کم سوئیں۔ اس وقت آرام کر رہی ہیں۔ مجھے اسپتال کی طرف سے گزرنے پڑا۔ اگر تم پسند کرو تو میرے ساتھ چلی چلو۔

کسم۔ شکریہ۔ چلی چلوں گی۔
صاحب۔ موہن صاحب نہیں دیکھ کر خوش ہو جائیں گے۔ کل رات کو درد کی تکلیف رہی ہو گی۔

کسم۔ کیا بہت چوٹ آگئی ہے؟
صاحب۔ ہاں آئی تو ہے۔

دو دنوں میں موہن بڑھ کر اسپتال پہنچے صاحب نے کہا۔ میں اس وقت جلدی میں ہوں۔ جاتا ہوں آدھ گھنٹے میں آ جاؤں گا۔ موہن کی جانگاہی

ہسپتال

دراڑ

کسم بہت پریشان تھی۔ کمرے کے سب پردے بند تھے۔ ایک طرف سے آواز

آئی۔ کسم؟
کسم۔ (قرب ہو چکر ایک کرسی پر بیٹھ گئی) اب تو بہت آرام معلوم ہوتا ہے۔
موہن۔ رات بہت بڑی طرح گزری مگر یہ تو آگ کہتے ہیں کہ جلد اچھا ہو جاؤں گا۔ آپ کی تکلیف کا شکریہ۔

کسم۔ نہیں تکلیف کسی۔ یہ تو میرا فرض تھا۔ کیا آپ کو آپ کو میرا پتہ مل گیا تھا؟
موہن۔ (شک سے خط نکال کر) آپ جو ہیں سب مجھے بڑی مذمت ہے۔

کسم۔ میں ڈر رہی تھی کہ آپ ناخوش نہ ہو جائیں
موہن۔ ناخوش رہنے پھر کرنا بھگوان کی لاکھ لاکھ وایت کہ بات زیادہ بگڑنے نہیں پائی میں کسی پر الزام نہیں رکھتا۔ سراسر غلطی میری ہی تھی۔ میں کبھی آپ کے احسان سے ہلکا نہیں ہو سکتا۔ آپ نے ہم دونوں پر بڑی مہربانی کی۔ مگر آپ مجھے پورا شیطان سمجھتی ہوں گی

کسم۔ دوسری باتیں کیجئے
موہن۔ آپ نے لکھا ہے کہ گجراج صاحب کو یقین ہو گیا ہے
کسم۔ (مسکرا کر) ہماری منگنی کا حیلہ چل گیا۔ بناوٹ نے اصلیت کا جامہ پہن لیا
موہن۔ اب آپ مجھے بے تکلفی سے صرف وہیں کھڑا کرنا چاہئے
کسم۔ (تیوریوں پر بل ڈال کر) نہیں یہ ضرور ہی نہیں۔ یہ چال بہت دونوں تک نہ چلی جائے گی اور نہ میں چاہتی ہوں کہ آپ

موہن کی سوتی سی نگاہیں تھوڑی دیر کسم کے چہرے پر جمی رہیں۔ جب اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو ایک جڑاؤ انگوٹھی اس میں چمک رہی تھی۔
یہ میری ماں کی تھی۔ ممکن ہے آپ کی انگلی میں نہ آئے کچھ بڑی ہو مگر آپ پہن لیجئے تو۔۔۔۔۔

کسم۔ (آنکھوں میں آنسو چمک گئے) میں نہ پہنوں گی۔
موہن۔ میری عزت بہت بڑھ جائے گی۔

کسم نے انگوٹھی تو پہن لی مگر بس پڑی۔ یہ تمام باتیں بڑی مضحکہ خیز ہیں۔
بڑی نفرت انگیز خاص کر ہمارے لئے جو اصلیت سے واقف ہیں وہ انہی اور بے چین ہو کر ٹپکنے لگی۔

موہن۔ یہ تو صرف حیلہ ہے اور کچھ نہیں ایک دو ہفتے میں تمام باتیں ختم ہو جائیں گی۔
آہ۔ آہ۔

کسم۔ (واپس آکر) کیا بہت درد ہے۔
موہن۔ ہاں درد ہے میں نے کہا تھا کہ اب گھر جاؤں گا۔ مگر ڈاکٹر کہتا ہے دو ایک دن ابھی اور رہنا ہو گا۔ امید ہے کہ آج بجا صاحب دیکھنے آئے ہوں گے۔

کسم۔ آپ کے بھائی۔ تو اب مجھے جانا چاہیئے۔
موہن۔ وہ کہیں دو بجے تک آئیں گے۔ میں آپ کا تعارف ان سے کرانا چاہتا ہوں۔

یہ کہا مگر دیر سے درد مضبوط کرنے کرنے ٹھنک چانکی وجہ سے آنکھیں بند ہو گئیں۔
آدھی نیند آدھی غشی چھا گئی۔ یکایک دروازہ کھلا اور گجراج صاحب آئے۔

تیزی سے چلی مگر فینا موٹر کی آواز سن کر اپنے کمرے کے سامنے نکل کر
تھل تھلی تھی۔

فینا کے کمرے کا براآمدہ

موہن کیسے ہیں؟
آرام تو معلوم ہوتا ہے مگر کہتے تھے کہ رات بے چینی میں گزری
(دو دنوں کمرے میں آئیں)

کسم کا کمرہ

فینا - انہوں نے مجھے پوچھا تمہارے خط کے لئے کیا کہا؟
(کسم نے بڑی احتیاط سے منہ پھیر کر اپنی ساری بدلی) انہوں نے
تمہاری خیریت پوچھی وہ مضطرب تھے کہ تم صاحب کی مشکوک نگاہوں
سے محفوظ رہو۔

فینا - اور تمہارا خط۔
کسم - کچھ زیادہ نہیں کہا مگر سمجھ گئے کہ میں مجبور تھی اور کوئی تدبیر نہ تھی۔ میرے
شکر گزار ہو۔

فینا - میرے لئے کوئی خط دیا ہے؟
کسم - نہیں۔

فینا - (مایلوس ہو کر) کیوں - کیا وقت نہیں ملا؟
کسم - نہیں - جب میں وہاں سے چلی تو گجراج صاحب موجود تھے۔
فینا - (ریکا ایک شہرینی کی طرف غرا کر کسم کا بایاں ہاتھ پکڑ لیتی ہے) تم موہن
کی انگوٹھی پہنے ہوئے ہو؟

کسم - موہن صاحب نے اصرار کیا میں کہتی رہ گئی کہ اس کی ضرورت نہیں ہے
فینا - (گو یا سنا ہی نہیں) یہ اس کے ماں کی ہے - میں نے کہا کہ وہاں ہینگر
دیکھو تو کہنے لگے کہ ان کو ایک سکندھی اس انگوٹھی کا جدا کرنا گوارا

نہیں ہے (منہ دھانپ کر سکیاں بھرنے لگی) یہ چالیں مجھے لوٹ
لیں گی - رفتہ رفتہ وہ تمہارے ہو جائیں گے - اور مجھے بھول جائیں گے۔
کسم - ہوش کے ناخن لو، میں تو صرف تمہارے لئے مری مٹی جا رہی ہوں
اور اس کا صلہ تم یہ دے رہی ہو - تمہارے دل میں موہن کی محبت کی
کوئی قدر نہیں کیا وہ اتنی جلد بدل سکتا ہے؟ ذرا آئیے میں نو دیکھو کہاں
تم کہاں میں!

فینا - (آئینہ میں دیکھا کر مسکرا دیتی ہے) ڈر صرف اس بات کا ہے کہ لوگ اتنی
سی بات کو افسانہ نہ بنادیں۔

کسم - ہمارا دھوکا زیادہ دن نہ چلے گا - کاغذ کی ناؤ ہے۔

ڈائنگ روم

(دو دنوں خوش خوش عمارت کے کمرے میں پہنچیں گجراج صاحب منتظر تھے)

خوب - دونوں ہیں - میں کسم بانی کو لینے آیا ہوں۔ آدھ گھنٹے کا وعدہ
تھا - پندرہ منٹ تباہ انتظار کر رہا تھا - کہتے موہن صاحب مزاج تو
اچھا ہے۔

موہن - اچھا ہوں - شکریہ۔
گجراج - اگر آپ چلنا چاہتی ہیں تو ابھی چلے۔
کسم - خدا حافظ۔

گجراج - میرا خیال نہ کیجئے - سنگیت سے یوں رخصت نہیں ہوتے - پیارے لیجئے
کسم تڑپ گئی - کیا کرنی - مجبوراً جھک کر بوسہ لے لیا مگر چہرے سے معلوم
ہوتا تھا کہ صرف گجراج کا شبہ دور کرنے کے لئے یہ حرکت کی گئی ہے
موہن کو بھی یہ بات پسند نہیں آئی - دونوں شرما گئے۔

کوٹھی کی پیشیں سڑک

(دونوں اتر کر موٹر تک آئے اور گھر کی طرف چلے)
گجراج - موہن ابھی تک خستہ معلوم ہوتا ہے
کسم - تکلیف بھی تو بہت اٹھائی

گجراج - اس کو موٹر چلانا نہیں آتا - تم کہو یا نہ کہو حادثہ کے وقت ساری خطا
اسی کی ہوگی۔

کسم - معلوم نہیں - خیال ہی تھا کہ بیک ڈھیلے ہو گئے۔
گجراج - خوب! یہ تم موہن کی انگوٹھی پہنے ہوئے ہو؟
کسم - یہ اس کی ماں کی تھی - مجھ سے التجا کی گئی کہ جب تک دوسری نہ آئے یہی
پہنے رہوں۔

گجراج - خفا نہ ہو تو ایک بات پوچھوں - تم نے کبھی اپنے مستقبل کا بھی کچھ خیال
کیا ہے؟

کسم - مستقبل! گجراج - ہاں، مجھ سے کیا مطلب تھا مگر میں تمہارا دوست ہوں - توہن کے
پاس کوئی دولت نہیں۔

کسم - ہاں معلوم ہے مگر میرے پاس ہم دونوں کے لئے کافی ہے۔
(گجراج عجیب طور سے سر ہلا کر منہ بنا کر خاموش ہو گیا)
کسم کہیں یہ نہ سمجھیے گا کہ ہماری سنگینی اسی دولت کی بدولت ہوئی ہے
گجراج - میں ہی سمجھتا ہوں کہ وہ تمہارے لائق نہیں ہے۔

خوڑی سی خاموشی پھر کسم نے کہا - دیکھو اب کبھی چہرہ نہ کیجئے گا، ہماری
شادی کبھی ہوئی تو صرف محبت کا نتیجہ ہوگی۔
گجراج - موہن بڑا خوش نصیب ہے - تم خفا تو نہیں ہو؟

آنند گھٹ

کسم نے سحر ہلا دیا - موٹر مکان پر پہنچ گئی تھی رکی - وہ اپنے کمرے کی طرف

گجراج۔ کسم بائی نے تم سے سب کچھ بتا دیا ہوگا، موہن زبان سے نہیں کہتا
مگر وہ دے بے چین ہے۔

فینا اپنے خیال میں مٹو تھی۔
کسم۔ وہ تو گھر جانا چاہتے تھے مگر ڈاکٹر نے روک لیا۔ وہ اپنے بھائی صاحب
کے منتظر ہیں۔

فینا۔ ان کے بھائی صاحب۔ تم ان کے بھائی صاحب سے واقف ہو؟

کسم۔ نہیں۔
فینا۔ جان لو گی تو میری ہی طرح نفرت کر دو گی، پرانے ٹائپ کا ظالم انسان

ہے۔ وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے اس کی آنکھوں سے شیطنیت برسی ہے
گجراج۔ یہ ہم ہتہم بھلا غریب سوہن تم سے نفرت کیوں کرے گا۔

فینا۔ خدا ہی جانے۔ اس کی فطرت ہی ایسی ہے۔

کسم۔ وہ ہیں کیسے؟

فینا۔ پورا ٹیم فول ہے۔ ساری دولت اسی کے پاس ہے اور کوئی اولاد نہیں
ہے۔ بیوی بھاگ گئی میں خود ہی ایسے شوہر کو (گجراج کی طرف دیکھ کر)

چھوڑ کر بھاگ جاتی۔

گجراج۔ (فینا کو دیکھ کر) سوہن کو بڑی خوشی ہوئی ہو گی۔ اس کی بیوی بڑی

خواتین تھی اور نہایت خود غرض۔

فینا۔ میں یہاں نہیں رہتی تو میرے لئے بھی ایسا ہی کہتے ہو گے۔

کسم۔ کیا بچنے کی باتیں کرتی ہو۔ بھلا تمہیں کوئی کہہ سکتا ہے اور کیوں کہنے لگا

فینا۔ مگر صاحب تمہارے ہم زبان نہیں ہیں۔

گجراج۔ صاحب کو ہمزبانی کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ تم کچھ کھا نہیں

رہی ہو؟

فینا۔ بھوک نہیں ہے۔

کسم۔ مجھے بھی نہیں ہے۔ گرمی بہت ہے۔

گجراج۔ کیا دونوں کو محبت کی گرمی ہے۔ خدا دونوں کی آرزوئیں برکات

مجھے افسوس ہے کہ میں بڑے وقت محفل ہوا۔ جب تم موہن سے رخصت

ہو رہی تھیں تو مجھ کو باہر چلا آنا چاہیے تھا

کسم۔ آپ کی موجودگی سے کوئی فرق نہیں ہوا۔

فینا۔ اب تم موہن سے کب ملنے جا رہی ہو؟

کسم۔ پتہ نہیں۔ شاید کل۔

فینا۔ میں بھی ساتھ چلوں گی۔

گجراج۔ کل سکھ بھون چلنا ہے۔ چاہ کی دعوت ہے

فینا۔ (غصہ سے) میں نہیں جانا چاہتی۔ میں نہ جاؤں گی۔ تم جلتے ہو مجھے

سکھ بھون والوں سے نفرت ہے

گجراج۔ مگر تمہیں چلنا ہوگا۔ میں نے وعدہ کر لیا ہے

فینا۔ مگر مجھے ان سے نفرت ہے۔

گجراج۔ ہم کو بہتوں سے نفرت ہے (دھمک کر) اب میں جاتا ہوں کچھ خطوط

لکھنے ہیں۔

جیسے ہی صاحب گئے دروازہ بند ہوا کہ فینا کسم پر برس پڑی

کیا موہن نے تمہارا بوسہ لیا تھا؟

کسم۔ فینا!

فینا۔ (میز پر ہاتھ ٹپک کر) بولو۔ کیا اس نے۔ کیا اس نے بوسہ؟

کسم۔ ان کی خطا نہ تھی۔ گجراج صاحب نے کہا کہ منگیتر سے خالی خدا حافظ

کبکھر رخصت نہیں ہوتے اور مجھے بوسہ۔

فینا۔ کیا تم نے بوسہ لیا؟

کسم۔ ہاں

فینا۔ تم مجھے دھوکا دے رہی ہو تمہیں ان سے محبت ہے۔ یہ سب تریا

چرتے۔ تم مجھے برباد کرنا چاہتی ہو۔ تم چھین لینا چاہتی ہو اسی لئے

ہمیشہ مجھ سے کہتی رہیں کہ میں چھوڑ دوں۔ اب میں سمجھ رہی ہوں سب

باتیں آئینہ ہوتی جاتی ہیں۔ تمہارا اعتبار اٹھ گیا۔

کسم۔ بڑا کراٹھ کھڑی ہوئی موہن کی انگوٹھی اتار کر میز پر رکھ دی۔

تم خود ہی واپس کر دینا اور جو چاہے کہہ دینا۔ دروازے کی طرف بڑھی

فینا۔ (دوڑ کر گلے سے لپٹ جاتی ہے) پیاری مجھے صاف کر دو۔ میں بہت نادام ہوں

ہاتھ جوڑتی ہوں اب کچھ نہ کہوں گی۔ اسے بہن لو۔ بہن لو۔ (آنکھیں پٹک کر)

میں دیوانی ہوئی جا رہی ہوں۔ میں اور تم سے ایسی باتیں۔ پیاری کسم۔ خدا

کے لئے بھول جاؤ

کسم۔ مجھے ایسی باتیں یاد ہی نہیں رہیں۔

فینا۔ (ٹپٹل ٹپٹل کر) سارے والوں اٹے پڑ رہے ہیں مجھے تو معلوم ہونا ہے کہ گجراج

کو راز معلوم ہے اور اس نے صرف اس لئے کہ میں پیارے موہن کو دیکھنے نہ

جاسکوں جا۔ کی دعوت کا ڈھونگ رہا یا ہے

کسم۔ فینا۔ اپنے ہر دے میں ایسی ہی باتیں نہ لاؤ۔

فینا۔ دوسرے نہیں ہے۔ جہاں میں نہیں چاہتی تھی نہیں جاتی تھی۔ پھر کل کے لئے

اتنا اصرار کیوں ہے؟

کسم۔ انہوں نے وعدہ کر لیا ہوگا

فینا۔ میں نہیں مانتی۔

کسم کا کمرہ

دونوں الگ الگ ہو کر اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔ فینا نے

اپنے کمرے میں پہونچ کر آئینہ میں اپنا سراپا دیکھا اور مطمئن ہو گئی۔ میرے

لگے وہ اور کسی کو چاہ نہیں سکے۔ آنکھوں میں تصویر پھر گئی کہ کسم نے

یوں جھک کر مریض موہن کا بوسہ لیا ہوگا۔ آگ بگولا ہو گئی۔

اپنے راز دالے حبیب سے ایک پرچہ نکال کر پڑھا

”تمہارا خط مل گیا۔ اگر تم چاہتی ہو تو ضرور۔۔۔ موہن“

فینا دیر تک بناؤ سنگار کرتی رہی۔ گھڑی دیکھی تو تین بج چکے تھے۔ ایک کتاب

پیر نظر روز رانی معلوم ہوا کہ موہن کے اسپتال میں لوگ پانچ بجے شام تک مریض کو دیکھنے جا سکتے ہیں۔ فوراً جل نکلی۔ صاحب کتب خانہ میں خطوط لکھ رہے تھے۔ فیضانے چٹکے سے چور دروازہ کھولا اور نکل گئی جب اسپتال پہنچی تو سارے تین ہو چکے تھے

ہسپتال

ایک نرس سے۔ کیا سٹر موہن سے ملاقات ہو سکتی ہے۔
نرس۔ کیوں نہیں۔ سامنے والے وارڈ میں تین نمبر کا کمرہ ہے۔
فیضانے دروازہ کھولتے ہی کہا۔ موہن! مگر یکایک رک گئی، موہن اکیلا نہ تھا، ایک ہندو وضع کا پینٹ قشفہ لگائے۔ ہندو شرفا کا لباس پہنے ہوئے موجود تھا۔ کون؟ موہن کے بھائی صاحب موہن ہیں؟

سوہن۔ منسکار۔ اپنی کرسی خالی کر دی۔
فیضا حواس باختہ تھی صرف سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیا اور اسی کرسی پر بیٹھ گئی۔ گویا خواب دیکھ رہی تھی
سوہن۔ آپ میرے بھائی کو دیکھنے آئیں۔ بڑی کرپاکی۔
فیضا۔ میں کسم کی بیٹی ہوں آئی ہوں۔ ان کے سر میں درد تھا۔ ان کا پیام لائی ہو آپ کو معلوم ہو گا کہ (بڑی شکل سے آنکھیں چا کر کہے) کسم کی سنگینی موہن صاحب سے ہو گئی ہے۔

سوہن۔ موہن نے ابھی بتایا ہے میں بہار کا دے چکا ہوں۔
فیضا۔ میرے سوا سب کو حیرت ہوئی مگر میں تو پہلے ہی تار گئی تھی
”جھپتی ہے چھانے سے محبت کی نظر بھی“
موہن کو رنج تھا کہ ایسے وقت فیذا کیوں آئی۔ یہی پچھتاوا موہن کو پہلے بہت بھلا معلوم ہوتا تھا مگر اب اسی پچھنے سے تکلیف ہو رہی تھی۔
سوہن۔ بھگوان نے بڑی دیا کی۔

فیضا۔ (آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے) آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ ہاں ہم —
(دانت کاٹ کر) وہ دونوں ہلاک ہو گئے ہونے۔ کسم کو ذرا بھی چوٹ

نہیں آئی خراش بھی نہیں۔
سوہن۔ میں نے بھی یہی سنا ہے مگر ابھی قسمی سے مجھ کو دشمن نہیں ہوئے
فیضا۔ آپ نے کسم کا ہے کو دیکھا ہو گا۔ کیوں موہن صاحب کسم کو جو دیکھتا ہے خوش ہو جاتا ہے؟ تو یہ میں بھی کیا باتیں کر رہی ہوں۔ ایجا اب جاتی ہو پھر کیسے وقت آؤں گی۔

سوہن۔ آپ میرے کارن۔ نجائے۔ میں تو جا رہا ہوں۔
فیضا۔ (جلدی سے) میں بھی جا رہی ہوں۔

سوہن۔ میری فٹن باہری ہے۔ آپ آئندہ کٹی تک بنی چلیں تو میں خوش ہو گا۔
میں اب بھی موٹر سے زیادہ گھوڑے گاڑی کو پسند کرتا ہوں۔

فیضانے کہا۔ شکریہ۔ شکریہ۔ اور رخصت ہوتے بغیر دروازے کی سیڑھ پر چلی۔

سوہن۔ آپ ابھی چاہی نہیں ہیں۔ کسم بانی کا پیام تو اپنے پہنچایا ہی نہیں۔
فیضا۔ بالکل بھول گئی تھی۔ انہوں نے اپنے خط کا جواب مانگا تھا۔

موہن۔ جواب کیسے لکھتا۔ دامنہا تمہیں کیا ہے۔ باتیں سے مشق نہیں۔ کہہ دیجئے گا کہ کل صبح آکر مل جائیں۔ میں تمہارا ہوں گا بھولے گا نہیں۔

اتنے میں سوہن باہر ہو گیا تھا۔ فیضانے فوراً دوڑ کر بایاں ہاتھ پکڑ لیا۔ تمہیں مجھ سے محبت ہے کہ نہیں؟ اب بھی ہے کہ نہیں؟

موہن۔ فیضا تم کیوں آئیں تم نے بڑی نادانی کی
فیضا۔ (سہسکر) مجھے پرواہ نہیں۔ کل تو میں صاحب کے ساتھ کسم بھون، جا رہی ہوں کل نا سکوں گی۔ پرسوں ضرور وقت نکال لوں گی۔

سٹرک پر

(ایک لکھریک بس سڑ لے لیا اور سوہن کے پاس تیز قدم پہنچ گئی دونوں فٹن میں بیٹھ گئے اور گھر کی طرف چل نکلے۔)

سوہن۔ موہن اچھے ہو جائیں تو آپ دونوں گجران صاحب کو لے کر کسی دل غریب خانہ پر ضرور آئیے۔ مجھے کسم بانی سے ملنے کا بہت شوق ہے

فیضا۔ دونوں کی ملاقات بہت دنوں کی نہیں ہے۔
سوہن۔ یہ تو وہی کہادت ہوئی۔ چٹ سنگنی بٹ بیاہ۔ موہن کہتا ہے کہ شادی بھی بہت جلد ہو جائے گی۔

فیضا۔ بہت جلد۔ مگر معاف کیجئے گا اس کے پاس تو کچھ نہیں ہے۔
سوہن۔ اس کے پاس کبھی کچھ نہیں رہا مگر سینے ایک راز کی بات کہتا ہوں۔ اپنی ہی

تک رہے تھے گا اگر مجھے یقین آجائے کہ کسی اچھی لڑکی سے سنگنی ہو گئی ہے تو شاید میں بھی کچھ کر سکوں، وہ میرا سگ بھائی ہے اور میری کوئی اولاد بھی نہیں۔

فیضا۔ کسم بڑی اچھی لڑکی ہے۔ مگر ذرا جوشیلا ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ اس کا یہ جوش قائم رہے اور وہ شادی کر لے۔

سوہن۔ سبب؟
فیضا۔ میں نہیں جانتی۔ میرا خیال ہے۔ وہ دیکھنے صاحب اور کسم ٹھیل رہے ہیں۔ آپ ۲۶

مجھے یہ خوف نہیں ہے مگر دیکھئے صاحب سے نہ کیجئے گا کہ میں سوہن کو دیکھنے گئی تھی۔

سوہن۔ (سہسکر) میں سمجھ گیا۔ آپ گھر میں نہیں
گاڑی باس پہنچ گئی۔ سوہن نے باک ہاتھ سے گھما دی اور پوچھا۔ مزاج سہرا

آپ کی بیوی سٹرک پر بیٹھی ہوئی میں میں اپنے ساتھ بٹھالایا (پھر کسم کی طرف دیکھ کر)
میری بہو آپ ہی معلوم ہوئی ہیں (کسم سر نہ کر رہی تھی) آج ہی صبح سوہن نے

مجھے بتایا ہے میں شہر باہر دہنا ہوں۔
فیضانے کھڑی ہوئی کہہ رہی تھی۔ مجھے اس سے ان سب سے نفرت ہے۔ یہ

کتنی ہونی اندھ چلی گئی۔
کھانے کے کمرے سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں
فیضانے مڑ کر کہا۔ مجھے اکیلی رہنا۔ میرے سر میں درد ہے۔

کسم - فینا بات کیا ہے۔ کچھ کہو گی بھی؟
فینا - کچھ نہیں۔

کسم - پھر تم بولتی کیوں نہیں۔
فینا - اس لئے کہ (مڑ کر لپٹ جاتی ہے) مریم کا واسطہ انکو نہ سے نہ پھینو، مجھے اب سے پہلے معلوم نہ تھا کہ میں ان کو کتنا چاہتی ہوں۔

کسم - کیسی باتیں کرتی ہو فینا؟
فینا - تم دل والی ہو، مضبوط ہو، مجھ سے وعدہ کرو کہ کل انہیں دیکھنے نہ جاؤ گی
کسم - میں وعدہ کرتی ہوں۔
فینا - دل سے!

کسم - دل سے۔
فینا - کاش کل سگڑیوں نہ جانا پڑتا، مجھے ان سے نفرت ہے
کسم - ایک ہی دن کی بات ہے۔ گھبراہٹ کیوں جانی ہو؟
فینا - میرے لئے ایک ایک منٹ ایک ایک برس سے کم نہ ہو گا۔

مجھ کو فینا کافی مسرور تھی۔ جب گجراج کے ساتھ بیٹھے جلی تو کہنے لگی کسم اپنا وعدہ یاد رکھنا۔

کسم - اچھا

ڈرائنگ روم

کئی گھنٹے کسم نے یونی گراؤد بے۔ کھانے کے کمرے میں پہنچی تو فون کی گھنٹی بجی۔

آواز آئی۔ میں ہسپتال سے بول رہا ہوں۔ کیا کسم باقی موجود ہیں۔ سوہن صاحب نے بلایا ہے۔

کسم (چہرہ اذغوانی ہو گیا) خیریت تو ہے۔
آواز۔ وہ آپ ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ کسم باقی ان کو دیکھنے آ رہی ہیں کہ نہیں؟
کسم۔ (آنکھوں میں فینا سے خفگی کا سین گھوم گیا) کسم باقی موجود نہیں ہیں۔
آواز۔ تو براہ کرم جس وقت آئیں کہہ دیجئے گا۔
کسم۔ ضرور۔ (رسیور روک دیا)

گیارہ بجے
شام کے قریب پھر وہی آواز آئی۔ کسم نے پھر وہی جواب دیا اور پوچھا کوئی خاص پیام ہے۔ آواز نے کہا کچھ نہیں خود کسم باقی سے ملنا چاہتے ہیں۔
اتنے میں فینا اور صاحب آگئے۔

صاحب۔ کیا تم اسپتال نہیں گئیں؟
کسم۔ نہیں تو۔ میں دن بھر پائیں باغ میں رہی
صاحب۔ یہ تو عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔
فینا۔ بہت عجیب۔ ہم تو دیکھنے ہوئے آئے ہیں۔
کسم۔ پہلے سے اچھے ہیں؟

صاحب۔ اب بھی خستہ معلوم ہوتے ہیں۔

کسم۔ تم نے بھی دیکھا؟
فینا۔ (نظر اڑا کر) بے شک

کسم۔ کچھ میرے لئے بھی پوچھ رہے تھے؟
فینا۔ کچھ نہیں۔ باتوں میں موقع نہیں ملا (ہاتھ دبا کر) سب ٹھیک ہے وہ اب بھی چاہتے ہیں۔

کسم۔ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا۔
صاحب کو جانے دیکھ کر فینا بول اٹھی۔ میں بڑی بیوقوف تھی ٹھیک تو تھیں
کے ساتھ کب کا نکل جانا چاہیے تھا۔

کسم۔ فینا۔
فینا۔ انہوں نے کبھی مجھ سے نکل چلنے کو نہیں کہا۔ مگر اب کہیں تو۔ گجراج جھٹک گئے
گجراج۔ کل سوہن صاحب کہہ رہے تھے کہ سوہن کی طبیعت سنبھل جائے تو فوراً
گھر لو جائیں مگر وہاں سوہن کو میرے خیال میں کوئی راحت نہیں مل سکتی
کیوں فینا۔ یہیں نہ اٹھالائیں

فینا۔ میں کیا کہوں۔ جو چاہو۔
گجراج۔ مجھے کسم باقی کا خیال تھا۔ کیوں کسم غم پسند کر دی۔
کسم۔ بے شک۔ چہرے پر ہواٹھیاں اڑنے لگیں۔

صاحب۔ اچھا تو میں سوہن صاحب سے باتیں کر لوں گا۔ تم سوہن سے کہہ دینا۔
کسم۔ آپ کی عنایت کا شکریہ۔ چلا جاتا ہے
فینا۔ ہم لوگوں کے شکوک بالکل بے بنیاد تھے (جوش سرد میں تس کرنے لگی)
کسم (غور سے دیر کے بعد) کہیں صاحب کا شبہ اور مضبوط نہ ہو گیا ہو اور وہ خالی

بھلا دانہ دیتے ہوں
فینا۔ بھلا دیکھا۔ کیا میں نے کوئی گناہ کیا ہے۔ جان ہی لے گا تو کیا کرے گا۔
ایک ایک سوہن صاحب کی فتن: کھانی دی۔
وہ کون آ رہا ہے۔ کہیں سوہن کی طبیعت کچھ اور بڑ تو نہیں گئی۔
سوہن صاحب سوئے بڑے کمرے میں گجراج صاحب کے پاس چلے گئے
اور باتیں کرنے لگے۔ فینا نے کھڑکی سے جھانکنا شروع کیا وہ دیکھ رہی تھی
اور خود چھپی ہوئی تھی۔

کوئی خاص بات نہیں ہے اور جو کچھ بھی ہو۔ ابھی معلوم ہو جائے گا۔
گجراج (اندرا کر) سوہن صاحب اسپتال سے آئے تھے ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اب
کوئی خطرہ نہیں۔ سوہن صاحب گھر جا سکتے ہیں۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ ہم لوگ
ان کو یہیں اٹھالائیں گے اور وہ راضی بھی ہو گئے ہیں۔ چلو کسم سوہن کو لائیں
فینا۔ (خوش ہو کر) میں یہاں کا انتظام درست رکھوں گی۔

فینا دیکھتی رہی۔ گجراج صاحب اور کسم سوٹریں میچ کر اسپتال روانہ ہو گئے
لوٹر چلے گئے وہ اس کمرے میں پہنچی جو مرلین کے لئے درست ہو رہا تھا
اور نے احکام سے سجانے والوں کا ناک میں دم کر دیا۔ اسے یہاں رہنا۔
اسے یوں سجاؤ۔ اسے یوں کر دو۔ پھر با درجی خانہ میں پہنچی اور اپنی فضول

باتیں کہیں کہنا بھی پریشان ہو گئی۔ تجویز میں مضحکہ خیز تھیں اور ہر گجراج صاحب اور کسم موہن کو لٹے ہوئے واپس آ گئے۔ موٹر کی صدا سننے ہی فینا دود بڑی سر پہ ٹوپی بھی نہ مٹی (موہن کو دیکھتے ہوئے) بڑی دیر لگا دی۔

مما صاحبہ مجھے موٹر آہستہ چلائی بڑی کو فنی مریض ہو تو گاڑی چالیس میں فی گنتہ

فیضانِ پیاری ہن تہارے سوا میرا اور کوئی مہارا نہیں۔ مجھے بس الفت
ذرا سا رشک ہو جاتا ہے (آئینے میں اپنا سراپا دیکھ کر) میرا شبہ بالکل
بے بنیاد ہے۔

کسم (منسکر) اگر تم سمجھتی ہو کہ بے بنیاد ہے تو اپنا پریشانی کیوں کرتی ہو۔ میں نے تو کوئی بات اٹھا نہیں رکھی۔

فینا۔ میں چڑھ چلی ہوں تم کو۔ ہو۔ اب میں کبھی بڑبائی نہ کروں گی۔ کبھی نہیں۔ مگر آج تم چار میں جلدی کرنا۔ (پیشانی لیتی ہے)

کسم۔ یہ مطلب ہے کہ تم دونوں کو اکیلا چھوڑ دوں؟
 فیثا۔ کیوں تمہیں تکلیف ہوگی؟

لکسم - تکلیف - تم کہو تو میں شریک ہی نہ ہوں۔
 فینا - یہ نہ کرنا - بدزیب سی بات ہوگی۔

یاں ہاں -

مگر موہن صاحب چار پینے آئے تو گھبرا کر بھی ہو بیٹھ گئے۔
صاحب - میں نے اے بدل دی سو چار دینہ کیسے (فینا کے پہلو میں بیٹھ کر)
اسی لئے چلا آنا۔

فینا۔ میں بھی شکر گزار ہوں اور کسم بھی —
گجراج نے چار ختم ہوتے ہی کہا۔ موہن صاحب آپ ذرا پائیں باغ میں
ٹہل آئے۔

مومن۔ ہاں حقوٰی ہی تفریح رہے گی۔
کسم۔ (پہلے توڑ کی گد بھر کھینا پڑا) چلے شو ق سے چدے۔

۹۱ دو دنوں ساتھ ساتھ پائیں باغ کی تفریح کو چھے۔ جب آئندہ کئی نگاہوں سے ادھل ہو گئی تو کسم نے کہا 'ہم سوچتے کیا میں ہوتا کیا ہے۔ سوہن۔ آپ کا مطلب کیا ہے۔'

نہاٹے سے وہاں سے اٹھ جاتی۔

یوہن کسم بانی آپ اس قدر شرمندہ کرتی ہیں کہ میری زبان پر یہ لگ جاتی ہے
کسم - آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں۔ اگر میں مرد بیوقوف تو فیثا کو خود بھی چلت گئی
گا کتنا شرمناک ہے۔

ہو جن کی شادی ہو چکی ہے اور صاحب اس قسم کے شوہر میں کہ جان لیو نوع

سہم۔ دو کیتے جان سکے ہیں۔ وہ تو جنت ہیں کہ آپ میرے متنبہ ہیں

مومن - گھرج ایک ٹھہرا ہوا بانی ہے اور ٹھہرا ہوا پانی بہت گہرا ہوتا ہے۔ پھر بانی صاحب سوہن بھی تو ہیں۔

کسم - آپ کے بھائی؟
مومن - سہ پہر کو فیما آئیں تو وہ میرے پاس تھے۔
کسم - کہاں اسپتال میں؟
مومن - ہاں۔

کسم نے زبان سے کچھ نہ کہا مگر بیتاب ہو کر تیز تیز چلنے لگی۔
مومن - میں اتنا تیز نہیں چل سکتا، اور سادوں بھادوں بھی آگیا۔

سادوں بھادوں میں

دولوں اندر جا کر بیٹھ گئے۔ خاموشی چھا گئی۔

مومن - کسم بانی آپ کیا سوچ رہی ہیں۔
کسم - میں سوچ رہی ہوں کہ زندگی بھی کیسی بیتناک چیز ہے۔ یہاں کوئی کسی کا نہیں ہے اور گھرج صاحب کتنے سچے آدمی ہیں۔

مومن - اور میں نہیں ہوں؟
کسم - دوسرے کی بوی سے محبت کرنا ابھی بات نہیں ہے۔
مومن - معاف کیجئے مگر آپ منفعت نہیں بن سکتیں۔

کسم - کیوں۔
مومن - اس لئے کہ آپ کو آج تک کسی سے محبت نہیں ہوئی۔
کسم - (منہ پھیر کر) شاید آپ غلطی پر ہوں۔
مومن - تو کیا کوئی ہے۔

کسم - ہاں۔
مومن - (تھوڑی سی خاموشی کے بعد) تو پھر بہت ہی اچھا ہوا کہ ہماری منگنی خالص بناوٹ ہے۔

کسم - (ہنس کر) یہ تو ہم دولوں کو پہلے ہی سے معلوم تھا۔

مومن - آپ فکر نہ کیجئے میرا کوئی ارادہ نہ تھا کہ آپ سے التجا کر دوں اور اس بناوٹ کو اصلیت کا جامہ پہناؤں۔

کسم - اگر آپ سمجھتے ہیں کہ مجھے اس طرح گرفتار ہو جانے میں کوئی سہرت ہے تو آپ کی سخت غلطی ہے۔ میں نے جو کچھ کیا صرف فیما کے لئے تھا۔

مومن - کسم بانی میں نے کبھی نہیں سمجھا کہ میری محبت کی وجہ سے آپ نے ایسا کیا۔
کسم - (اٹھ کھڑی ہوئی آنکھوں میں آنسو بھر آئے) اگر آدمی مضبوط اور پاک

نہیں ہے تو مرد ہونے کا نتیجہ ہی کیا ہے۔ آپ اپنے دل میں ان باتوں کے لئے فیما کو اور مجھے الزام دیتے ہوں گے۔ آپ کو موجودہ صورت سے نفرت ہوگی۔ مگر خطا سراسر آپ کی تھی۔ پہلے تو آپ نے دل ہلایا۔ جب معاملہ بڑھ گئے تو آپ الگ تھلک ہو جانا چاہتے ہیں۔ واہ کیا مردانہ رویہ ہے۔

مومن - (لال مجھو کا ہو کر) بد قسمتی سے میں آپ کو آپ ہی کے لہجہ میں جواب

نہیں دے سکتا مگر اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ میری دل لگی یا عشق — آپ جو کچھ سمجھیں فیما کے ساتھ میری تعلقات کبھی زیادہ گہرے نہیں ہونے میں ان کو وہ مجھے پسند کرتی تھیں۔ اس طرح کی دوستی ہر جگہ ہوا کرتی ہے۔

کسم - کنوارے مردوں اور بیاتھی ہوئی عورتوں میں؟
مومن - ہاں عورتوں اور بیاتھی ہوئے مردوں میں بھی۔ ایسی دوستی میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

کسم - یہ سچ نہیں ہے۔ آپ بھی جانتے ہیں۔

مومن - چاری دوستی بے ضرورت تھی۔ جب سے یہ حادثہ ہوا ساری باتیں درہم برہم ہو گئیں۔

کسم - معلوم نہیں، ہزار کا مفہوم آپ کیا سمجھتے ہیں۔ جتنے منفعہ اتنی ہی باتیں۔
مومن - آپ کیا سمجھتی ہیں۔

کسم - (مسکرا کر) آپ کسی عورت کا بوسہ لیکر اس کو اپنا گردیدہ بتالیں تو یہ ضرور ہے اور یہ ڈھب آپ کو خوب آتا ہے۔

مومن - کیا بوسے سے عورت رام ہو جاتی ہے؟ (آنکھیں چمک گئیں)
کسم - (ایک دم پیچھے ہٹ گئی) جیسی عورت ہو۔ اچھا اب تکرار ہو چکی ہو تو۔

مومن - میں تکرار نہیں کر رہا تھا۔
کسم - میں کر رہی تھی۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ آپ کا رویہ اچھا نہ تھا اور خطا آپ ہی کی تھی۔

مومن - شکریہ۔ ہزار بار شکریہ۔

کسم - آپ مجھے بنا رہے ہیں۔

مومن - نہیں رام کی قسم نہیں۔ آپ نے ہم دولوں پر بہت سے احسان کئے ہیں۔ میں اپنے کراتوت سے شرمندہ ہوں اور چاہتا ہوں کہ کسیرطرح اس کی تلافی ہو سکے۔

کسم - پانی ابھی تک سر سے اترنا نہیں ہوا۔

مومن - شاید۔

کسم - ابھی سویرا ہے۔ میں ان حالات کے رخ دفع ہوتے ہی یہاں سے چلی جاؤں گی۔ ہماری منگنی ٹوٹ جائے گی۔ لوگ سمجھیں گے کہ کسم کی خطا ہے۔ مومن صاحب شکستہ دل ہو گئے ہیں۔

(کسم نے ہنسنے کی کوشش کی مگر ہونٹ عجیب طرح کھل کر رہ گئے)
مومن - اور آپ اپنے خاص محبوب سے شادی کر لیں گی؟

کسم - نہیں کبھی نہیں۔

مومن - کیوں؟

کسم - صرف اس لئے کہ اس نے مجھ سے التجا نہیں کی۔

مومن - التجا نہیں کی تو وہ بڑا بے قوت ہے۔

کسم - (دوسری طرف دیکھ کر) گالیاں نہ دیجئے دولوں والیں ہونے لگے۔

مومن - (ایکایک رک کر) میرے کمرے میں بہت سے بھول ہیں۔ کیا آپ نے

رکھے ہیں؟
کسم۔ (حسرت سے) نہیں میں کیوں رکتی فینا نے رکھے ہوں گے۔

آئندہ کوئی میں

موہن کا چہرہ اتر گیا جب دونوں آئندہ کوئی پوچھے تو فینا ڈرائنگ روم کی کھڑکی سے دیکھ رہی تھی کسم کا دل بھر آیا۔
اتنے میں گجران صاحب ہی فینا کے پہلو میں آکر کھڑے ہو گئے اور اسی طرط دیکھنے لگے۔

صاحب۔ کیا اچھی چوڑی ہے۔ کسم بانی کے خاندان میں اب کوئی نہیں ہے یہیں سے ان کی شادی ہو لو اچھا ہو گا۔
فینا۔ (تڑپ کر) کسم بانی کی محبت یکایک کیوں جوش کر رہی ہے۔ آئے دن ایک نیا نیا کھل رہا ہے
صاحب۔ مرد کو کسی نہ کسی عورت کا خیال کرنا ہی پڑتا ہے اور تم مجھے الگ ہی الگ رکتی ہو۔

فینا۔ (ناز سے) اور اس قدر اچانک میرا خیال کیوں آ گیا؟
صاحب۔ یہ اچانک نہیں ہے۔ میں تمہیں بہت چاہتا ہوں اور تم میری صورت سے بےزار ہو۔

فینا۔ شاعری اور مبالغہ آپ ہی کا حصہ ہے۔
صاحب۔ سچائی۔ شاعری نہیں ہے۔ جب تم مجھے دیکھتی ہو تو چہرہ پر رنگ آتا ہے اور جب جانے لگتا ہوں تو بے نشاں ہو جاتی ہو۔

فینا۔ *Kon sense*
صاحب۔ اگر مجھے یقین ہو جائے کہ یہ *Kon sense* ہے تو اپنی ساری جائداد قربان کر دوں۔ میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔
فینا۔ کہتے سرکار والا۔

صاحب (دونوں بنائے پکڑ کر فینا کا رخ اپنی طرف کر لیا) اگر مجھے یقین ہو جائے کہ تم مجھے نفرت کرتی ہو یا کسی اور مرد کو چاہتے ہو تو میں خود کسی کرلوں یا تم کو مار ڈالوں۔
فینا۔ (شرم سے کٹ گئی مگر ہنسنے کی کوشش کرتی رہی) گجران تم تو کبھی ایسے نہ تھے۔
صاحب نے نشانے چھوڑ دیے اور منہ پھیر لیا
صاحب۔ کبھی ایسا نہ تھا جو کچھ میں نے ابھی کہا ہے اسے یاد رکھنا۔ یہ کہا اور دروازہ بند کر کے چلا گیا۔

ہال

فینا کانپ گئی پھر بڑے کمرے میں گئی تو موہن اکیلے کھڑے ہوئے ایک "حرارت پہاگو" بوہنی دیکھ رہے تھے۔

موہن! موہن مڑا۔ عجیب لگا۔

فینا (Drawing Room) میں چلو، اسارا دن گزر گیا اور میں تم سے

تنبائی میں بات نہ کر سکی۔

موہن۔ میں التجا کرتی ہوں۔ دیوانی نہ بنو۔ کوئی دیکھ نہ لے۔ کاش میں نہ آتا۔
فینا۔ (پچھے ہٹ کر) میں سمجھتی تھی کہ تم مجھ سے قریب رہنے کے لئے یہاں آئے تھے؟
موہن۔ مجھے تو یہ خیال بھی نہ تھا۔ خدا کے لئے پریشان نہ ہو۔

فینا۔ (شلتے پڑھا تھ رکھ کر) میں ڈاہیں چل رہی ہوں۔ کچھ جا رہی ہوں۔
موہن۔ مگر ساری خطا میری ہی نہیں ہے۔ کیا تم جاہلی ہو کہ میں جلا جاؤں میں تمہارے لئے سب کچھ کر کے کو تیار ہوں۔

فینا۔ اس سے کیا فائدہ ہو گا۔ تمہارے آنے کی خبر سن کر میں بہت مسرور تھی (موہن پیچھے سرک گیا) کیوں بات کیا ہے؟ (کسم کو دیکھ کر) کسم! راز دار ہے قابل اعتبار ہے۔

موہن نے منہ پھیر لیا اور بائیں باغ کو واپس چلا گیا۔

پائیں باغ

پائیں باغ میں گجران صاحب موجود تھے۔

موہن۔ آپ لوگوں نے بڑی عنایت کی۔ مگر میں مردود ہوں سب کو تکلیف ہوتی ہوگی۔ اب میں بجائی صاحب کے یہاں جانا چاہتا ہوں
گجران۔ ہم سے اتنی جلد اکتا گئے۔

موہن۔ نہیں تو۔ یہاں رہنے سے مسرور ہوں۔ مگر گجران۔ تو پھر جانے کی جلدی ہی کیا ہے۔ کسم بانی اور فینا دونوں تمہاری موجودگی سے خوش ہیں۔

موہن۔ آپ لوگ بہت مہربان ہیں مگر یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا
گجران (گھور کر) کیا چیز مناسب نہیں معلوم ہوتی۔

موہن۔ (گھبرا کر) میرا مطلب۔ صرف یہ تھا۔ کہ مجھے یہاں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے

گجران۔ تمہارا حق یہی ہے کہ تم کسم بانی کے منگیترو، میں کسم بانی کی بہت عزت کرتا ہوں۔ وہ میری ہمدرد ہیں۔ اب کچھ نہ کہو۔ اگر میں تمہاری باتوں میں آکر (۲۷) تمہیں جانے کی اجازت دیدوں تو فینا بین آسمان ایک کر دے گی۔ اب میں لیک کام سے جا رہا ہوں۔ (چلا گیا)

فینا کا کمرہ

فینا ایک دعوت نامہ پڑھ رہی ہے۔

موہن اور کسم بانی کی سنگینی کی مسترت میں آپ سب لوگ آج شام کا کھانا نہیں کھائے۔

"سوہن لال"

فینا کو یہ دعوت نامہ پڑھ کر حقیقت کی اہمیت معلوم ہوئی اس نے پہلے ایک پرچہ لکھا "بہت افسوس ہے ہم لوگ نہیں آ سکتے۔ ایک روز سری جگہ کے لئے پتے سے وعدہ ہے۔"

پھر کچھ سوچ کر بھاڑ ڈالا۔ طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر دوں گی۔ مگر کیا فائدہ۔ یہاں
تہنار ہول کی نوادہ گھٹ جاؤں گی۔

دارالمطالعہ

نپٹے ہوئے گجراج کی تلاش میں کتب خانہ گئی وہاں موہن صاحب ایک
آرام کر سی پر سو رہے تھے زمین پر ایک کتاب کھلی پڑی تھی۔ مضمون کی سرخی
موہن نے حرفوں میں یہ تھی،
”ناپاک محبت کا غذائی ناؤ ہے“

فینا۔ موہن۔ موہن

موہن آنکھیں مل کر بیدار ہوا مگر دو منٹ تک حواس درست کرتا رہا۔ کچھ
بگم صاحب کیا کام ہے؟
فینا۔ میں بیگم صاحب کب سے ہو گئی (دونوں گھومنے رہے) تم کب تک یہ رویہ رکھو
کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ اصلیت ظاہر ہو جائے
موہن۔ فینا خدا کے واسطے

فینا۔ اپنے لئے کہو۔ نہیں اپنی ہی فکر ہے۔ میری کیوں ہو (اگے بڑھ کر شانہ تمام
لیتی ہے) کیا تم مجھے بالکل نہیں چاہتے ذرا بھی نہیں۔ میں نے کیا کہا، میں
کیا بدل گئی؟

موہن (رہا تھ چڑانے کی کوشش کرنے ہوئے) مضمون نے کچھ کہا ہے نہ بدلی ہو۔ مگر
یہ باتیں بہت انہونی سی ہیں
فینا۔ کیوں انہونی ہیں۔ جو پہلے تھی وہی بات اب بھی ہے

موہن۔ کسم بانی بھی۔

فینا۔ (بگڑ کر) ہاں تم کو اس سے محبت ہو گئی ہے۔

موہن۔ نہیں اور مجھے ہوتی بھی تو کیا تھا، وہ تو میری صورت سے بیزار ہیں
فینا۔ (وجہ کر) اگر تم اسے نہیں چاہتے تو۔

موہن۔ اتنی زور سے نہیں کوئی سن لے گا۔

فینا۔ مجھے پرواہ نہیں (آدمی منہ پر اور آدھا رونا) صاحب بھی جان لیں تو پرواہ
نہیں ایک دن ان کو معلوم ہی ہو جائے گا کہ میں تم کو کتنا چاہتی ہوں۔

موہن۔ فینا

فینا۔ میں تم پر مرنی ہوں (آنکھوں سے آنسو جاری ہیں) میں نے بڑا دھوکا کھایا کہ
کسم کو سہرنا یا، تم کہو تو ابھی صاحب سے صاف صاف کہہ دوں
موہن۔ خدا کے واسطے فینا۔

فینا۔ (پچھم ہٹ گئی، منہ کھلا ہوا، نگاہوں میں یاس کی دنیا تھی) اب نہیں
میری کوئی ضرورت باقی نہیں رہ گئی۔

موہن۔ فینا

یہ ایک کسم بانی اندر آ گئی اور فینا کو لپٹا کر ایک طرف لے گئی۔ ہاں تو تمہارا
کیا خیال ہے۔ رام راج کتنے دنوں میں ہو جائے گا اور بھارت باشی چین
کی بنی بجا بیٹھے۔

فینا۔ (آنسو بوجھ کر) مجھے کچھ بتہ نہیں۔

یہ ایک گجراج اندر آ گئے۔ یہ ڈرامہ دیکھ کر پہلے تو دم بخود رہ گئے پھر کہا،
ابھی ابھی سوہن لال صاحب بھی آئے تھے سب کو زبانی اطلاع بھی دے
گئے ہیں کیوں فینا خط مل گیا تھا؟

فینا۔ ہاں۔

صاحب۔ تم ضرور چلو گی

فینا۔ ضرور

فینا خوب سن سوز کر دعوت کے لئے تیاریاں کرنے لگی شبنم
کی نیرنگیاں بہت دریا نہیں چڑیوں کے پیچھے فطرت کے ساز
سے ہمکنار تھے۔

کسم کا کمرہ

کسم بانی اکیلی اپنے کمرے میں بیٹھی تھی کہ موہن صاحب پہنچ گئے۔
موہن۔ آپ تنہا کیوں بہت اچھا ہوا۔
کسم۔ کیوں کیا ہے۔

موہن۔ (داسکت کی جیب سے ایک ڈبیا نکال کر) آج کی رات ہماری میٹھی کی خوشی میں
دعوت دی گئی ہے۔ تکبیل کے لئے یہ انگوٹھی ضروری تھی۔ ڈبیا کھلی، ہیرے کی
جوت چھوٹ گئی۔ میری خاطر سے اسے پہن لیجئے۔

کسم (جیران پریشان سی) اسوس ہے کہ میں آپ کی خاطر نہیں کر سکتی۔ مجھے بھی ایک ہاتھ
کہنی ہے۔

موہن۔ کیجئے۔

کسم۔ آج رات کے بعد سے ہماری میٹھی ٹوٹ جانی چاہیے۔ بس بہت ہو چکا۔

موہن۔ صحت دو دھنٹے (طنز سے)

کسم۔ (گویا سنا ہی نہیں) آج تو دعوت میں مجبوری سے جانا ہی پڑے گا مگر کل۔ کل
میں چلی جاؤں گی۔ اور سب معاملات ختم ہو جائیں گے۔

موہن۔ آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ میں دودھ کی کمی ہوں؟

کسم۔ جو چاہے سمجھ لیجئے

موہن۔ اور فرض کیجئے میں نہ جانے دوں

کسم۔ (چونک کر) کیا مطلب؟

موہن۔ یہی کہ آپ نے جنت اس لئے منگنی کی کہ فینا بدنامی سے بچ جائے۔ اب
میں چاہتا ہوں کہ یہ منگنی ابھی باقی رہے۔

پہلے تو کسم کے حواس اڑ گئے پھر سنبھل کر کہنے لگی۔ آپ خود کو بھول رہے ہیں
آپ میری مرضی کے خلاف مجھ سے کسی بات کی تمنا۔

موہن (دھشیا نہ تبسم سے) دکھا جائے گا۔ تم اب تک مجھے خس برا سمجھا کیوں۔ آج
میں کہہ دیتا ہوں کہ یہ منگنی قائم رہے گی اور ایک دن ہماری شادی ہوگی

کسم کے ہونٹ سے آہ نکل گئی

ناممکن۔ آپ کا دماغ اپنی جگہ نہیں ہے۔

موہن۔ آپ خفا ہوں یا خوش۔ میں بھی اپنی دھن کا پتکا ہوں۔
 کسم۔ میں بھی کہے دیتی ہوں کہ یہ سب بناوٹ صرف فینا کے لئے تھی۔ کل میں چلی
 جاؤں گی تو آپ سے آپ سب معاملات ختم ہو جائیں گے۔
 موہن۔ یہ تو آپ کا ارادہ ہے۔ کیا آپ کے محبوب نے کوئی خط لکھا ہے؟
 کسم۔ نہیں تو۔
 موہن۔ تو پھر آپ اپنے محبوب کے لئے مجھے دھنکارنا نہیں چاہتیں؟
 کسم۔ نے سر ہلا دیا۔
 موہن۔ یہ آپ کا محبوب ہے کون؟
 کسم۔ (آنکھیں چرا کر) میں جواب دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ آپ زیبا دیتاں
 کر رہے ہیں۔
 موہن۔ (زور سے دونوں ہاتھ تھام لئے) بس اب۔۔۔۔۔
 کسم۔ (جھوٹے کی کو شش کرتے ہوئے) اگر تم شریف ہو تو مجھے چھوڑ دو۔
 موہن۔ (سنسکرت میں شریف نہیں ہوں اور جب تک تم جواب نہ دو گی میں نہ چھوڑ دوں گا۔
 کیا تم واقعی اس سنگینی کو توڑنا چاہتی ہو۔
 کسم۔ ہاں (مگر آنکھیں چاڑھیں کر کے)
 موہن۔ کیا تم کو مجھ سے نفرت ہے۔
 کسم۔ نفرت تو نہیں ہے۔ مگر ان باتوں سے کیا مطلب۔
 موہن۔ تم بکل ہی کہا تھا کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کا بوسہ لے لے تو وہ گردِ پیر جاتی ہے۔
 کسم۔ (ترپ کر) میں نے نہیں کہا بعض وقت اس حرکت سے عورت کو نفرت پیدا
 ہو جاتی ہے۔
 موہن۔ یہ میری سمت۔۔۔۔۔ جھک کر بوسہ کا پورا بوسہ لے لیا۔
 پہلے تو کسم پریم میں کہتی تھی مگر پھر مجھ کو حاضی کر چکیاں بننے لگی۔
 موہن۔ معاف کر دو، میں بہت شرمندہ ہوں، بہت زیادہ، میں کبھی ایسی حرکت نہ کرتا۔
 یکایک دروازہ کھلا اور گھرجاج صاحب آگئے۔
 (گھبرا کر) میں نہیں جانتا تھا کہ یہاں کوئی ہے۔
 کسم فوراً باہر نکل گئی۔ گھرجاج نے جھجھری لیکر کہا ”عشان کی شکر رنجیاں معلوم
 ہوتی ہیں۔“
 موہن نے کوئی جواب نہیں دیا وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ صاحب نے شلنے پر
 ہاتھ رکھ دیا۔ فکر نہ کرو جو کچھ بھی ہوا جو گادہ معاف کر دیگی۔ عورتیں منائے جانے کے
 لئے لڑتی ہیں۔
 موہن۔ کیا واقعی۔۔۔۔۔ مجھے خبر نہ تھی۔
 صاحب۔ اب سے خبر ہو جانی چاہئے۔ کسم بہت لطیف المزاج ہے اور تم خوش نصیب ہو۔
 موہن۔ وہ بہت لطیف نہیں مگر میں نہیں حاضر کے رہوں گا۔ دونوں نے ایک دوسرے
 کو دیکھا۔
 صاحب۔ خدا مبارک کرے۔
 موہن۔ تیار نہ تھی جاؤں۔ وہ پوچھے۔ کسم باقی گھرجاج صاحب کے پہلو میں بیٹھی۔ پچھلی سیٹ
 پر فینا اور موہن بیٹھے۔

موہن برداشتہ خاطر تھا۔ کھڑکی سے باہر کی چاندنی میں دیکھ رہا تھا۔ بالکل
 تصویر تھا۔ موٹر جا رہی تھی۔
 فینا۔ (شانہ چھو کر) موہن
 موہن۔ کیا ہے (لہجہ سخت تھا)
 فینا۔ (آنکھوں میں آنسو بھرائے) تم کو میرے ساتھ رہنا ناگوار ہے۔
 موہن۔ (بیتاب ہو کر کچھ اور کچھ کہتا تھا کہ فینا کا ہاتھ آستین سے الگ ہو گیا، نہیں تو مگر ایسی
 زندگی سے نتیجہ۔
 فینا نے جواب نہیں دیا مگر بڑا رور وٹھ کر بیٹھ گئی۔ راستہ بھر بھپٹی بیٹھی۔
 موٹر منزل پر پہنچ کر رکی موہن نے سہارا دینا چاہا۔
 فینا۔ جائے کسم کو اتار دیتے۔ اور خود گھرجاج کا سہارا لیکر اتر پڑی
 چاروں اتر کر بیٹھے۔ میزبان نے آؤ بھگت کی۔ فینا مہر پر موہن لال اور ایک
 دوسرے نوجوان ہندو کے بیچ میں بیٹھی اور اس نوجوان ہندو سے معاشرہ کرنے
 لگی صرف اس لئے کہ موہن جلیں نہیں۔ مگر موہن کسم باقی میں اتنے کھٹے ہوئے
 تھے کہ خود فینا دیکھ دیکھ کر جل رہی تھی۔
 پیا تو بڑا ایک نوجوان لڑکی کا رہی تھی۔
 ایک مہر سے کر لیا لندن میں عشق
 سن رہا ہوں اس خطا پر طعنہ ہائے دلخراش
 کوئی کہتا ہے کہ بس اس نے بگڑی نس قوم
 کوئی کہتا ہے کہ ہے یہ بد حال بد معاش
 دل میں کچھ انصاف کرنا ہی نہیں کوئی بزرگ
 ہو کے خود مجھ کو اب اس راز کو کرنا ہوں فاش
 ہوتی تھی تاکہ لندن جاؤ انگریزی پڑھو
 قوم انگلش سے ملو سیکھو ہی وضع پڑا شل
 جگمگاتے ہوٹلوں کا جا کے لنگرہ کر
 بال میں ناچو کلب میں جگمگاتے کیلوان سے تاش
 جب مل اس پر کیا پریوں کا سایہ ہو گیا
 جس سے تھا اپنی طبیعت کو سراسر امتعاش
 وہ بتان باہر و جاد و نظر، سیمیں بدن
 ہاں جوانی کی آنگ اور ان کو عاشق کی تلاش
 جب یہ حالت تھی تو ممکن تھا کہ اک برق بلا
 دست سیمیں کو بر حافی اوڑیں کتنا دور باش
 جب موہن لال صاحب مبارکباد کا ٹوٹا سوٹ ڈینے آئے تو فینا ترپ کر رہ گئی
 مگر جواب ضروری تھا گلاس کا پینے ہاتھوں سے اٹھا کر موہن کو دیکھتے ہوئے
 کہا ”یہ تمہارے لئے ہے، خدا کرے تم باہر اور ہو“
 کسم حنیپ گئی اور آنکھوں میں آنسو جک گئے
 فینا کے سامنے ایک نوجوان لڑکی بیٹھی تھی۔ اُس نے اٹھ کر کہا۔ کسم باقی
 مبارک ہو۔ میں موہن کو ایک زمانے سے جانتی ہوں

فینا اور کسم اندر جلی گئیں ڈرائنگ روم

کسم - کہو فینا کچھ نفع نہ ہوئی
فینا - (برس پڑی) تم جانتی ہو کہ میں نفرت سے دیوانی ہو رہی تھی۔
کسم - (ایک قدم ہٹ کر) تم میری طرف سے مشکوک ہوئی جا رہی ہو
اتنے میں گجران صاحب آگئے۔
فینا - میں بہت تھک گئی ہوں رسوئے جاتی ہوں
صاحب - دو چار منٹ تو مجھے دے ہی سکتی ہو
فینا - اگر کچھ مازی کا ارادہ ہے تو صاف رکھئے
صاحب - بھکو (آواز میں نرمی اور سختی دونوں تھیں) چند سوالات کرنے ہیں
کسم بانی چپ چاپ جلی گئی۔ فینا کا چہرہ بدل گیا۔ آنکھیں جھپک اٹھیں۔
صاحب - آج دعوت ہیں اس لڑکے کو جو کہ بیان کیا اس میں کتنی بات
بچ گئی۔
فینا - تم کیا کہہ رہے ہو؟
صاحب - تم خوب جانتی ہو۔ اس نے یہی کہا کہ حادثے کے وقت تم موہن کے پہلو
میں تھیں۔
فینا - بہتان (Non sense) میرا اعتبار نہیں تو کسم سے پوچھ لو
صاحب - تم نہیں جانتیں کہ کسم صرف تمہاری خاطر کتنی بار جھوٹ بول چکا ہے۔
فینا - تمہاری عرض کیلئے؟
صاحب - کوئی خاص عرض نہیں میں صرف یہ پوچھتا ہوں کہ اس روز موہن کے
ساتھ تم تھیں کہ نہیں؟
فینا - اگر میں جواب نہ دوں تو کیا سمجھو گے؟
صاحب - (ایک قدم آگے بڑھ کر) غصہ سے دیوانہ ہو رہے تھے۔ اگر تم جواب
نہ دو گی تو میں سمجھوں گا کہ یہی سچ ہے۔ میں سمجھوں گا کہ کسم بانی کی سنگینی محض
بنیاد ہے۔ میں سمجھوں گا کہ اب تک تم نے جھوٹی باتیں جوڑی ہیں اور
مجھے بیوقوف بنایا ہے (زور سے شالوں پر ہاتھ رکھ کر) جواب دو۔ تم نہیں
کہ نہیں؟
پہلے تو فینا نے خوف بھری نگاہوں سے دیکھا پھر دیوانوں کی طرح ہنس کر
کہنے لگی۔ ہاں۔ میں بھی
گجران نے دھیرے دھیرے اپنی گرفت سے رہا کیا اور وہ دو قدم پیچھے
ہٹ کر ہانپنے لگی۔
فینا - کیسے اب کیا ارادہ ہے۔
گجران نے کوئی جواب نہیں دیا چپ چاپ ایک کھڑکی کے سامنے جا کر کھڑا
ہو گیا۔
فینا - اگر تم نہیں چاہتے تو میں ابھی یہاں سے جلی جاؤں گی
صاحب - تم میرے پیچھے سے اتنی آسانی سے نہیں ہاں ہو سکتیں

کسم - آپ کی منانیت۔
لڑکی - بڑی خوشی ہے کہ موہن صاحب جلد پہنچے ہو گئے۔ ممکن تھا کہ وہ حادثہ خود لکے
لئے اور گجران صاحب کی بیوی کے لئے ہنسنا ثابت ہوتا۔
چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔
گجران - آپ نے دھوکا کھایا۔ اس دن موہن کے پہلو میں میری بیوی نہ تھیں۔ کیوں کسم
کسم - ہاں میں تھی
لڑکی - میری نگاہیں ابھی اسی کمزور نہیں ہیں کہ عینک کی ضرورت ہو، کیوں بہن فینا
اس دن سہ پہر کو موہن کی موٹر پر آپ نہ تھیں۔ میں گرے کے پاس سے گزر رہی تھی
کیوں یاد آیا؟ (تصویر بھر گئی)
فینا - غلط، بالکل بھوٹ
کسم - آپ نے غلطی کی۔ جب یہ حادثہ ہوا تو میں موہن صاحب کے ساتھ تھی
پھر اوپر اوپر کی باتیں ہوئے لگتیں
موہن - اب تو موہن لال صاحب بھی پسند کر چکے۔ تمکو شادی کرنی ہی پڑے گی۔
کسم - میری مرضی کے خلاف مجھے کوئی مجبور نہیں کر سکتا
موہن - تم بھی راضی ہو جاؤ گی۔ کسم
(سب لوگ رخصت ہو کر واپس روانہ ہوئے اب کی فینا قصداً اپنے شوہر کی
بغل میں بیٹھی) موہن خوش تھا کسم بھی جھوٹی بیٹی تھی۔ مگر فینا کا داہمہ اس کی آنکھوں
میں عجیب عجیب تصویریں کھینچ رہا تھا۔ کبھی وہ موہن اور کسم کو گلے میں باہن ڈالے کپتی
کبھی بوسہ لیتے۔ مگر جب ذرا سا فکروں کی جھتی تو وہاں کچھ بھی نہ ہوتا۔
گھر کے قریب پہنچنے وقت
موہن - تم نے کل چلے جانے کی تیاریاں کر لی ہیں۔
کسم - ہاں
موہن - حیدر کیا ہو گا کوئی تاڑ آئے گا۔ یا کسی غالم کے موت کی خبر
کسم - آپ سے کوئی عرض نہیں۔
موہن - ہے کیوں نہیں۔ خیر۔ تم نہیں جاسکتیں
کسم - دیکھا جائے گا۔ تم چاہتے ہو کہ مجھے تم سے پوری نفرت ہو جائے؟
موہن - نفرت اور محبت میں چولی وامن کا ساتھ ہے۔
کسم - کیا تم میری عورت سے یونہی دل لگی کرتے ہو
موہن - یہ دل لگی نہیں ہے میں بالکل بنجیدہ ہوں
کسم - تم فینا سے بہت بنجیدہ تھے
موہن - (ہونٹ کاٹ کر) میں نہ تھا۔ نہیں خوب معلوم ہے
کسم - میں نہیں جانتا جاہتی۔ بے کوئی دیکھتی نہیں
موہن - تم اس مرد کا نام بتا دو مجھے پرتو سچ دیتی ہو؟
کسم - میں تو نہ بتاؤں گی۔
موہن - (لہجہ کے انداز سے بگڑ گیا) ضرورت نہیں شاید میں جانتا ہوں
کسم - تم بڑے ہوشیار ہو
اتنے میں موٹر آندھ کٹی کے سامنے آکر رک گئی۔

ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۵ء

صاحب کبھی تم مجھ سے اڑی بھی ہو؟
کسم - کبھی نہیں۔

صاحب - اچھا کچھ اور بھی کہنا ہے؟

کسم - میرا فرض ہے کہ آپ سے بتا دوں۔ اُن دونوں میں ایک معمولی دل لگی کے علاوہ کبھی کوئی گہری بات نہیں تھی نہ ہے۔ آج کل فیشن کی آزادیاں جتنی ہیں وہ آپ کو معلوم ہیں۔

صاحب - تم میری بیوی کی صفائی دے رہی ہو۔

کسم - نہیں۔ ان کا بچپنا ضرور تھا۔ غلطی تھی۔ مگر آپ بھی ضرورت سے زیادہ الجھ رہے ہیں۔

صاحب - (کچھ آگے بڑھ کر) میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ اس لئے کہنا ہوں کہ فیما کو موہن سے محبت ہے اور وہ میری صورت سے پیرا ہے۔

کسم - (ایک قدم ہٹ گئی) نہیں۔ نہیں۔

صاحب میں کہتا ہوں ہاں، میں فیما سے دس سال بڑا ہوں۔ میں فیما سے محبت کرتا ہوں اس پر اپنی جان قربان کر دیتے کو تیار ہوں۔ اگر مجھے یقین ہو جائے کہ وہ کسی دوسرے سے شادی کر کے خوش رہ سکتی ہے تو میں خود ہی اس کی راہ سے الگ ہو جاؤں گا۔

کسم بغیر میری ہونی سننی رہی

میری جگہ کوئی اور ہوتا تو دونوں کا بیجا ناک کے رستے نکال دیتا۔ یا کم سے کم موہن کو۔

کسم بیچ اٹھی

نہیں ڈرو نہیں جہاں تک میرا تعلق ہے موہن بالکل محفوظ ہے

کسم - شکریہ - احسان

صاحب - (گھور کر) کیا تم جی موہن کو جانتی ہو۔

کسم - آپ میرا اعتبار کرتے ہیں مجھے آپ پر بھروسہ ہے۔ سن لیجئے۔ موہن صاحب کو میری محبت ذرہ برابر بھی نہیں ملے گی وہ ہمیشہ سے بسندتے فیما کی ملاقات کے پہلے سے۔ اسی لئے میں بچ میں ہی بچنے لگی تھی۔ مگر اب دیکھتی ہوں کہ میرے بچ بچاؤ سے سارا کھس بگڑا جا رہا ہے۔

صاحب - تب تو موہن میرے خیال سے زیادہ سادہ لوح ہے۔

کسم - بعض اوقات پر کسی کا قابو نہیں چلتا۔ میں آج ہی جا رہی ہوں۔

صاحب - جا رہی ہو؟

کسم - میں ان شرمناک باتوں کے بعد نہیں رک سکتی آج ہی چلی جاؤں گی اور موہن صاحب کو کچھ دوسری باتیں کہہ دیتی ہوں۔

صاحب - کیا وہ راضی ہو جائے گا؟

کسم - اور کوئی چارہ ہی نہیں۔

صاحب - اب تم نے جانے کا ارادہ ہی کر لیا ہے۔ تمہارا جانا مجھے کھلیگا۔

(ٹھوڑی دیر کے بعد) غائب ہمارے دوستی اب بھی دیتی ہی ہے۔

کسم - ان باتوں کے بعد بھی۔

صاحب - ان باتوں کے بعد بھی اور انہیں باتوں کی وجہ سے۔ تم نے میری بیوی کو بہت بچایا۔

کسم - (بانتھ ملا کر) کاش میں آپ کو مسرور دیکھ سکتی۔

صاحب - تم بڑی غمگسار ہو۔ مگر زندگی صرف کاش کا مجموعہ نہیں ہے۔

کسم کے جاتے ہی صاحب نے گھٹی بجائی اور نوکر سے موہن صاحب کے بلوالیا۔
موہن - آپ نے بلایا ہے

صاحب - ہاں آئیے۔ دروازہ بند کر دیجئے

دونوں ٹھوڑی دیر ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر صاحب نے پوچھا
نہیں معلوم ہے کہ کسم بانی آج ہی جا رہی ہیں؟

موہن خاموش رہا

میں کسم بانی کی قدر کرتا ہوں، اسی لئے کچھ کہنا چاہتا ہوں

موہن - کیسے؟

صاحب - (کرسی آگے کھسکا کر) میں تم سے صرف ایک سوال پوچھوں گا
موہن - وہ کیا؟

صاحب - اگر میں ہوں۔ اگر فیما آزاد ہو تو تم اس سے شادی کرو گے۔

موہن (ذرا سا تامل کر کے) نہیں۔ کبھی نہیں۔

صاحب - اگر تم سچ کہتے ہو تو تمہاری جرأت قابلِ تعریف ہے مگر۔

موہن - (لال چلا ہو کر) میں نے بہت بچپنا کیا حماقت کی مگر اپنی شرافت کی قسم کھا کر
کہتا ہوں کہ معمولی کشش کے علاوہ اور کبھی کوئی نازیبا تعلق ہم میں نہیں ہوا۔
کسم بانی ہمارے لئے سیدہ سپر ہوئی اور ہم کو بنا ہنا پڑا

صاحب - اور یہ بات تکلیف دہ ہے

موہن - نہیں تو۔ میں کسم بانی کو دل و جان سے چاہتا ہوں۔ اس طرح آج تک
کسی دوسری عورت سے مجھے محبت نہیں ہوئی اور میں اس سے ضرور شادی کروں گا۔

صاحب - کسم بانی تو جا رہی ہیں

موہن - میں بھی ساتھ جاؤں گا

دونوں ایک دوسرے کو گھورنے لگے۔

صاحب - میں تمہارے انتخاب کی قدر کرتا ہوں اور کسم بانی کے انتخاب سے نفرت۔

موہن - آپ کو پورا حق ہے کہ مجھے دلیل کہئے۔ مگر یہاں ایسی گہری باتیں ہیں جیسی آپ سمجھتے
ہیں۔ جو باتیں ہو گئیں ہیں ان کے واسطے بہت شرمندہ ہوں۔ بہت زیادہ۔

صاحب - مگر تم کسم بانی سے شادی کرو گے؟

موہن - ضرور

صاحب - اور میری بیوی کا حشر کیا ہو گا۔ فیما نے مجھ سے آزادی چاہی ہے۔

کیوں چوٹ لگی؟

(ہنس کر) خوب۔ اور فوراً تیزی سے کمرے کے باہر چلا گیا

ٹیشن

گٹری۔ دانہ ہی ہونے والی مٹی کا روٹی بجا رہا تھا، کسم فرسٹ کلاس کے ایک خالی ڈبے میں اپنا سامان رکھے ہوئے مٹی۔ اتنے میں دروازہ کھلا اور ایک مرد بول کھلایا ہوا آیا۔ فوراً سامان رکھا گیا۔ قلی اتر اسی تھا کہ گٹری چل نکلی۔

چلتی گٹری میں

کسم۔ تم میرے پیچھے کیوں بڑے ہو؟

موہن۔ یونہی۔

کسم۔ تم نفرت بڑھاتے جا رہے ہو

موہن۔ آخر میری وجہ سے تمہارا کیا نقصان ہے؟

کسم۔ میری سب سے بہتر دوست فینا مجھ سے چوٹ لگئی۔ رخصت ہونے وقت اس نے خدا حافظ بھی نہیں کہا۔

موہن۔ شروع ہی سے غلطیاں ہوتی رہیں۔ مگر فینا۔

کسم۔ خوب سارا الزام غریب فینا کے سر پہی مردانگی ہے۔

ستے میں ایک ٹیشن آگیا دونوں خاموش ہو گئے۔ اسٹیشن معمولی سا تھا، ٹرین فوراً چل نکلی۔

کسم کے ذہن میں جانتے گناہ آج چلتی ہوئی ٹرین کا دروازہ اس نے کھولا مگر

موہن نے فوراً دیکھ لیا۔ تڑپ کر قریب پہنچا ایک ہاتھ سے کسم کو سمیٹ لیا اور

دوسرا ہاتھ دروازے کے دسہ کی طرف بڑھایا اتنے میں گٹری کی حرکت سے

دروازہ خود بخود بند ہو گیا اور موہن کا دبا ہوا ہاتھ کھینچنے کے دروازے میں

پس گیا، انگلیاں ہونہان ہو گئیں۔

کسم۔ کسم چوٹ لگئی۔ موہن تڑپا ہوا تھا۔

کسم۔ (پریشان ہو کر) کیا انگلیوں میں بہت چوٹ آگئی۔

موہن۔ (درد سے رک رک کر ہنسنے ہوئے اور ہاتھ پیچھے کر کے) نہیں کچھ نہیں۔

کسم۔ تم زخمی ہو گئے۔ خطا میری تھی (آنکھوں میں آنسو بھر آئے) مجھے بڑی ندامت

ہے دروازے سے دیکھ کر کسم نے فوراً ہی پانی سے دھویا اور اپنے بٹنی رد مال کو

چیر کر باندھ دیا۔

موہن۔ کاش سارا جسم زخم ہی زخم ہوتا۔ ذرا میری طرف دیکھو

کسم نے دیکھنا چاہا مگر دیکھ نہ سکی۔ چوٹ چوٹ کر رونے لگی۔

موہن (ایک ہاتھ سے پیشانی پر میری طرف دیکھو)

دونوں نے عجیب نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

موہن۔ کیا تم مجھے معاف کر سکتی ہو۔ میں کتنا ہی ذلیل کیوں نہیں۔ پیاری بہن

نگاہوں میں ایک عجیب جھلک۔ معاف کرو۔

کسم۔ (ذرا سا رک کر) تم مجھے ہمیشہ سے اچھے معلوم ہوتے ہو (موہن بولنے کو تھ

کہ کہنے لگی) ذرا رک جاؤ۔ میری سن لو۔ (ساری جان سے کانپ رہی تھی) جب تم فینا سے واقف ہی نہ تھے میں تب سے نہیں جانتی تھی۔ میری آخر تکلیف تھی کہ تم کو اور فینا کو۔

موہن نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا۔ کاش تم جانتی ہو میں

کہ میں کتنا شرمندہ ہوں اور فینا کے ساتھ یہ سے تعلقات بالکل معمولی

تھے (حادثے والا سین)

کسم۔ مگر فینا کو تم سے محبت ہے۔

گہری خاموشی چھا جاتی ہے

موہن۔ میں اپنی صفائی نہیں دیتا۔ صرف اتنا کہتا ہوں کہ مجھے جھوٹا نہ سمجھو تم سے

پہلے میں نے کسی عورت سے سچی محبت نہیں کی۔ تم سے حقیقی محبت ہے۔

کسم۔ یہ کب سے؟

موہن۔ جب سے تم پہلے پہل اسپتال میں مجھے دیکھے آئیں تھیں اس سے بھی پہلے

جب تم نے مجھے موٹر کے پیچھے سے نکالا اس وقت محبت کرنے لگا ہوا اور عمر بھر

کرتار ہوں گا۔ تمہارے احسان بھی مجھ پر بہت ہیں۔ تم نے بہت سے نازک

موقعوں پر ہمیں بچا یا ہے۔

کسم کی آنکھوں میں موہن اور فینا کے معاشرے کی تصویریں بھرنے لگیں

وہ خاموش تھی۔

موہن۔ کیا تم اب کبھی مجھے بوسہ نہ دو گی۔ نہ میرا بوسہ لو گی۔ میں آج ہی تم سے

بہتری پہنچتے ہی شادی کروں گا۔ اور آج موقع نہ ملا تو کل ہاتھ تو ملا۔

کسم۔ مگر میں شادی نہ کروں گی۔ تم فینا کا مال ہو۔ جب تک تمہارا فیصلہ ان

سٹے نہ ہو جائے میں شادی نہ کروں گی۔

موہن۔ کیسی بھولی باتیں ہیں فینا سے کیا مطلب۔ وہ میری مالک کیسے ہو میں۔

کسم۔ میری ہنسی نہ اڑاؤ۔ میں بڑی دیکھا ہوں

موہن۔ دیکھا کیوں ہو میں پہنچتے ہی بھائی صاحب کو خبر کر دوں گا اور آج ہی

شادی ہو جائے گی۔

کسم اپنے خیالات میں کھوئی ہوئی تھی موہن سے بدواشت نہ ہو سکا بڑا بڑا

زور سے پٹا لیا اور متواتر کئی دوسرے سے لے لے۔

موہن۔ اب بولو اب تو تم میری ہو

کسم۔ تم بڑے ظالم ہو

موہن۔ اور جب تک تم شادی کا قرار نہ کرو گی یہ اپنی ظالم رہوں گا۔

کسم۔ مجھے شرم آتی ہے۔

موہن۔ تمہاری جگہ فینا ہوتی تو کبھی نہ پکچاتی۔

کسم۔ مگر میں (جل کر) فینا نہیں ہوں

موہن۔ جیسا کہ تم نے کر کے تم فینا ہو ہم لوگ آدھ گھنٹے کے اندر یہی پہنچ جائیگے

تم کیا کہتی ہو۔

کسم۔ میں سید سے اپنا چو پانی والے مکان میں جاؤں گی

موہن۔ اور میں تم کو پہنچا کر شادی کا سامان کرنے جاؤں گا۔

کسم۔ لوگ کیا کہیں گے۔

موہن پر واہ نہیں۔ تم میری ہوا راہ میں ہم سے جدا نہیں رہ سکتا۔

کسم۔ مجھے تم سے محبت ہے۔ اگر تم واقعی چاہتے ہو تو میں شادی کے لئے تیار۔

موہن نے اس کا جواب بوسوں میں دیا۔ اتنے میں سٹیشن آگیا دونوں پریم

اس میں دو بے یو سے جو باٹی پہنچے۔ راستہ بھر زیادہ تراش و تاروں میں بائیں

ہوئی۔

موہن رخصت ہوتے ہوئے (میں کل صبح سامان کر کے آ جاؤں گا۔

کسم۔ میں تیار رہوں گی۔

Calendar

March 21st Thursday 1935

کسم دوسری صبح کو Calendar دیکھتی ہے

Friday 1935 پھر گھڑی دیکھتی ہے

نوبت ہے۔ وہ بہت مسرور ہے۔ دروازے کی آواز پر بھی چونک جاتی ہے۔

تار باٹنے والا ایک تار لاتا ہے۔ کسم کھول کر پڑھتی ہے

” فوراً چلی آؤ۔ جاں بلب ہوں۔“

فینا

کسم فوراً ہی اپنا چھوٹا بیگ لیکر جلدی میں ایک پرچہ موہن کے نام لکھتی ہے

”میں آنند کٹی جا رہی ہوں۔“ کسم

باہر ٹھیکریسی پر ٹھہرتی ہے اور سٹیشن پہنچ جاتی ہے۔

رام نگر جانے والی گاڑی کا وقت دیکھتے ہی ٹکٹ خریدتی ہے اور بیٹھ

ہی گاڑی چھوٹ جاتی ہے۔

پلیٹ فارم پر ایک لڑکا چیتا ہوا جاتا ہے۔ بالکل تازہ خبر ہمارے گجران جٹا

کی خود کشی

کسم فوراً ایک اخبار خریدتی ہے۔

چھاپا صفحہ ”گجران صاحب کی خود کشی“

جہاں نامہ نگار کو بچنے خبر ملی ہے کہ رام نگر کے جہاز گجران صاحب

کل رات کو بمبئی آئے۔ بارہ بجے کے بعد بھی لوگوں نے ان کو ہیگنگ گارڈن

میں دیکھا۔ صبح تڑکے بعد رات ان کا کوٹ اور ٹوپی باغ کے ایک سرے والی

پنچ پر پایا۔ کوٹ میں ایک پرچہ تھا اس میں لکھا ہوا تھا۔

”میں اپنی زندگی سے عاجز ہو کر خود کشی کر رہا ہوں۔ میرا وصیت نامہ“

خاندانی وکیل بیچ منی صاحب کے پاس محفوظ ہے۔ ”گجران“

کسم کی آنکھوں میں آنسو جھڑکے۔ رام نگر کا سٹیشن آگیا وہ انری

ٹو موٹر موجود تھی۔ دیکھ کر ضبط نہ ہو سکا۔ رونے لگی۔

جب تندرستی جو بچی تو آفت مچی ہوئی تھی غضب کا سناٹا تھا۔ غامدہ اور ماکھڑ

سرگوشیاں کر رہے تھے۔ خدام ایک طرف پریشان تھے

فینا سے باؤں تک سیاہ کپڑوں میں ملبوس تھی دیکھتے ہی پربت گئی۔

” پیاری میں تباہ ہو گئی۔ لٹ گئی۔ صاحب مر گئے۔ موہن چھین گئے

کسم۔ کس نے پھینا

فینا۔ بہن تم نے۔ ہاں اب میرا کوئی نہیں

کسم۔ میں جو کچھ کہہ کر کے لئے تیار ہوں

فینا کچھ نہیں صرف اس بے وفا کو طوطا جتنی کامزہ چکھانا چاہتی ہوں جیسے اس نے

میرا دل توڑا ہے میں بھی اس کا دل توڑ دوں گی یہ لکھ دو کہ تمہاری تنگنی

ٹوٹ گئی اور وہ کبھی اپنا سنا نہ دکھائے کسم رکی ہی تھی کہ فینا نے پیچھے ہٹ کر

اپنے سینہ کو نشانا بنایا۔ اگر نہ لکھو گی تو میں ابھی جان دوں گی۔

کسم کی آنکھیاں کانپ رہی تھیں۔ ابھی اس نے صرف تنگنی کا لفظ لکھا تھا

کہ دروازہ کھلا اور موہن اندر آ گیا

کسم نے فوراً ہی اخبار موہن کو دیدیا۔ موہن اخبار پڑھ کر ٹھکڑے ہو گیا۔

فینا۔ (کسم سے) تم ذرا دیر کے لئے باہر چلی جاؤ میں ابھی بلا لوں گی۔

کسم مڑی ہی تھی کہ موہن نے بڑھکر۔ دک لیا۔ پیاری میں نہیں تہنا نہ

جانے دوں گا۔ میں جی چلتا ہوں

فینا۔ اچھا تو یہاں تک نوبت پہنچ گئی۔ روتے لگتی ہے۔

اتنے میں خاندانی وکیل بیچ منی صاحب کے آنے کی خبر ہوتی ہے سب لوگ

بچھ جاتے ہیں۔

وکیل صاحب۔ رخصت نامے کی رو سے جائداد کا پٹ حصہ کسم بانی کو ملنا چاہیئے

اور بقیہ آپ کو مگر اس شرط سے کہ آپ۔

فینا۔ یہ سب گھر کے لوگ ہیں آپ بلا تکلف کہیئے

وکیل صاحب۔ کہ آپ ان سے (موہن کی طرف اشارہ کر کے) شادی نہ کیجئے۔

فینا۔ میں اور ایسے کنگال سے شادی، ہاں میرا سرتاج۔ ہاں پیارے گجران

(تصویر پھر جاتی ہے)

موہن (بگڑ کر) چلو کسم یہاں سے چلیں۔ کہیں یہاں کی زہریلی ہوا سے تہا سے بھول

ایسے گال کھانا نہ جائیں

فینا۔ اگر میں جانتی ہوتی تو کبھی تم کو منہ نہ لگاتی

موہن۔ اور میں بھی منہ نہ لگاتا

وکیل صاحب رخصت ہو جاتے ہیں مگر باہر جا کر ایک کھڑکی کی آڑ سے پردہ

سرا کر رہا ہیں۔

فینا۔ باؤدہ گرا گری باہر بے نیکی۔ تم بڑے کم ظرف ہو

موہن۔ اگر تم مرد ہو تو اس بیوہ کی کا کوئی مزہ چکھا دیتا۔ مجھے تم سے کبھی

محبت نہ تھی۔

فینا۔ تو چھب چھب کر ملنا کیا تھا؟

موہن۔ نہ تو مانتے۔ تم خود جانتی ہو کہ ہم میں کبھی کوئی نازیبا بات نہیں ہوئی۔

فینا۔ کہا اب بالکل محبت نہیں۔

کسم - جوت نہ ہونا؟
 موہن - مجھے نفرت ہے۔
 کسم - یہ کیا کہتے ہو؟
 فینا - (ترپ کر) مجھے خود نفرت ہے (دوکر) ہائے مرے سرتاج اگر وہ زندہ
 ہوتے تو تم اس طرح گستاخیاں نہ کرتے۔ ایک غریب بیوہ پر ایسی سختی
 اتنا ظلم۔
 دروازہ کھلا۔ وکیل صاحب آئے
 معاف کیجئے گا ایک غزوری بات بھول گیا تھا۔ وصیت نامہ کی ایک
 شرط یہ بھی تھی کہ اگر کسم بائی اور موہن صاحب کی شادی ہو جائے تو
 سارا خرچ اسی ریاست سے دیا جائے۔
 فینا - (ترپ کر) اُن میرے سرتاج اگر تم زندہ ہوتے تو میں پاؤں کی خاک
 بن کر رہتی اے گجراج کی پاک روح مریم کے واسطے شاہد رہ کہ میں
 اپنے پیارے شوہر کے پاس پہنچنے کے لئے اپنی جان بھاد کر رہی ہوں۔
 فینا نے فوراً ہی تہنہ نکالا۔ بوڑھے وکیل نے بڑھکر ہاتھ ڈالا مگر گھوڑا
 دب چکا تھا۔ دنا مانہوا اور فینا کے پیچھے والی دہوار سے توناگرا۔ دہواں ہو گیا۔
 فینا کے ہاتھ سے تہنہ چھن گیا اور دہواں بھٹا تو گجراج صاحب کھڑے تھے۔
 لباس وکیل ہی صاحب کا تھا مگر چہرہ بدل گیا تھا۔ سب لوگ حیران رہ گئے۔
 گجراج - پیاری میں نے خود کشتی نہیں کی تھی۔ وہ صرف چال تھی۔ غم ہنسو گی۔ مگر
 سو تیاڑا مجھے بھی ہوئی اور میں نے جانچ کی یہ ترکیب نکالی تھی۔

کسم - سچ ہے ایک دن دو دو کا دو دھ پانی کا پانی ہو جاتا ہے۔
 فینا - (قدموں پر گر کر) آج سے میں بھی ہندو استرین کے سمان رہوں گی۔ مجھے
 شہدہ کر دیجئے۔ فیشن اور آزادی پر لات مارتی ہوں
 گجراج گلے سے پٹٹا لیتے ہیں
 کسم - ہم دونوں کو بھی شہاد دیجئے۔ دیا کیجئے
 کسم - آج سے یہ میری بہن ہیں اور یہ میرے بھائی ہیں۔
 گجراج - اور میرے بھی۔
 کسم - اور یہ میری بہن ہیں آپ میرے بھائی تھے ہیں اور رہیں گے۔
 موہن - اور میرے بھی۔
 گجراج - آج مجھ سے زیادہ کوئی خوش نہیں ہے۔
 فینا - میں ہوں
 کسم - میں بھی
 موہن - اور میں بھی۔

فینا اور کسم ساروں میں۔ موہن اور گجراج قدیم سرتاج ہندوؤں
 کے لباس میں لنگا استننان کر کے۔ سورج دیوتا کو گل پڑا رہتے۔
 جب درجن ہو رہا ہے۔

ایشیا کا آئندہ منبر ”جہاں پالت فیلر ہوگا“

جو اواخر دسمبر تک شائع ہوگا
 منیجر

نبی آخر الزمان

پیارے محمد کی سوانح حیات

یہ کتاب اپنی جامعیت سلاست زبان بصیرت تاریخ خوبی کاغذ اور صفائی طباعت کے لحاظ سے بہت ممتاز ہے

تاریخ عرب اور میلاد رسول سے لیکر وفات تک کے حالات درج ہیں اس کتاب میں عاشق رسول جناب منشی فضل الدین صاحب مؤلف نے وہ وہ خوبیاں پیدا کی ہیں جن کے مطالعہ سے آپ کی حیات نبی میں خاص جوش پیدا ہوگا۔ اسی قیمت پانچ روپیہ (۵ رو) جلد رعایتی (پیکر) محصول ڈاک بذریعہ ریسرپی آرڈر روانہ کرنا اس صاحب سے خراج ڈاکٹ لیا جائیگا۔

منیجر عارف کمپنی نیلہ گنبد لاہور

لالہ نام

بو اسیر کا حکمی علاج

بو اسیر غنی ہو یا بادی لالہ نام کی ایک شیشی کے استعمال کے بعد ظالم مرض سے ہمیشہ کیلئے نجات ہو جاتی ہے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ (۱ رو) علاوہ محصول ڈاک -

منیجر یونانی کیمیکل فارمیسی نیلہ گنبد لاہور

بیان حال

مصنف اشفاق اظہر دھلو

مسلمانوں کی شوکت رفتہ اور حالت موجودہ کا عبرتناک موقع دیکھنا ہو تو ڈھائی آنے (۲ رو) کے ٹکٹ سیکریر کتاب منگالیں - ہر روز دمنہ مسلمان کو یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔

منیجر عارف کمپنی نیلہ گنبد لاہور

قوت کی لائٹانی ہے۔ اور تیر بہ دور

کایا کنڈن

مشرق کی وہ ایجاد جو صدیوں سے استعمال میں آرہی ہے انسانی زندگی کی حقیقی حفاظت برحالیہ کو دور کر کے شباب میں لانے والی ایک ایسی ایجاد جسکی جتنی بھی تعریف کی جاگم ہے۔ مشرقی اطباء نے اس دوا کا نسخہ ہندوستان کے رؤسا اور امراء کیلئے تیار کیا تھا اور اسی دوا کے بل بوتے پر وہ ہمیشہ ہمیشہ جوان اور تندرست سرخ و سپید رہتے تھے۔

زندگی اور زندہ دلی کا راز

انسانی طاقتوں میں اضافہ کرنے کے لئے کایا کنڈن سے بڑھ کر کوئی ایجاد نہیں

یا یوس ریض

چند دنوں کے استعمال کے بعد اسکے گردیدہ ہو جاتے ہیں۔ اسکے استعمال سے قوت میں اس قدر ترقی ہو جاتی ہے جس کا اظہار ممکن نہیں۔

ایک شیشی نئی زندگی بخشی ہے

قیمت فی شیشی علاوہ محصول ڈاک پانچ روپیہ (۵ رو) (چالیس یوم کی دوائی) آزمائش کے طور پر دنل یوم کی دوائی منگو کر استعمال کریں۔ قیمت شیشی نمونہ ایک روپیہ آٹھ آنے (۸ رو) -

ملنے کا پتہ

منیجر یونانی کیمیکل فارمیسی نیلہ گنبد لاہور

ادبی مرکز میٹھ سے ایک ہفتہ وار سیاسی ادبی اخبار

اقتاب

کا طلوع
زیر ادارت

عالیجناب پنڈت گوپی ناتھ سنہابی لے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈوکیٹ سابق مدیر روزنامہ ”قوم بھر
مدت ایک ایسے اخبار کی ضرورت کو محسوس کیا جا رہا تھا جو شہر اور ملک کی صحیح نمائندگی کے فرائض ادا کرے۔ ہم نے باوجود
چند در چند ذمہ داریوں کے بالآخر ایک ہفتہ وار اخبار کی ذمہ داری کا بار بھی اپنے سر لے لیا۔ اور دارالاشاعت سنگھ پریس سے
ایک بلند معیار ہفتہ وار جاری کر دیا تاکہ شہر اور ملک کی خدمت کی جاسکے۔

آفتاب اپنی اصابت رائے، مضامین، سیاسی مقالات، طباعت، اور اپنی اٹھان کے لحاظ سے بہت پسند کیا گیا ہے، ملک
کے بہترین انشا پرداز و شعرا کے مقالات اور نظمیں، دلچسپ افسانے، انسانی فطرت میں رفت پیدا کرنے والے اقوال، لطائف و ظرائف،
غرض کہ ہر وہ عنصر جو ایک ہفتہ وار اخبار کے لئے ضروری ہے ”آفتاب“ میں نہایت تکمیل کے ساتھ پایا جاتا ہے۔

قیمت سالانہ (تین روپے) علاوہ محصول فی پرچہ (۱)

ملنے کا پتہ

دارالاشاعت ادبی مرکز (ساگر پریس) سی پٹ بازار میٹھ

ادبی مرکز میٹر کا تازہ ترین شمارہ

ملک کی نامور شاعر و انشا پرداز حضرت ساعر نظامی کا غیر فانی کام

باد مہشر

حضرت ساعر نظامی کی روح پرور طبعی قومی اور نگارنگ نظموں و غزلوں کا مکمل مجموعہ جس کا مقدمہ

ایشیا کی مشہور شاعر اور لیڈر مسٹر نہرو جی نے تالیف فرمایا ہے

اور دیباچے مندرجہ ذیل مشابہہ بند نے بطور خاص تحریر فرمائے ہیں

(۱) مصنف حضرت سید مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی ملوی ظلیہ ۱۲۱۱ھ انتظامی تہذیبی اور ایک ارم مشہور قوم پرست قائد و قائد سید محمد اکرم اپنی ایچ ڈی بارہویہ حضرت ساعر نظامی کا تالیف امیہ کی مشہور آرٹس مسراجہ وون بیٹلے نے تیار کیا ہے

اس وقت تک اردو ادب میں اتنی حجم کتاب ان شان و مقام میں نہ مل سکتی تھی۔ تمام بڑا بڑا بارہ ادب میں تقسیم ہے ان ابواب میں باب بچوں، خواتین کیلئے مخصوص کر کے ہیں باقی ابواب بچوں کی تعلیم، نہایت خوبصورتی کے ساتھ ہیں اور اداری پیدا کرنے کیلئے اکثر اقوام کے وہی پیشواؤں کے متانت موثر نظموں کی کئی ہیں جو ہمارے اثر کے لیے نہیں ہیں۔ تہذیبی باب ساعر نظامی کے عنوان کے تحت منتخب غزلیں ایک جگہ جمع کر دی گئی ہیں غرض کہ بارہ مشرق صوری و معنی حاد سے اب ایسا نہ ہو۔ رد و شاعری کا ایسا اختراع فائدہ ہے جس کی مثال اردو زبان میں ملتی ناممکن نہیں تو مشکل نہ رہے۔

قیمت ششہ علاوہ محصول

ادبی مرکز کاتبہ ساعری پٹا سٹریٹ میٹر (یو پی)

